غالب اور عصر غالب



ڈاکٹر محمد ایوب قادری

غضنفر اکیڈمی پاکستان کراچی



غالب اور عصر غالب

(غالب پر چند تحقیقی مقالات)

عزیز محترم پروفیسر محمد اقبال مجددی زید مجدہ
کی خدمت میں بہ صد خلوص

خاکسار
محمد ایوب قادری
۲۸ جولائی ۱۹۸۳ء

ڈاکٹر محمد ایوب قادری



غضنفر اکیڈمی پاکستان۔ کراچی

بار اول ۱۹۸۲ء
طابع ... ... اسحاقیہ پریس کراچی

قیمت ۲۰/- روپیہ

ملنے کا پتہ
ثاقب علی E.5 ماڈرن کالونی
منگھو پیر روڈ کراچی ۱۶

فون ۲۹۰۲۱۴

فہرست مضامین

۱۔ علامہ اقبالؔ، غالبؔ کے مزار پر

ان حضرات کے ناموں کی فہرست جن کا تذکرہ حواشی میں کیا گیا ہے

۱۔ مرزا امان علی خاں غالبؔ (کلکتہ)
۲۔ شیخ فضل حق عرف غلام میناساحرؔ کاکوروی
۳۔ مولوی غلام جیلانی رفعتؔ رام پوری
۴۔ مولوی نورالاسلام حقیؔ
۵۔ عنبر شاہ خاں آشفتہؔ رام پوری
۶۔ محمد کبیر خاں رام پوری
۷۔ حافظ شاہ جمال اللہ رام پوری
۸۔ مولوی روشن علی جون پوری
۹۔ ابوالفضل محمد عباس شروانی رفعتؔ
۱۰۔ جعفر حسین دیوبندی
۱۱۔ منشی جمال الدین مدارالمہام بھوپالی۔
۱۲۔ شاہ دلدار علی مذاقؔ بدایونی۔
۱۳۔ کفایت علی کافیؔ
۱۴۔ معین الدین نزہتؔ
۱۵۔ شاہ عبدالغنی مجددی
۱۶۔ سید ظہورالحسن
۱۷۔ منشی دیبی پرشاد سحرؔ بدایونی

کتابیات

انتساب

بخدمت

محمد طفیل صاحب مدیر "نقوش" لاہور

جنہوں نے اس کتاب کے دو مقالے "نقوش" میں شائع کیے اور ایک مضمون "غالب اور روہیل کھنڈ" پر باندازِ خاص اظہارِ پسندیدگی فرمایا۔

محمد ایوب قادری

پیش لفظ

مرزا غالب نابغۂ روزگار شخصیت تھے۔ شعر و شاعری میں خاص انداز و طرز کے مالک مشہور ہے۔ اردو خطوط نویسی کو وقار بخشا اور اردو نثر نگاری کو ایک نیا آہنگ دیا وہ اس وقت کی سوسائٹی میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے ان کا حلقۂ تلامذہ و احباب بھی وسیع تھا۔

مرزا غالب کی زندگی ہی میں ان کے کام اور حالات سے دلچسپی شروع ہو گئی تھی۔ ان کے دواوین، مثنویات، کلیات اور خطوط کے مجموعے شائع ہوئے اور ان کے حالات لکھے گئے۔

بیسویں صدی عیسوی میں جدید تعلیم یافتہ حضرات نے مرزا غالب کو بانداز خاص دریافت کیا، غالب شناسی کا نیا دور شروع ہوا اور اچھا خاصا کام ہوا۔

سنہ ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کے انتقال کو سو سال ہوئے برعظیم پاک و ہند میں غالب صدی تقریبات کا سلسلہ شروع ہوا بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں اس کی صدائے بازگشت گونجی ان تقریبات کے تعلق سے غالب پر خوب کام ہوا اور غالب شناسی میں اضافہ ہوا۔

اس موقع پر خاکسار نے غالب سے متعلق ۹ مضامین لکھے جو مختلف رسائل

مثلاً نقوش (لاہور) اردو (کراچی) صحیفہ (لاہور) العلم (کراچی) ادب لطیف (لاہور) قومی زبان (کراچی) اور ہمدرد صحت (کراچی) میں شائع ہوئے اور علمی و ادبی حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے۔

عزیز محترم ثاقب علی خاں نے جو میرے استاد مرحوم پروفیسر حبیب اللہ خاں غضنفر (ف ۱۵ر فروری ۱۹۷۳ء) کے فرزند سعید ہیں خواہش ظاہر کی کہ وہ ان مضامین کو "غضنفر اکیڈیمی" کی طرف سے شائع کرنا چاہتے ہیں لہٰذا ان پر نظر ثانی کی گئی اور اب ان کو "غالب اور عصر غالب" کے عنوان سے اصحاب فکر و نظر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ کتاب کے آخر میں کتابیات بھی شامل کر دی گئی ہے۔

ثاقب علی خاں کی خواہش اور اصرار پر عزیز محترم ڈاکٹر معین الدین عقیل نے مجھ سے تحریری مواد حاصل کر کے تعارف لکھا ہے جس کے لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں عزیزوں کو ہمیشہ بامراد رکھے۔

محمد ایوب قادری
۱۵ر فروری ۱۹۸۲ء

اے ۱/۴/۱۷ این بلاک
شمالی ناظم آباد، کراچی ۳۳
فون ۶۱۶۸۵۸

تعارف

جناب ڈاکٹر معین الدین عقیل ۔ کراچی

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری اردو دنیا میں ایک ممتاز محقق، مولف اور مترجم کی حیثیت سے خاص شہرت کے حامل ہیں۔ بر عظیم پاک و ہند کی اسلامی تاریخ اور اسماء الرجال ان کی دلچسپی کے خاص موضوعات ہیں۔ اپنی علمی و تحقیقی کاوشوں کے سبب نہ صرف وہ ایک خاص اہمیت اور مقام رکھتے ہیں۔ بلکہ انھیں علمائے ہند اور ہندوستان کی مذہبی و اسلامی تحریکات پر استناد کا درجہ بھی حاصل ہے۔ ان کا کمال محض یہی نہیں کہ انھوں نے اپنی تمام زندگی نہایت وقیع اور ادق موضوعات علم و تحقیق کی تلاش و جستجو میں گزار دی اور ہماری تہذیبی و علمی تاریخ کی بعض اہم کتابوں کو ترتیب، حواشی اور ترجمہ کے ذریعہ اردو دنیا سے متعارف کرایا۔ بلکہ انھوں نے علم و تحقیق کے ایسے موضوعات منتخب کئے اور ایسی شخصیات اور تحریکات پر دادِ تحقیق دی جو علمی دنیا کے لئے بالعموم اجنبی اور اس کی رسائی سے دور رہے ہیں۔

انھوں نے اپنی ساری زندگی اور ساری دلچسپیاں علم و تحقیق کے لئے وقف کر رکھی ہیں۔ طرز زندگی نہایت سادہ اور درویشانہ ہے۔ فقر و قناعت اور بے نیازی اور خلوص و محبت اور شفقت و پاسداری ان کی شخصیت کے نمایاں اوصاف ہیں۔ ان کی محنت اور لگن اور جانفشانی اور دقت نظری ان کی زندگی کے ہر انداز اور ان کی لکھی ہوئی ہر ہر سطر سے ظاہر ہوتی ہے۔

وہ اپنی علمی اور تدریسی زندگی کے ذریعہ مفید اور لائق تحسین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان دنوں اردو کالج کراچی میں شعبہ اردو کے صدر اور اپنے علمی و تحقیقی کاموں میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ اردو کالج میں ایم اے (اردو) کی تدریس ہونی

ہے۔ ان کی شخصیت کے ان اوصاف کی تشکیل میں جہاں ان کی فطری لگن اور محنت وجانفشانی کا دخل ہے، وہیں وہ اپنے خاندان کے ایک شاندار علمی ورثہ کے بھی حامل ہیں، جس کے زیر سایہ ان کے علمی وادبی مزاج کی تربیت وتعمیر ہوئی ہے۔

ان کے ایک جد اعلیٰ حکیم احمد اللہ اپنے عہد کے نامور عالم اور خطیب تھے ان کا خاندان بدایوں میں توطن پذیر تھا۔ مگر روہیلوں کے عہد میں قصبہ آنولہ (ضلع بریلی) میں آکر آباد ہوا۔ نواب علی محمد خاں والیٔ روہیل کھنڈ نے حضرت شاہ نور غازی کی زیارت (واقع منونہ) سے متعلق ایک بڑی اراضی وقف کی تھی، اس کے متولی حکیم احمد اللہ تھے۔ ان کے صاحبزادے حکیم حبیب اللہ علم وفضل میں ممتاز ہوئے۔ حکیم حبیب اللہ کے فرزند حکیم عظیم اللہ قادری بھی علم وفضل میں ممتاز تھے۔ انھیں علم الفرائض اور تجوید میں اعلیٰ دستگاہ حاصل تھی۔ "معارف المیراث"، "کاشف الحقیقت"، "تفسیر سورۃ العصر" ان سے یادگار ہیں۔ انھوں نے بعض کتابوں پر حواشی بھی تحریر کئے۔ درس وتدریس اور مطب ان کے مشاغل زندگی تھے۔ غالباً اطبائے رام پور یا نواب رامپور نے انھیں "اشرف الحکماء" کا خطاب دیا تھا۔ ان کا انتقال ۱۲۸۴ھ میں ہوا۔

ان کے چار صاحبزادے حکیم الٰہی بخش، حکیم سعید اللہ، میاں وحید اللہ اور حافظ امام الدین تھے۔ ان میں سے مولوی حکیم سعید اللہ مرحوم سے پروفیسر قادری صاحب کا سلسلہ ملتا ہے۔ حکیم سعید اللہ (۱۸۲۶ء - ۱۹۰۷ء) سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ خاندانی پیشہ طب اور زمینداری سے تعلق رہا۔ کئی کتابیں لکھیں اور کئی کتابوں پر حواشی تحریر کئے۔ ۱۸۵۷ء میں خان بہادر خاں کی فوج میں بھرتی ہوکر ککرالہ (ضلع بدایوں) اور کنپلہ (ضلع فرخ آباد) میں انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔ انھوں نے ایک فرزند مولوی رحیم بخش (۱۸۵۷ء - ۱۹۲۰ء) یادگار چھوڑے۔ یہ پروفیسر قادری صاحب کے دادا تھے۔ انھوں نے علوم متداولہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ فن خطاطی میں کمال حاصل تھا۔ کئی رسالے اور کتابیں لکھیں۔ عربی ادب پر گہری نظر تھی اور ابن عربی کا خاص مطالعہ تھا۔ انھوں نے ایک فرزند مولوی مشیت اللہ قادری (۱۸۸۹ء - ۱۹۵۹ء)

یادگار چھوڑے۔ یہ پروفیسر قادری صاحب کے والد ماجد تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم خلیفہ ضیاء علی سے حاصل کی۔ فارسی کی کتابیں اپنے والد اور مولوی اسد علی خاں سے پڑھیں اور فارسی میں بہت اچھی قابلیت حاصل کرلی۔ عربی اپنے دادا حکیم سعید اللہ قادری سے تحصیل کی اور کتب متوسطات تک ان سے پڑھیں پھر مولانا سراج الدین شاہجہانپوری سے کچھ کتابیں پڑھیں اور مفتی حافظ بخش بدایونی سے تکمیل کی۔ منشی چوکھے لال سے ہندی پڑھی، بعض دیگر فنون بھی سیکھے۔ فن شہسواری سے بھی دلچسپی تھی۔ تاریخ وادب میں کمال رکھتے تھے۔ تاریخ روہیلکھنڈ اور انساب ورجال پر گہری نظر تھی تبلیغ دین اور مناظرہ سے خاص دلچسپی تھی۔ مختلف مقامات پر خصوصاً بمبئی میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۲ء کے دوران قیام میں مناظرے کیے۔ تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف رہے اور کئی غیر مسلموں کو مسلمان کیا۔ تحریک پاکستان کے زبردست مؤید تھے۔ ۱۹۵۰ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ دادو (سندھ) میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔ تاریخ انساب اور رد آریا اور رد شیعہ میں ان سے بعض کتابیں یادگار ہیں۔ پروفیسر قادری کے علاوہ عبدالقیوم، عنایت اللہ اور نعمت اللہ ان کے فرزند ہیں اول الذکر نے ۱۹۴۳ء میں بدایوں میں اور آخر الذکر نے ۱۹۸۱ء میں کراچی میں رحلت پائی۔

پروفیسر قادری صاحب آنولہ میں بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۸ر جولائی ۱۹۲۶ء پیدا ہوئے۔ شہر کے ایک مقتدر عالم اور بزرگ مولوی حکیم عبدالغفور نے ان کے کان میں اذان دی اور "چراغِ علم" سے تاریخ پیدائش نکالی۔ حافظ عبدالاحد اور حافظ عبدالغنی سے قرآن کریم پڑھا پھر مدرسہ تعلیم المومنین میں تعلیم پائی اور ۱۹۳۹ء میں پرائمری اور ۱۹۴۲ء میں مڈل، درجۂ اول میں کامیاب کیے ریاضی میں امتیاز حاصل کیا۔ یہیں سے ۱۹۴۳ء میں ہندی مڈل کا امتحان بھی کامیاب کیا۔ ۱۹۴۴ء میں یوپی بورڈ سے میٹرک کا امتحان بھی درجۂ اول میں کامیاب کیا اور اردو اور ریاضی میں پھر امتیاز حاصل کیے۔ اس اثناء میں اپنے والد اور مولوی اسد علی خاں سے فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ میزان ومنشعب مولوی حکیم عبدالغفور سے پڑھیں۔ بدایوں

ان کا نانہالی وطن ہے۔ اُن کے نانا حاجی وہاب الدین بدایونی نہایت دیندار اور صاحب حیثیت بزرگ تھے۔ تعلیم کے سلسلہ میں پروفیسر قادری صاحب چار سال تک بدایوں میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں انھوں نے وہاں سے اسلامیہ کالج میں انٹرمیڈیٹ کی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۵۰ء میں اس کا امتحان کامیاب کیا۔

اپریل ۱۹۵۰ء میں پاکستان کے لئے ہجرت کی اور والد کے ساتھ کچھ عرصہ دادو میں قیام رہا، بعدہ، کراچی آکر ۲۱ ستمبر ۱۹۵۰ء کو محکمہ رسد و ترقیات، حکومت پاکستان میں ملازمت اختیار کرلی۔ اس عرصہ میں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اردو کالج کراچی سے ۱۹۵۶ء میں بی اے کامیاب کیا اور پھر ۱۹۶۲ء میں جامعہ کراچی سے اردو میں ایم اے کا امتحان درجہ اول میں کامیاب کیا۔

ان کی سرکاری ملازمت کا سلسلہ مئی ۱۹۵۷ء تک جاری رہا۔ اسے ترک کر کے ۵ مئی ۱۹۵۷ء سے مارچ ۱۹۶۲ء تک "پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی" میں معاون محقق اور ریسرچ افسر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ لیکن ساتھ ہی ستمبر ۱۹۶۲ء سے مارچ ۱۹۶۳ء تک اردو کالج کراچی میں جز وقتی استاد شعبۂ اردو کی حیثیت سے منسلک رہے مگر پھر ۵ مارچ ۱۹۶۳ء سے مستقل لکچرر کی حیثیت سے وابستہ ہوگئے۔ یہ تعلق برقرار ہے اور وہ اب ایک سینئر استاد کی حیثیت میں ایک معزز اور محترم درجہ پر فائز ہیں۔

اس عرصہ میں انھوں نے اپنی علمی و تدریسی حیثیت کے سبب ۱۹۷۵ء میں اردو کالج کی جانب سے "ہلال اردو تمغہ" کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن کی طرف سے ۱۹۷۶ء میں "اکیڈمک ایوارڈ میڈل" اور اعلیٰ ثانوی تعلیمی بورڈ کی جانب سے اسی سال قائد اعظم کی صد سالہ تقریبات کے تعلق سے "تمغۂ قائد اعظم" حاصل کئے۔ پھر اس عرصہ میں انھوں نے متعدد قومی اور بین الاقوامی مذہبی، تاریخی اور ادبی کانفرنسوں میں بھی مندوب کی حیثیت سے شرکت کی۔ اور ساتھ ہی برعظیم پاک و ہند کے کئی اہم کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا۔

پروفیسر قادری صاحب ابتدائی تعلیمی زندگی ہی سے علم و ادب سے خصوصی لگاؤ

کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح ابتدائی عمر ہی سے انھیں کتابوں کے مطالعہ اور انھیں جمع کرنے کا شوق رہا ہے، چنانچہ اس وقت ان کا ذاتی ذخیرۂ کتب کئی ہزار اہم، نادر و کمیاب اور سیکڑوں قلمی نسخوں پر مشتمل ہے جن میں تاریخ و رجال پر نہایت وقیع اور مفید کتابوں کی ایک بڑی تعداد بھی شامل ہے۔ ابتدائی تعلیمی زندگی ہی سے تصنیف و تالیف کا شوق پروان چڑھا اور مختلف رسالوں کے لئے مضامین لکھنے کی مشق جاری رہی۔ ان کا ابتدائی علمی و تحقیقی کارنامہ مولانا فیض احمد بدایونی کے حالات پر مشتمل ایک کتابچہ تھا، جو مئی ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ ان کی یہ کاوش علمی دنیا میں انھیں متعارف کرانے کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہوئی۔ پھر انھوں نے بہت جلد یکے بعد دیگرے کئی اہم کاوشیں علمی دنیا کے سامنے پیش کیں، جن میں وقائع عبدالقادر خانی کو "علم و عمل" کے نام سے دو جلدوں میں اپنے قیمتی حواشی کے ساتھ مرتب کرنا اور مولوی رحمان علی کے معروف اور اہم تذکرہ "علمائے ہند" کو اپنے طویل مقدمہ اور مفید حواشی اور تعلیقات کے ساتھ اردو میں ترجمہ کرنا اور مرتب کرنا شامل ہے۔ علمی دنیا کو چونکانے اور ان کی طرف متوجہ کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اپنی محنت، دقیقہ رسی، خلوص اور لگن سے پروفیسر قادری صاحب نے ان کتابوں کو پہلے سے کہیں زیادہ مفید اور وقیع بنا دیا۔ ان کتابوں کے منظر عام پر آنے کے وقت تک وہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی سے منسلک تھے۔

اردو کالج سے بحیثیت استاد وابستہ ہونے کے بعد ان کی علمی و تحقیقی اور تصنیفی سرگرمیوں کا دائرہ مزید وسیع ہوگیا۔ اس زمانہ کی کاوشوں میں "مخدوم جہانیاں جہاں گشت"، "مولانا محمد احسن نانوتوی"، "ارباب فضل و کمال" (بریلی) کی سوانح عمریاں، اور ان کے علمی کارناموں کا مفصل تذکرہ اور پھر تبلیغی جماعت کا تاریخی جائزہ اور "جنگ آزادی ۱۸۵۷ء" کے واقعات و شخصیات پر ان کی جامع اور وقیع تصانیف ان کے یادگار علمی کارنامے ہیں۔ ان کے علاوہ تراجم میں "مجموعہ وصایا اربعہ" (شاہ ولی اللہ وغیرہ)، "مآثر الامرا" (شاہنواز خاں کی تصنیف کردہ تین جلدیں)، "فرحت الناظرین"

(محمد اسلم انصاری پسروری) اور "سیر العارفین" (جمالی) اور ترتیب و حواشی میں تواریخ عجیب (کالا پانی)، عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ، مقالات یوم عالمگیر، تذکرہ نوری (حالات شاہ ابوالحسین نوری مارہروی) اور جنگ نامہ آصف الدولہ و نواب رامپور (معظم عباسی) وغیرہ ان کی ایسی کاوشیں ہیں جو علمی دنیا کے لیے مستقل استفادہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کاوشوں کے ساتھ ساتھ شریک مؤلف کی حیثیت سے "خط و خطاطی"، "علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں" اور "نقوش سیرت" مستقل اہمیت کی حامل بن گئی ہیں۔

ان مستقل اور مفصل علمی و تحقیقی کاوشوں کے علاوہ پروفیسر قادری صاحب نے برعظیم پاک و ہند کے بلند پایہ اور معتدر علمی و تحقیقی مجلوں اور رسالوں میں مستقل اہمیت کے حامل مقالات اور مضامین لکھے اور تقریباً پچیس کتابوں پر مقدمات اور دیباچے تحریر کیے۔ علمی اور ادبی صحافت میں بھی ان کا دخل رہا ہے۔ سہ ماہی "بصائر" (کراچی) کے اعزازی نائب مدیر اور ماہنامہ "سرحد" (کراچی) کے اعزازی نگراں رہے۔ اردو کالج کے مجلہ "برگ گل" کے ایک عرصہ تک نگراں رہے۔ ان کی نگرانی کے زمانہ میں انھیں کے اہتمام سے اور ان کی ادارت میں اس مجلہ کے سرسید نمبر (نقش ثانی) "تعلیمی پالیسی نمبر" اور "قائد اعظم نمبر" شائع ہوئے۔ اسی طرح العلم (کراچی) کا غالب نمبر انھوں نے مرتب کیا۔

یہ وہ کاوشیں ہیں جو بظاہر ماضی کا حصہ ہیں لیکن دراصل انھیں مستقبل کے لیے ماضی کا ایک نہایت وقیع اور قابل فخر ورثہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر قادری صاحب کا حال ان کے ماضی سے یقیناً زیادہ وقیع اور اہم ہے اور اسی اعتبار سے یہ مستقبل کی علمی دنیا پر زیادہ اثر انداز ہوگا۔ ابھی حال میں انھوں نے مغلیہ عہد کے اہم مورخ خواجہ نظام الدین احمد بخشی کی ضخیم اور مبسوط تاریخ "طبقات اکبری" کا ترجمہ مکمل کیا ہے جو مرکزی اردو بورڈ لاہور شائع کر رہا ہے اور ان دنوں وہ غزنوی عہد کے ایک عربی نژاد قبیلہ "بخلیم" پر ایک تحقیقی کتاب لکھ رہے ہیں۔ ابھی حال ہی میں انھوں نے

پی ایچ ڈی کی سند کے حصول کے لیے جامعہ کراچی میں ایک مبسوط تحقیقی مقالہ "اردو نثر کے ارتقا میں علما کا حصہ" پیش کیا تھا جس پر جامعہ کراچی نے انھیں ۱۹۸۰ء میں ڈاکٹریٹ کی سند عطا کی ہے۔ یہ مقالہ اشاعت کے لیے تیار ہے۔ اس موضوع پر پروفیسر قادری صاحب کی تخصیص اور اس پر ایک طویل مدت کی جانفشانی یقیناً اس مقالہ کی اہمیت اور اس کے درجہ کا تعین کرنے کے لیے کافی ہے۔

زیر نظر کتاب پروفیسر قادری صاحب کے ان تحقیقی مقالوں پر مشتمل ہے جو انھوں نے غالب کے تعلق سے مختلف اوقات میں تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے بعض مقالے ایسے ہیں جنھیں بلاشبہ غالبیات کے موضوع پر مفید اور معلوماتی اضافہ کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ ان مقالوں میں نہ صرف غالب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بلکہ ہمارے کلاسیکی ادب اور تاریخ و تہذیب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی متعدد نئی معلومات اور تاریخ و تحقیق کے کئی نئے گوشے اجاگر اور نمایاں نظر آئیں گے۔ ایسے بہت سے پہلو جو اب تک غالبیات ــــ بلکہ تاریخ و تہذیب کے جائزہ میں سمٹ نہیں سکے تھے وہ ان مقالوں کے ذریعہ سے اب وقف عام ہو رہے ہیں۔ یقین ہے کہ جہاں اس کتاب کی اشاعت سے پروفیسر قادری صاحب کی غالبیات سے دلچسپی کا اندازہ ہو سکے گا، وہیں یہ غالبیات کے ذخیرہ میں ایک مفید، معلوماتی اور وقیع اضافہ بھی سمجھی جائے گی۔

معین الدین عقیل

نواب الٰہی بخش خاں معروف کا غیر مطبوعہ کلام

نواب الٰہی بخش خاں معروف، دہلی کے رئیس، ریاست لوہارو کے جاگیردار صوفی منش بزرگ، باذوق شاعر اور مرزا غالب کے خسر تھے۔ مرزا غالب اور معروف کے خاندانوں میں متعدد رشتہ داریاں تھیں۔ خیال یہ ہے کہ یہ دونوں خاندان کم و بیش ایک ہی زمانہ میں ترکِ وطن کر کے ہندوستان پہنچے۔ اس زمانے میں ماوراء النہر میں سیاسی ابتری انتہا کو پہنچی ہوئی تھی اور کم و بیش یہی حال ہندوستان کا تھا، مگر ان گئے گزرے حالات میں بھی مرزا الٰہی بخش کے چچا شرف الدولہ قاسم جان اور والد مرزا عارف جان نے ہندوستان میں ہاتھ پاؤں مارے اور اپنی حیثیت بنالی۔ نواب قاسم جان خاصی سوجھ بوجھ کے آدمی تھے انہوں نے اوّل معین الملک میر منو گورنر پنجاب کے یہاں اثر و رسوخ پیدا کیا اور اس کے بعد ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں (ف ۱۱۹۶ھ / ۱۷۸۲ء) سے تعلقات استوار کئے اور سرکار و دربار میں خوب وقار حاصل کر لیا۔[1]

---

[1] اس سلسلے میں ملاحظہ ہو تاریخ پنجاب تحفۂ احباب از منشی عبدالکریم (مطبع محمد حسین لکھنؤ ۱۲۶۵ھ) صہ ۵۶ و مابعد لیکن یہ سارا بیان مرزا قاسم جان کے پوتے معین الدین کی خاندانی روایات پر مبنی ہے۔ نیز قریب العصر مصنف عبدالقادر کا بیان ملاحظہ ہو علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اوّل مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) صہ ۳۱۴، ۳۱۸۔

نواب قاسم جان کی طرح ان کے بھتیجے نواب احمد بخش خاں بھی سیاسی معاملات میں ذہن رسا رکھتے تھے وہ الور کے راجا بختاور سنگھ کے معتمد اور وکیل ہو کر لارڈ لیک کے ساتھ ہندوستان کی مہمات میں شریک رہے اور انہوں نے اپنی ذات سے بھی رسالہ رکھ کر گورنمنٹ کی خدمات انجام دیں۔ جس کے صلے میں سرکار سے فیروز پور جھرکہ وغیرہ کی جاگیر عنایت ہوئی۔ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء میں احمد بخش خاں کا انتقال ہوا۔

نواب الٰہی بخش معروف، نواب احمد بخش خان کے چھوٹے بھائی اور صوفی منش بزرگ تھے ان کو سیاست و ریاست سے زیادہ تصوف و شاعری سے واسطہ تھا۔ مشہور چشتی بزرگ شاہ ضیاالدین جے پوری کے مرید و خلیفہ تھے انہوں نے مروجہ علوم کی باقاعدہ تحصیل کی تھی[۱] اور فنون سپہ گری میں بھی مہارت رکھتے تھے۔[۲] مطبوعہ تذکروں میں ان کے بہت مختصر حالات ملتے ہیں۔ البتہ آب حیات میں شمس العلماء محمد حسین آزاد نے قدرے تفصیل دی ہے[۳] لیکن اس میں رنگ آمیزی کا شبہ کیا جاتا ہے[۴] حالانکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ آزاد کی ہر بات غلط ہو۔ مابہ النزاع بحث شیخ ابراہیم ذوق سے مشورہ سخن کی ہے اور غالباً سب سے پہلے یہ بات منشی خادم علی سندیلوی مصنف تاریخ جد ولیہ نے لکھی ہے تاریخ جدولیہ کی سنہ تالیف ۱۸۵۳ء ہے۔ وہ لکھتے ہیں[۵]

---

[۱] معروف کے دیوان میں بعض داخلی شہادتیں ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مروجہ علوم حاصل کئے تھے۔ نیز دیکھئے عیار الشعراء از خوب چند ذکا۔ رفوٹو سٹیٹ کاپی انجمن ترقی اردو کراچی) ۔ ص ۶۲۲

[۲] عمدۃ منتخبہ از نواب اعظم الدولہ میر محمد خان بہادر سرور۔ (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی) ۱۹۶۱ء ص ۶۸۲ - ۶۸۳

[۳] ملاحظہ ہو آب حیات از محمد حسین آزاد (لاہور ۱۹۵۰ء) ص ۴۴۳ - ۴۴۴

[۴] گل رعنا از حکیم عبدالحی (اعظم گڑھ ۱۳۷۰ھ) ص ۲۸۸ - ۲۹۰

[۵] تاریخ جدولیہ از مولوی خادم علی (مطبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۸ء) ص ۱۴۴

"(معروف) دہلوی قطع نظر شاعری کے فقیر بھی تھے محاورہ بندی میں اچھے، کچھ مشورت ذوقؔ سے بھی تھی۔"

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے اپنے تحقیقی مقالہ میں معروفؔ کی ایک ایسی غزل کا عکس شائع کیا ہے جو ذوقؔ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے[۱] اور آخر میں ڈاکٹر علوی لکھتے ہیں[۲]:۔

"ان شواہد کی روشنی میں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نواب معروفؔ ذوقؔ سے مشورۂ سخن بھی فرماتے تھے اور کبھی کبھی بزرگانہ فرمائشات بھی کرتے تھے۔ مگر یہ لازمی نہیں کہ ان کا تمام تر کلام ذوقؔ کا اصلاح دادہ ہو۔"

۱۲۴۲ھ میں نواب الہٰی بخش معروفؔ کا انتقال ہوا[۳] اور درگاہ نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے[۴] (آثار غالب از قاضی عبدالودود۔ ص۲۶)

معروف کے دو دیوان تھے۔ جن میں سے ایک دیوان مرزا نصراللہ خاں صدر محاسب حکومت حیدرآباد دکن کی کوشش و سرپرستی سے ۱۹۳۵ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا ہے۔ اس دیوان کی طباعت میں مولانا عبدالحی مدقا دری بدایونی (ف ۲۰ جولائی ۱۹۰۸ء) کی "کوشش بلیغ" شامل تھی۔ اس کوشش بلیغ کی شرح یہ ہے کہ دیوان کے شروع میں مولانا بدایونی نے ایک مقدمہ شامل کیا ہے۔ جو زیادہ تر معروف کے خاندانی حالات اور مرزا نصراللہ خاں کی مدح پر مشتمل ہے[۵]

---

[۱] ذوق۔ سوانح۔ اور انتقاد از ڈاکٹر تنویر احمد علوی (مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۳ء) ص۳۶ ، ، ، [۲] ایضاً ص۳۸

[۳] سخن شعراء از عبدالغفور نساخ (لکھنؤ ۱۲۹۱ھ) ص ۴۸۱ گلشن ہمیشہ بہار از نصراللہ خاں خویشگی (کراچی ۱۹۶۷ء) ص ۲۹۰ وغیرہ میں سنہ وفات ۱۲۴۲ھ ہے مگر کریم الدین نے طبقات الشعراء ہند (دہلی ۱۸۴۸ء ص ۳۸۶) میں سنہ انتقال ۱۲۴۳ھ لکھ دیا ہے۔

[۴] خواجہ عبدالرؤف عشرت نے تذکرہ آب بقا (لکھنؤ ۱۹۲۸ء) ص ۱۸۲ میں بلا تحقیق نواب الہٰی بخش معروفؔ کا مدفن لکھنؤ لکھ دیا ہے۔

معروف کے خاندانی حالات اور مرزا نصر اللہ خاں کی مدح پر مشتمل ہے۔[۱] دیوان کے آخر میں نواب مرزا سعید الدین خاں طالب (ف یکم ستمبر ۱۹۲۵ء)، شاہ علی احسن مارہروی[۲] (ف ۳۰ اگست ۱۹۴۰ء)، مولوی محمد یعقوب حسین ضیا بدایونی (ف ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء) اور مجتہد الدین عیش بدایونی (ف ۳ فروری ۱۹۵۵ء) کی تقریظیں اور تبصرے شامل ہیں۔ جناب مرزا سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی (ف ۱۹۴۵ء)، مولوی محمد یعقوب حسین ضیا بدایونی، منشی قمر الحسن قمر بدایونی (ف یکم جولائی ۱۹۴۱ء) اور حاجی عبدالجامع جامی بدایونی (ف ۲۲ اپریل ۱۹۶۵ء) نے جو قطعات تاریخ طباعت کہے ہیں وہ بھی شامل ہیں۔

مولانا عبدالحامد کو دیوان معروف کا صرف ایک نسخہ مرزا نصر اللہ خاں صاحب سے دستیاب ہوا۔ اسی کی اساس پر انہوں نے یہ دیوان طبع کرا دیا۔ دیوان کی صحت کے سلسلے میں مولانا رقم طراز ہیں:[۳]

"مجھے اصل دیوان میں کاتب صاحبان کی بے شمار غلطیوں کو درست کرنا پڑا۔ یہ صعوبت طباعت کے وقت اور بھی زیادہ پیش آئی۔ حتی الامکان میں نے اپنے سفری سلسلوں کے باوجود طباعت و کتابت کی خود بھی کافی نگرانی کی۔ میرے علاوہ چند اشخاص اور بھی اپنا قیمتی وقت صرف کرتے رہے اس کے بعد بھی جو غلطیاں سہواً رہ گئی ہوں، ارباب فن معاف فرمائیں۔"

کاتب صاحبان کی غلطیوں کے سلسلے میں مزید لکھتے ہیں:[۴]

---

[۱] مرزا نصر اللہ خاں ابن مرزا احمد سعید خاں ابن مرزا غلام فخر الدین خاں ابن مرزا الٰہی بخش خاں ابن مرزا الٰہی بخش خاں معروف۔

[۲] شاہ علی احسن مارہروی نے اپنے تبصرے میں اس بات پر زور دیا ہے کہ معروف کا ذوق سے استفادہ کرنا ممکن ہے ملاحظہ ہو دیوان معروف ص ۲۲۴ - ۲۲۶۔

[۳] ملاحظہ ہو دیوان معروف مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۵ء ص ن [۴] ایضاً ص ک

130317

"کاتب صاحبان کی دست برد نے معروف کے کلام کی نوعیت پر بعض بعض جگہ ایسا اثر ڈالا تھا کہ درستی مشکل تھی۔"

مولانا بدایونی کے پیش نظر دیوان معروف کا صرف ایک ہی نسخہ تھا جس کو انہوں نے اپنے ذوق و وجدان کی روشنی میں خود بھی درست کرنے کی کوشش کی اور اس کے علاوہ بعض دوسرے حضرات سے بھی مدد لی جب ہم نے اس کی صراحت چاہی تو مولانا بدایونی نے لکھا[1]

"اس کام میں سب سے زیادہ مدد مولوی محمد یعقوب حسین ضیا نے دی اور کچھ کچھ صحت و درستی مجتہد الدین عیش اور حاجی جامی صاحب مرحوم نے بھی کی۔"

مذکورہ بالا تینوں حضرات بدایوں کے مشہور اساتذۂ سخن تھے مولانا ضیاء القادری بدایونی سے جب ہم نے اس سلسلے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا[2]

"بڑا ناقص اور بدخط لکھا ہوا دیوان تھا حامد میاں کی خاطر بڑی محنت کرنی پڑی تو کہیں جاکر یہ کام پورا ہوا آپ کا خیال درست ہے بہت سی پوری غزلیں نکال دی گئیں اور بعض غزلوں میں سے وہ اشعار بھی حذف کر دیئے گئے جو پڑھنے میں نہیں آئے۔"

معروف کے دو دیوان تھے۔ جن میں سے ایک دیوان شائع ہوا اور اس میں بھی پورا کلام طبع نہیں ہوا جیسا کہ اقتباس بالا سے معلوم ہوتا ہے۔

ہمارے کتب خانے میں نواب الٰہی بخش معروف کے کلام کا ایک ناقص مجموعہ ہے جو صرف چھتیس صفحات پر مشتمل ہے سائز $\frac{22 \times 18}{8}$ ہے ہر صفحے میں تیرہ سطریں ہیں، کاغذ و کتابت قدیم ہے، کتابت کا انداز بھی پرانا ہے، ک یا گ' یائے معروف

---

[1] مکتوب مولانا عبدالحامد بدایونی بنام راقم مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۹ء۔

[2] مکتوب مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی بنام راقم ۷ اپریل ۱۹۷۰ء۔

یا یائے مجہول میں کوئی فرق نہیں ہے ٹ پر چار نقطے لگائے گئے ہیں، بعض اوقات نقطوں سے بھی بے نیازی برتی گئی ہے ۔

اس مجموعے میں ن ، و ، ہ ، ی کی غزلیات شامل ہیں جن میں ی اور ی کی غزلیات پوری تعداد میں شامل نہیں ہیں صرف چند ہیں ۔ جب اس مجموعے کا مقابلہ مطبوعہ نسخہ سے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اس مختصر سے مجموعہ میں معروف کی تیئس غزلیں ایسی ہیں جو مطبوعہ دیوان میں شامل نہیں ہیں ۔ ہم یہاں ان غزلوں کو ناظرین نقوش کی خدمت میں پیش کرتے ہیں :-

دن کو ظاہر میں گر آنا ہو نہیں سکتا تو آہ
خواب میں بھی رات کو کیا آپ آ سکتے نہیں [1]

اور بھی معروف پڑھئے اک غزل بر حسب حال
گرچہ تم ہم سے سخن کی داد پا سکتے نہیں

دوستو! اول تو ہم کو وہ بلا سکتے نہیں
اور بلاتے بھی ہیں تو ہم جی چلا سکتے نہیں

جی بھی گر اپنا چلا کر جاتے ہیں دروازہ تک
آنکھ درباں کی انہوں کے پھر بچا سکتے نہیں

آنکھ درباں کی بھی ان کے گر بچاتے ہیں تو بس
دست و پا یہ بھول لیتے ہیں گھر میں جا سکتے نہیں

اور اگر جانا بھی ہوتا ہے تو رہتے ہیں چھپے
دیکھنا پہروں میسر ان کا پا سکتے نہیں

گر میسر دیکھنا بھی ان کا پاتے ہیں تو آہ
جاتے ہیں پھر آپ سے ایسے کہ آ سکتے نہیں

اور آتے بھی ہیں گر اپنے میں بعد از دیر کے
پھر یہ لگ جاتی ہے چپ باتیں بنا سکتے نہیں

اس میں گر باتیں بھی بناتے ہیں تو کچھ اور اور
حرف مطلب شرح سے اُن کو سنا سکتے نہیں

حرف مطلب گر سناتے ہیں انہیں تو سن کے وہ
کہتے ہیں اول تو اب ہم دل لگا سکتے نہیں

اور لگا دیں بھی تو کیا معروف تجھ ہرجائی سے
جیتی مکھی جان کر تو ہم یہ کھا سکتے نہیں

---

[1] ہمارا مخطوطہ اسی شعر سے شروع ہوتا ہے ۔

نے کی لے جس کے ہو نالوں میں سو ہاں وہ میں ہوں
جس سے ڈھونڈے ہے جرس طرزِ فغاں وہ میں ہوں

عمر بھر جوں جرس قافلۂ وادیٔ عشق
جس کی لگتی نہیں تالو سے زباں وہ میں ہوں

شمع روویں پہ ہوں بس دل سے سدا پروانہ
اپنے جی کا جو کرے آپ زیاں وہ میں ہوں

برق خنداں جسے کہتے ہیں سو وہ تو ہے شوخ
ہے طرح ابر کے جو گریہ کناں وہ میں ہوں

ننگ و ناموس سے کچھ مجکو نہیں ہے مطلب
جو سنا ہو کبھی رسوائے جہاں وہ میں ہوں

رمز ارباب فنا کس پہ عیاں ہو یارب
جس کو کہتے ہیں کہ ہے دل میں نہاں وہ میں ہوں

درد دل ہوں مجھے دل سمجھے تو سمجھے ورنہ
جو بیاں ہو نہ فرشتے سے بیاں وہ میں ہوں

رائگاں آپ کو جو بیچ کوئی تس پر بھی
ہو خریدار کی خاطر پہ گراں وہ میں ہوں

بے نشانی میں بھی معروف ہے نام عنقا
جو نہیں معتقد نام و نشاں وہ میں ہوں

نہیں ہے تیر ترے اے بت بے پیر چٹکی میں
قضا آئی ہے میری بن کے شکل تیر چٹکی میں

بنامت موچنی سی ابروئے خمدار کو ہرگز
کہ ہے یہ صاف نادانی جو لی شمشیر چٹکی میں

تری چٹکی ہے اے مطرب بجائے معجز عیسیٰ
دل مردہ ہوا زندہ یہ ہے تاثیر چٹکی میں

حقیقت چھوڑ کر عشق مجازی کے نہ درپے ہو
اٹھا لیتا ہے لڑکا کوہ کی تصویر چٹکی میں

سخاوت وہ عمل ہے سب کو گر چٹکی بھر آٹا دو
تو اک عالم ابھی ہو جائے بے تسخیر چٹکی میں

شمار زخم بسمل سے ترے جو کوئی پوچھے ہے
تو لے کر وہ دکھاتا ہے اسے قط گیر چٹکی میں

کھنچے بہزاد سے کس شکل اب تصویر مجنوں کی
قلم جوں بید کانپے ہے دم تحریر چٹکی میں

کوئی ممکن ہے اب زلف سیہ کو تیری میں چھوڑ دوں
سرا لگی یہ آیا ہے بصد تدبیر چٹکی میں

چراغ خانہ گر اے برق وش تیرا تبسم ہو
پڑے شب کو سوزن لے کے مرد پیر چٹکی میں

مگر کچھ وہ ہم آغوشی پہ راضی ہیں جو اب ہر دم
قبا کے بند ملتے ہیں دم تقریر چٹکی میں

سخن گو وہ ہے معروف آج جس کے نام کو سن کر
عجب کیا ہے جو پکڑیں کان اپنا میر چٹکی میں

اون سے ہے یہ قید یاں آنے کی بابت ان دنوں — گھر میں پھرتے ہیں تو مچتی ہے قیامت ان دنوں
آنکھ دکھلاتے ہیں لوگ اون کو جو وہ اک پل کبھی — جانب آئینہ کرتے ہیں اشارت ان دنوں
مدعا اون کا زبس ہے ذکر میرا اس لئے — ہر کہیں کرتے ہیں وہ میری شکایت ان دنوں
وہ جو آہ آتشیں کھینچیں تو یوں کہتے ہیں لوگ — کس نے سکھلائی ہے تم کو یہ شرارت ان دنوں
رشک سے لڑتے ہیں اس سے جو مرا لیتا ہے نام — بسکہ ہیں میرے پہ وہ مفتوں نہایت ان دنوں
آہ اُٹھتے بیٹھتے گر کیجے تو جانے نہ غیر — اس لئے وہ اور سیکھے ہیں نزاکت ان دنوں
قطعہ
کیا کہوں اے ہم نشینو! غم سے میرے ہجر کے — ناتواں ہے اس قدر وہ سرو قامت ان دنوں
ہاتھ سر پہ گر اٹھا دے دن سے شاید زلف پہ — شام تک پہنچے کہیں ہے ایسی حالت ان دنوں

کیوں نہ میں اپنے دنوں کو روؤں اے معروف آہ
وصل کے دن یاد آتے ہیں نہایت ان دنوں

اس کے نزدیک تو میں اس سے بہلا جاتا ہوں — لیک سائے کی طرح ساتھ لگا جاتا ہوں
یاد آتا ہے وہ جب پان چبانا اس کا — کہتے کہتے وہیں بس بات چبا جاتا ہوں
ماہ و خورشید نمط مجھ میں اور اس میں ہے لاگ — گھر سے تب نکلے ہے وہ جب میں چلا جاتا ہوں
جب چلا قافلۂ اشک تو یوں دل نے کہا — ہائے کیا ساتھ چلا اور میں رہا جاتا ہوں
بال و پر گرچہ نہ بخشے مجھے تو نے اے چرخ — رنگ عاشق کی طرح پر میں اڑا جاتا ہوں
ہوں میں وہ سوختہ جاں صورت شاخ مرجاں — گریہ بانی میں ہوں پہ تو بھی جلا جاتا ہوں
واہ کیا خوبیٔ قسمت ہے کہ چوں دزدِ حنا — جب نہ تب دستِ بتاں ہی میں بندھا جاتا ہوں
رازداروں کو نہیں حاجت اظہار سخن — تیری چتون ہی سے میں بات کو پا جاتا ہوں
صفحۂ دہر پہ ہوں مصرعۂ عالی مضمون — ق — تحت لفظی تو غرض سب سے پڑھا جاتا ہوں
پہ سخن فہم نہیں کوئی جو سمجھے مجھ کو — ہوں زبس غور طلب اس سے رہا جاتا ہوں

نقش بر آب ہوں اس بحر فنا میں معروف
لکھتے پاتے نہیں مجھ کو کہ مٹا جاتا ہوں

عالم مستی میں ساقی ہے کسے پروائے سرو — کو کو ئی قمری ہے قلقل شیشۂ مے جائے سرو
عشق کے باعث تری یہ منزلت ہے فاختہ — کم نہیں معراج سے کچھ عالم بالائے سرو
گلشن گیتی میں نخل شمع کی مانند حیف — تو نے کچھ بھی پھل نہ پایا آن کر اے وائے سرو
گلستان دہر میں اس کا یہ رتبہ ہے بلند — آب جو بہر قدم بوسی ہے زیر پائے سرو
عالم وحدت ترا ہر رنگ میں ہے جلوہ گر — کیوں نہ انگشت شہادت باغ میں بن جائے سرو
سینہ کیا تکیہ ہے تیرے عاشق آزاد کا — دیدہ کر ٹک تو بھی اے رشک قد رعنائے سرو
آبلہ دل پر نہیں قمری ہے یہ پنجرے کے بیچ — نالہ ہے حق سرہ اور آہ موزوں جائے سرو
ایک دن معروفؔ برہم ہوگے یہ محفل تمام
حیف بلبل وائے گل افسوس قمری ہائے سرو

تمہیں ہم دیکھیں اور تم آئینہ آٹھوں پہر دیکھو — یہ کس صورت کی محبت ہے ذرا انصاف کر دیکھو
جدھر چاہو ادھر محفل میں یوں تم کیا ہے ڈر دیکھو — دلیکن پیار کی نظروں سے جب دیکھو ادھر دیکھو
جو چاہو مہر و مہ کو چاندنی میں دیکھئے یک جا — تو پیارے یہ طلسم آکر شب اپنی بام پر دیکھو
تپ غم سے جلے ہے مثل تار شمع فانوسی — طبیبو انبض پر اس نیم جاں کی ہاتھ دھر دیکھو
دل بیتاب کی میرے نہ رکھو آس مٹھی میں — یہ جگنو ہے چمک دامن میں اس کی باندھ کر دیکھو
تمہاری تیغ کا منہ مڑ گیا اور دل نہیں مڑتا — اسے کیا دیکھتے ہو دمبدم میرا جگر دیکھو
اٹھائی زلف رخ پر سے جو تم نے دل ہوا نالاں — پیارے صبح کے ہوتے لگا بجنے گجر دیکھو
نکلتے دن کو تارے گر کبھی دیکھے نہ ہوں تم نے — تو اپنا خال عارض آئینہ میں اک نظر دیکھو
لٹاؤ اشک و لخت دل کے مت لعل و گہر ہر دم — یہ بخشش کچھ نہیں آنکھو ذرا اپنا بھی گھر دیکھو
غرض باریک یاں تک ہے کہ بال آجائے شیشہ میں
جو عینک رکھ کے اے معروفؔ تم اس کی کمر دیکھو

دل ہے وہ سرو ناز جو زلف دوتا گرد — قمری کی طرح لیجئے بندھا کر گلا گرد
رکھے گلے کا ہار جو وہ دل ربا گرد — گل رو مجھے نہ لوں جو بندھا کر گلا گرد
جاں محو ناز زلف میں دل چشم سوئے رخ — سب جنس اپنے عشق میں ہے جابجا گرد

میں ہوں مریض عشق میری مت کرو علاج — ہے ہاتھ وصل یار کے میری شفا گرو
دل مول تاکہ اس بت کافر کی یک نگاہ — ایمان رکھو کوئی مرا بہر خدا گرو
نازاں ہوں اپنے بخت ہمایوں پہ جوں ہما — لے میرے استخواں کو سگ کو ترا گرو
تب جانے وہ کہ ہاں اسے کہتے ہیں اضطراب — لے جیکر برق یہ دل مضطر میرا گرو
کیا طاقت اب جو اٹھ سکے تیرا مریض غم — بستر نے اس کا ضعف سے تن لے لیا گرو
سودا جو کوئی مول لے بازار عشق میں — ہے یوں کہ ننگ و نام رکھے یہ ملا گرو
باعث ہے سب یہ ہستی خانہ خراب کا — ہم وہ نہ تھے جو لیتے یہ دار الفنا گرو
حسرت سے تک رہے ہیں تجھے کیا سب اہل بزم — تصویر ایک دکھا کے مرقع لیا گرو

معروف تب سے بیٹھے ہیں ہم گوشہ گیر ہو
دل جب سے ایک پردہ نشیں کو دیا گرو

تجھ پہ اے آئینہ رو کس شکل حیرانی نہ ہو — دل کو یاد زلف میں کیونکر پریشانی نہ ہو
پختہ مغزان جنوں کو ننگ ہے ناموس سے — اب کہاں کا نام و ننگ اے عقل دیوانی نہ ہو
کشتہ تیغ تغافل کر نہ مجھ کو آشتاب — یار جانی ہو کے پیاسے دشمن جانی نہ ہو
خاک اس کے درد کی دارو کریں یار و طبیب — جس کو یہ دکھ ہو کہ جس دکھ میں دوا کھانی نہ ہو
نامہ و پیغام سے تسکین دل معلوم ہے — جب تلک تم سے ملاقات اپنی جسمانی نہ ہو
روز وعدے کے ترسے گنتا ہوں میں لیل و نہار — ہے عجب تسبیح اگر میری سلیمانی نہ ہو
ناصحا پوچھے ہے کیا بتلا کہاں عاشق ہے تو — کیا کہوں جو بات نامحرم سے بتلانی نہ ہو
دوستو آج ایک مجھ سے ایسی نادانی ہوئی — طفل ناداں سے بھی ایسی ہرگز نادانی نہ ہو
آبرو کے ڈر کے مارے میں نے چھوڑا یار کو — کب تک اس بے آبروئی کی پشیمانی نہ ہو
اب یہی میری سزا ہے لے کے تیغ آبدار — مارئے واں مجھ کو گردن جس جگہ پانی نہ ہو

ہجر میں اک برق وش کے دل ہے اپنا مضطرب
طبع میں معروف کیوں کر گرم جولانی نہ ہو

قیامت تیر لگا ہے سرد خراماں آرزو — ابرو میں مطلع سر دیوان آرزو

فرقت میں تیرے کیا کہوں اے جانِ آرزو ثانی
بھرنی پڑی ہے عمر بتاوانِ آرزو

کیا ہو گیا جو قیس پھرا دشتِ عشق میں
ہم بھی ہیں رہ نوردِ بیابانِ آرزو

پاتا ہوں روز اس میں میں ایک آرزو نئی
یارب یہ دل ہے یا ہے کوئی کانِ آرزو

جانِ عزیز چھوڑ گئی تو بھی یہ رہی
کیونکر بھلا نہ مانئے احسانِ آرزو

اے نوحِ صبر بہرِ خدا ناخدا بن اب
ہے دل میں موج زن مرے طوفانِ آرزو

دیکھے وہ آ کے سینۂ پر داغ کو مرے
جس نے نہ کی ہو سیرِ گلستانِ آرزو

یہ تجھ سے مانگ لیتے بعد آرزو غزل
معروف ہوتے آج اگر خانِ آرزو

تعریف جو اس رشکِ گلستان کی پوچھو
کچھ پوچھو ہی مت مجھ سے گریبان کی پوچھو

ایک آن نہیں بھولتے بس بات ادا سے
نہ اس کی ادا ہی کی نہ کچھ آن کی پوچھو

حیراں نہ کرو مجھ کو بہت جاننے دو لوگو
رہ جاؤ گے سن، مت دلِ حیران کی پوچھو

یہ بے سر و سامانی ہی سامانِ طرب ہے
اس بے سر و سامان کے جو سامان کی پوچھو

میں تم سے کہوں آؤ لبِ یار کی باتیں
مت خضر سے سرچشمۂ حیوان کی پوچھو

معروف خموشی کا سبب کیا کہوں تم سے
مت دے کے قسم تم مجھے قرآن کی پوچھو

چپ کیوں نہ کروں اس کی جو تم شان کی پوچھو
میں مورِ ضعیف آپ سلیمان کی پوچھو

آہ جس جا سبزۂ باغِ ارم روئیدہ ہو
میں ابھی بوؤں تو بختِ بد سے سم روئیدہ ہو

دفن ہوں جس جا سے تیر دل کے سب ملے ہوئے
کیوں نہ واں کوسوں نیستاں یک قلم روئیدہ ہو

دشتِ وحشت خیز میں خار اس لئے پڑتے ہیں پانو
ارغواں کا پھول تا ہر ہر قدم روئیدہ ہو

کیا بری ہوتی ہے صحرائے دلِ ظالم کی بوم
تخم ریزی مہر کی کیجے ستم روئیدہ ہو

دانۂ الماس غم کھایا ہے دل نے کیوں نہ آہ
لالۂ لختِ جگر اب دمبدم روئیدہ ہو

لائقِ گریہ ہے باغِ خاطرِ عاشق کا حال
جو گلِ شادی بھی بوویں خارِ غم روئیدہ ہو

حسرتِ دیدار میں گریاں چلا ہوں زیرِ خاک
کیا عجب نرگس گر اب با چشمِ نم روئیدہ ہو

دانۂ اشک اپنے یوں کب تک رہیں گے پائمال کشت امید لب تو اے ابر کرم روئیدہ ہو
مرگیا ہو یار کے جو زلف و رخ کی یاد میں ق قبر پہ اول تو اس کی نخل کم روئیدہ ہو
اور اگر ہو بھی تو ہے یوں سوگوار و داغدار سنبل و لالہ غرض اس جا بہم روئیدہ ہو

یہ گل مضمون زمین شعر میں معروف ہے
جو نہ دے خون جگر سے آب کم روئیدہ ہو

بغیر از موسم سرما کے یہ کہیے بھلا کن کو بڑھاؤ وصل کی شب کو گھٹاؤ ہجر کے دن کو
رہے گر واں کے بیداری میں دن کو فتنۂ دوراں کوئی گر خواب میں دیکھے تری چشم معتن کو
ضعیف اتنا کیا ہے عشق نے ان سے جو ہنستا ہوں تو کہتے ہیں کہ مجھ کو دیکھیے اور آپ کے سن کو
اشارت چشم نقش پا یہی کرتی ہے تک دیکھو ملایا خاک میں اس گردش گردوں نے کن کن کو
ابھی سے یہ جو بدلا ہے ترے بیمار کا نقشہ کوئی دن کو نہ پہچانے گا تو اس کو کوئی دن کو
نیا مژدہ سنو اے ہم نشینو! کیا تماشہ ہے ق مرے معشوق کہلانے سے دائم عار تھی جن کو
مخاطب ہو کے وہ میری طرف محفل میں کل بولے مرا جی چاہتا ہے کچھ نہایت ان دنوں ان کو

وہ شب ڈر ڈر کے اٹھنے ہیں جو اپنے معروف سوتے ہیں
تو ان پر دم کیا کر پڑھ کے ہر شب سورۂ جن کو

کھینچے بہزاد نے جب اس ستم ایجاد کے ہاتھ مطلع مانو پڑتا تھا کہ کاٹو کوئی بہزاد کے ہاتھ
یوں ہے دل زلف میں اس ستم ایجاد کے ہاتھ مرغ جوں دام میں ہو دام ہو صیاد کے ہاتھ
عمر بھر غم سے ہے بے غم ہے تری الفت میں لگ گیا غم کا دفینہ دل ناشاد کے ہاتھ
ہاتھ جوڑوں ہوں مرے قتل کے بعد اے ہمدم چومنا میری طرف سے مرے جلاد کے ہاتھ
کف مشاطہ میں دیکھی جو تری زلف دراز خشک شانے کی طرح ہو گئے شمشاد کے ہاتھ
شکل نے میں تو ترے ہاتھ سے فریادی ہوں لگ نالاں ہیں مرے نالہ و فریاد کے ہاتھ
کیا ہی اس شوخ کی کھینچی ہے دو چشمی تصویر دونوں آنکھوں سے لگا لیجیے بہزاد کے ہاتھ
ہو نہ ہو یہ کسی مشتاق کی آنکھ الگی ہے گل نرگس نہیں اس شوخ پری زاد کے ہاتھ
ہے تو یوں ظلم کے حق میں کوئی بیداد ہے تو داد بیداد ہے ہر جا تری بیداد کے ہاتھ

قلم تیشہ کرے گر سر پہ خون کو دوات
سرگذشت اپنی لکھاؤں تجھے فرہاد کے ہاتھ

کیوں نہ معروف کرے خم سرِ تسلیم نیاز
جب علم تیغ ہو تجھ سے ستم ایجاد کے ہاتھ

رہے ہے تر وہ چوکھٹ خون سے جوں قصاب کا تختہ
وہی بیٹھے وہاں جو ٹھان لیوے تخت یا تختہ

نہ ہو کس شکل سے باشندگاں کو یاں کے حیرانی
کہ ہے تصویر کا عالم یہ ہندوستان کا تختہ

نہ پوچھو تختۂ دامن وہ پھلکاری کے جامے کے
ہر اک تھا تختۂ گلشن سے بھی نزہت فزا تختہ

سہر ہو لکھ سکا خوبی نہ زلف و خط کی میں اس کے
یہ دونوں طرف سے گرچہ کاغذ کا کیا تختہ

پھر آئی چشم یکسر پائے خوباں کے تصور میں
مگر اس ناؤ کا ٹوٹا کوئی رکھتے ہیں پا تختہ

عبث مت رکھ دل غافل ہوا تخت سلیماں کی
کہ ہے سر پہ کھڑی تیرے لئے ہر دم قضا تختہ

کیا سینے کو ہم نے اپنے گل کھا کھا کے یوں جیسے
دکاں پہ پھول والوں کی ہو پھولوں سے بھرا تختہ

اگر معروف اسے احوالِ اشک چشم لکھتا ہے
تو یہ کاغذ بہا اور کاغذ ابری کا لا تختہ

وہ بولے خالِ لب آئینے میں دیکھ
تو اے سیدھی مرے اتنے چڑھا منہ

نہ سمجھو تم یہ دل کا دیدۂ نمناک میں پرزہ
مجھے اب لشکر غم سے یہ آیا ڈاک میں پرزہ

یہ کل عاشق کے تو نے اپنے لے قاتل کئے پرزے
کہ ہر اک مل گیا اس کا بدن کا خاک میں پرزہ

جو یادِ ساقی گلفام میں مر جاؤں اے ہمدم
تو میرا نام لکھ کر باندھ رکھنا تاک میں پرزہ

لگا پڑیا بنانے حب افیوں جان کر نقطے
پڑھا جو شیخ نے شب نسخۂ تریاک میں پرزہ

مجھے غم کیوں نہ ہو اب وہ کہیں شادی بیاہ دیگا
بندھا ہے سرخ جو بندِ بتِ بیباک میں پرزہ

دیا معروف اپنے خوں کے دعوی کا لکھ ہم نے
بوقت قتل دست قاتلِ سفاک میں پرزہ

عشق کیا ہے کوئی بلا ہے یہ
وہ ہی جانے جسے ہوا ہے یہ

میں اسے دیکھوں اور وہ آئینے کو
دیکھنا طرفہ ماجرا ہے یہ

۱؎ مطبوعہ نسخہ میں اس شعر کو حذف کر دیا گیا ہے۔

عشق کی ابتدا میں تھا گریاں / اب جو حیراں ہوں انتہا ہے یہ
نہ تو جیتا ہوں نہ مرتا ہوں / اس لب و چشم سے گلا ہے یہ
ہے رواں اشک دیدۂ یعقوب / قافلہ مصر کو چلا ہے یہ
کم ٹھہرتے ہیں اس لئے یہاں لوگ / کہ فلک بے ستوں کھڑا ہے یہ
داغ بر دل تھے سینہ چاک ہوئے / اب نیا اور گل کھلا ہے یہ
اس سیہ بخت کو کفن دو سیاہ / کشتۂ چشم سرمہ سا ہے یہ
خود نمائی خدا کو دے ہے فریب / ہم سے بندوں کو بد نما ہے یہ
دل جو مثل سرشک ہے پامال / کس کی نظروں سے اب گرا ہے یہ
ایک عالم اسی مرض سے موا / زیست ہے یا کوئی وبا ہے یہ
کور کیا جانے قدر نقش قدم / ہم کو آنکھوں سے بھی سوا ہے یہ

بادشاہی کرے نہ کیوں معروف
کس کے در کا بھلا گدا ہے یہ

نہ کیوں باہم کریں گل اور شبنم خندہ و گریہ / کہ ہے روز ازل سے یعنی توام خندہ و گریہ
کہے تھا دیکھ کر ہر ایک کہ یہ دیوانہ ہووے گا / کرے تھا قیس طفلی میں جو ہر دم خندہ و گریہ
نہ کیوں خنداں و گریاں ہوں میں دیکھ اس چشم مے گوں کو / کہ سوجھے ہے نشے میں سب کو ہمدم خندہ و گریہ
بھلا کیوں کر نہ شب پروانۂ دل سوز صدقے ہو / کہ یعنی شمع رکھتا ہے [وہ] عالم خندہ و گریہ
مغاں قلقل کو سن اور دیکھ کر چشم تر ساغر / نہ کہہ اس دور میں رہوے یہ جم جم خندہ و گریہ
سمجھ غافل کہ اس آغاز اور انجام پر تیرے / چلا آتا ہے اندھوں کو بھی باہم خندہ و گریہ

یہاں تک محو ہیں اس آئینہ رو کے تصور میں
سمجھتے ہی نہیں معروف کچھ ہم خندہ و گریہ

جو اٹھاتا تھا نہ خوں سے عاشق بیدل کے ہاتھ / رنگ ہی کچھ کر حنا باندھے ہے اس قاتل کے ہاتھ
تھا اشارا سب سے یہ ملتے جو تھے بسمل کے ہاتھ / کس نے لا کر تیغ دی تھی آج اس قاتل کے ہاتھ
خاک ہے اب زندگی تک جا نہیں مجھ کو قرار / ہو گیا سیماب میں تو اضطراب دل کے ہاتھ

آبرو اب کیا رہی دریا کی اب باقی کہ ہے   کاش گرداب موج دامن ساحل کے ہاتھ

ہے قسم تجھ کو نہ ہرگز بھولیو اے نامہ بر   ق   یہ زبانی کہیو نامہ دے کے اس غافل کے ہاتھ

گر نہیں لکھتے جواب خط نہ لکھو مہرباں   پر خبر بھیجا کرو ہر رہرو منزل کے ہاتھ

قافیہ تو اب بدل کر کہہ غزل معروف یہ

داد دلیوے جا پڑے گر طالب آمل کے ہاتھ

مہ کو نہ کہہ کہ ہے مرے رخسار کی شبیہہ   یاروں کے ہے یہ دیدۂ بیدار کی شبیہہ

کیسا ہی دیکھیے غور سے آتی نہیں نظر   نقاش کھینچے کیا کمر یار کی شبیہہ

عیسیٰ نے بھر کے آہ وہیں دم سرد اودیا   دیکھی جو یار کل ترے بیمار کی شبیہہ

ہوں میں سپاہی وضع تصور نہ باندھوں کیوں   ابرو سے اس کے ملتی ہے تلوار کی شبیہہ

چہرے سے گر نقاب اٹھا دیجئے تو پھر   یک دست کھینچے آئینہ سرکار کی شبیہہ

آخون جی الف ہی کہوں کا ہزار بار   کس واسطے کہ ہے یہ قد یار کی شبیہہ

معروف شرط عشق یہی ہے کہ کھینچئے

اب لوح دل پہ حیدر کرار کی شبیہہ

شیریں نے بے ستوں میں جو نالے کئے شروع[1]   نالاں تھا اس حزیں وہ کہسار ساتھ ساتھ

پھرتا ہوں تیرے داغ محبت سے یک قلم   طاؤس کی طرح لئے گلزار ساتھ ساتھ

دندانِ حرص تیز نہ کر رزق کے لئے   پھرتا ہے آب و دانہ گہروار ساتھ ساتھ

ہے میری بے کسی کے جلو میں قرینے ہے   ق   اقبال دور دور اور ادبار ساتھ ساتھ

معروف اپنے سایۂ قد کی طرح سے جب

دیکھے وہ مڑ کے ہے یہ گنہگار ساتھ ساتھ

الٰہی یاد ہے دل میں مرے کس ماہ پارے کی   جواب یک جا قرار اس کو نہیں مانند پارے کی

عبث کرتا ہے اس دنیا میں تو تعمیر اے منعم   جگہ ہے یہ تو اے ناداں مسافر کے اتارے کی

---

[1] مطبوعہ نسخہ میں اس غزل کے ان اشعار کو حذف کر دیا گیا ہے

جگر لگتا ہے پھٹنے ٹکڑے ٹکڑے دل کے ہوتے ہیں　　جفا جس وقت یاد آتی ہے ہم کو اپنے پیارے کی
خیالِ خالِ چشمِ یار جو دل سے نہیں جاتا　　تو شاید اور ہے چندے ابھی گردش ستارے کی

نہ ڈر معروفؔ تو گرداب دریائے محبت میں
گزر جا اپنے جی سے گر نہیں صورت گزارے کی

یقیں ہے جسکو یہ بیشک کہ دلبر آوے ہے آوے　　نہ آوے وہ تو سچ ہے کوفت جی پر آوے ہے آوے
جدائی کی اندھیری رات اور تنہائی کا عالم　　نہ دکھلاوے خدا ستم کو بھی ڈر آوے ہے آوے
تصور اُٹھ گیا جب چشم سے اُس آئینہ رو کا　　تو حائل درمیاں سدِ سکندر آوے ہے آوے
وہ الفت میں مثلِ شمع گر کیسا ہی سرکش ہو　　جہاں رکھا قدم زیرِ قدم سر آوے ہے آوے
پھنسے میری طرح گر تو کسو بیدرد کے بس میں　　تو تجھ کو رحم مجھ پہ اے ستمگر آوے ہے آوے
لگی ہے تیری چشمِ مست کے کیفی کو تو تیری　　جو دل میں بات ہو آخر وہ منہ پر آوے ہے آوے
ہنسی اس کی جو یاد آوے تو آوے کیوں نہ پھر رونا　　جہاں یہ برق چمکی مینہہ مقرر آوے ہے آوے
کٹھن ہے اس کا آنا اس طرف اے جذبۂ الفت　　جو تو دل پر رکھے اپنے تو لے کر آوے ہے آوے

کوئی عاشق منش معروفؔ کا گر دردِ دل کھودے
نہ کیونکر آوے باور اس کو باور آوے ہے آوے

غالب اور سرسید احمد خاں

مرزا غالب یوں تو آگرہ میں پیدا ہوئے، مگر ان کی ساری عمر دلّی میں گزری۔ بقول خواجہ الطاف حسین حالؔی سات برس کی عمر سے دلّی میں آنے جانے لگے تھے[1] تیرہ سال کی عمر میں نواب الہٰی بخش معروفؔ (ف ۱۲۴۳ھ[2]) کی صاحبزادی کے ساتھ عقد ہو گیا۔ پھر آر جار اور بڑھ گئی اور کچھ دنوں کے بعد تو مستقل طور سے دلّی کے باسی ہو گئے۔

خاندان لوہارو، دلّی کا ایک نامور اور مشہور خاندان تھا۔ نواب فخر الدولہ احمد بخش خاں (ف ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) سرکار و دربار میں اعزاز و منصب کے مالک تھے، قلعۂ معلّیٰ سے بھی متعلق اور انگریزی سرکار کے بھی خدمت گزار، غالب کے اس خاندان سے دُہرے تہرے رشتے تھے، بلکہ اس سے زیادہ مرزا غالب اپنے چچا نصر اللہ بیگ خاں (ف ۱۸۰۶ء) کی سرکاری خدمت گزاری کے سلسلہ میں پنشن کے مستحق ٹھیرے۔ امراء و رُوسا میں شمار ہوا، دربار میں کرسی ملی، خلعت و انعام سے سرفراز ہوئے۔ سرکاری خط و کتابت میں "خاں صاحب بسیار مہربان دوستاں" لکھا گیا۔ بادشاہ دہلی کے

---

[1] یادگار غالب خواجہ الطاف حسین حالؔی۔ (شیخ مبارک علی، لاہور ۱۹۳۲ء، ص ۱۳)

[2] آثارِ غالب قاضی عبدالودود (مشمولہ علی گڑھ میگزین، ۴۹-۱۹۴۸ء علی گڑھ ۱۹۴۹ء) ص ۴۶۔ مگر مولوی عبدالحامد بدایونی نے دیوان معروف کے مقدمہ میں ان کا سالِ انتقال ۱۲۴۲ھ لکھا ہے۔ (دیوان معروف، طبع نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۵ء) ص د۔

ہاں سے نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کا خطاب پایا اور مرزا غالب دلّی کی اعلیٰ سوسائٹی کے ایک رکن بن گئے۔

سرسیّد احمد خاں کا خاندان بھی دلّی کا ایک ممتاز اور صاحب منصب خاندان تھا۔ سرسیّد کے والد جواد الدولہ میر متقی (ف ۵ ار رجب ۱۲۵۴ھ) اور اکبر شاہ ثانی سے ذاتی تعلقات تھے، بلکہ ایک موقع پر بادشاہ نے ان کو وزارت کا منصب سونپنا چاہا، جسے انہوں نے اپنے خسر نواب فرید الدولہ فرید الدین احمد خاں (۱۲۴۴ھ / ۲۸-۱۸۲۷ء) کو دلوا دیا[1]۔ فرید الدولہ دو مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے وزیر رہے۔ وہ انگریزی حکومت کے بھی متوسّل و معتمد تھے، بلکہ انہوں نے سرکار انگریزی کی خاص خدمات انجام دی تھیں۔ اس طرح سرسیّد احمد خاں کا خاندان اور نوابان لوہارو کا خاندان دونوں کم و بیش برابر کے درجے کے تھے اور ان دونوں خاندانوں میں تعلقات ہونے یقینی تھے اور یہ تعلقات تھے بھی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں، نواب ضیاء الدین احمد خاں نیّر درخشاں (ف ۱۳ رمضان ۱۳۰۲ھ) کے حال میں لکھتے ہیں[2]

"پھر وسعتِ خلق کا یہ حال ہے کہ اگر اس کو خلقِ محمدی سے تعبیر کریں تو بجا ہے۔ راقم کو اس سرگروہ اراکین روزگار کی خدمت میں بہت اخلاص اور کمال اختصاص ہے اور دعویٰ اتحاد پر نازاں اور اس قدوہ اہل کمال کی طرف سے بھی کمترین عباد پہ مراسم الطاف اور مدارج اعطاف اس طرح سے مبذول ہیں کہ زبان تقریر کو نہ طاقتِ سخن ہے اور نہ یارائے بیان۔"

سرسیّد احمد خاں نے آثار الصنادید میں بہ زمرۂ شعرا نواب ضیاء الدین خاں کے علاوہ اس خاندان کے دو افراد نواب زین العابدین خاں عارفؔ ابن نواب غلام حسین خاں

---

[1] سیرتِ فریدیہ، سرسید احمد خاں (مرتبہ محمود احمد برکاتی) (پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۶۴ء) ص ۱۰
[2] آثار الصنادید، سرسید احمد خاں (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۶ء) ص ۳۱۲ - ۳۱۳

محو کا ذکر بھی کیا ہے[۱]۔ مرزا غالب خاندانِ لوہارو کے متعلقین و متوسلین میں تھے۔ لہٰذا ان سے بھی سرسید احمد خاں کے تعلقات تھے، بلکہ ان کے بھائی سید محمد خاں (ف ۱۲ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ) سے تو غالب کے گہرے روابط تھے، یہاں تک کہ وہ ان کو اپنا روحانی دوست سمجھتے تھے۔ چناں چہ غالب اپنے ایک انگریز دوست کو لکھتے ہیں کہ[۲]

"آں کہ دربارۂ سید الاخبار دادِ نگارش دادہ اند منتے دیگر برمن نہادہ اند"

اور پھر اسی خط میں لکھتے ہیں[۳]

"نہاں نماند کہ نقش مطبع سید الاخبار انگیختۂ طبع یکے از دوستانِ روحانی من است"

محمد عتیق صدیقی تو سرسید احمد خاں کے متعلق بھی لکھتے ہیں کہ[۴]

"مرزا غالب اور سید احمد خاں میں گہرا تعلق تھا۔

حالاں کہ غالب اور سرسید کی عمروں میں بیس سال کا تفاوت ہے۔

مرزا غالب کا اردو دیوان سب سے پہلے شعبان ۱۲۵۷ھ (اکتوبر ۱۸۴۱ء) میں سرسید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں کے قائم کردہ پریس میں چھپا تھا اور اس میں نواب ضیاء الدین احمد خاں کی تقریظ بھی شامل ہے۔ اس دیوان کے سرورق کی عبارت یہ ہے[۵]

" دیوان اسد اللہ خاں بہادر غالب تخلص مرزا نوشہ صاحب مشہور

---

[۱] سرسید احمد خاں 'آثار الصنادید' (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۶ء) ص ۴۲۱۔۴۲۴

[۲] و [۳] کلیات نثر غالب اسد اللہ خاں غالب (مطبع نول کشور کانپور ۱۸۷۵ء) ص ۱۸۹

بحوالہ ہندوستانی اخبار نویسی محمد عتیق صدیقی (انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ ۱۹۵۷ء) ص ۲۷۸

[۴] ہندوستانی اخبار نویس ص ۲۷۸

[۵] ہندوستانی اخبار نویسی ص ۲۷۹

کا دہلی میں سید محمد خاں بہادر کے لیتھو گرافک پریس میں شہر شعبان ۱۲۶۷ھ مطابق ۱۸۵۱ عیسوی کو سید عبد الغفور کے اہتمام میں چھاپا ہوا۔"

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ۱۸۵۱ء کے بعد اس پریس کا نام سید المطابع ہوا۔ ہم نے دیوان غالبؔ کا یہ پہلا ایڈیشن صولت پبلک لائبریری رام پور میں دیکھا ہے۔

سر سید احمد خاں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "آثار الصنادید" میں مرزا غالبؔ کا تذکرہ مع نمونہ نثر و نظم پورے طور سے شامل کیا ہے، بلکہ "بلبل نوایاں سواد جنت آباد حضرت شاہ جہاں آباد" کے عنوان کا آغاز ہی غالبؔ کے ذکر سے کیا ہے اور مرزا کی تعریف میں سر سید احمد خاں نے قلم توڑ دیا ہے، چناں چہ وہ غالبؔ سے اپنے ذاتی تعلقات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں[۵]

"راقم آثم کو جو اعتقاد ان کی خدمت میں ہے اس کا بیان نہ قدرت تقریر میں ہے اور نہ احاطۂ تحریر میں آسکتا ہے اور چوں کہ "دلہا را بدلہا راہ باشد" آں حضرت کو بھی وہ شفقت راقم کے حال پر ہے کہ شاید اپنے بزرگوں کی طرف سے کوئی مرتبہ اس کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ میں اپنے اعتقاد میں ان کے ایک حرف کو بہتر ایک کتاب سے اور ان کے ایک گل کو بہتر ایک گلزار سے جانتا ہوں اور اگر دیکھا جائے تو حق بھی یہی ہے"۔

مرزا غالبؔ نے بھی آثار الصنادید پر ایک زوردار تقریظ لکھی ہے۔ آثار الصنادید کی تقاریظ میں وہ سب سے پہلی تقریظ ہے، اس کے بعد امام بخش صہبائیؔ (ش ۱۸۵۷ء) اور مفتی صدر الدین آزردہ ف $\frac{۱۲۸۵ھ}{۱۸۶۸ء}$ کی تقاریظ نقل کی گئی ہیں۔ "جواب آں غزل" میں مرزا غالبؔ لکھتے ہیں[۶]

"خوشا دانا دل ہنر دست گاہ و خرخا کرداد گزار کار آگاہ مہر ورزکیں فراموش،

---

[۵] آثار الصنادید ص ۳۰۱

[۶] آثار الصنادید ص ۳۰۲

اہرمن دشمن یزداں دوست، فرزانہ بافرو فرہنگ جواد الدولہ سید
احمد خاں بہادر عارف جنگ آں کہ خامہ را در نگارش افسوں زندہ
کردن تام بداں روش رَوانی داد کہ نام آوراں روز فرو رفتہ را زندگی
جاودانی داد۔ ؎

سرسید احمد خاں سے غالب کی خط و کتابت بھی رہتی تھی جس زمانے (۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۶ء) میں سرسید احمد خاں فتحپور سیکری میں منصف تھے انہوں نے مرزا غالب کو ایک خط لکھا تھا اور غلام امام شہید (ف ۲، اکتوبر ۱۸۷۹ء) کے دو اشعار بھیجے تھے کہ ان کو تضمین کر دیا جائے۔ یہ بات مرزا غالب کے طبع نازک پر سخت گراں گزری وہ قتیل (ف ۲۳ ربیع الاول ۱۲۳۳ھ) کے شاگرد غلام امام شہید کو کب اس مرتبے کا سمجھتے تھے کہ ان کے اشعار کی تضمین کریں۔ اس سلسلے میں مرزا غالب نے جو خط سرسید احمد خاں کو لکھا ہے، وہ ملاحظہ ہو سلہ

بنام جواد الدولہ سید احمد خاں بہادر منصف فتح پور۔
نواب معلّی القاب و سید عالی جناب سلامت۔
بعد رسیدن منشور رأفت نشاں شادماں شدم و از اں چہ مرا بسر انجام
آں فرماں دادہ اند غمیں۔ یک دو بیت از دیگرے گرفتن و بر آں گفتار
دو چار بیت از خویش افزودن کدام آئین سخن وری و کدام شیوۂ
معنی پروری است۔ خاصتہً ایں دو بیت کہ جز شکوہ الفاظ تازی ہیچ نہ

سلہ غالب کا یہ خط "بہار دانش" کے ایک قلمی نسخہ میں بھی شامل ہے، جو انجمن ترقیِ اردو کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس نسخہ سے اس خط کو نثار احمد فاروقی نے نقل کر کے اپنے مضمون "نوادر غالب" میں شامل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ماہ نامہ "آج کل" دہلی فروری ۱۹۶۴ء ص ۴۴

معنی نازک ندارد و سیاد ربحرے واقع شدہ کہ ہیچ کس از ایرانیاں در آں بحر غزل نگفتہ، انچہ بریں دو بیت افزائید خواہی آں را مسدس نام نہند و خواہی ترجیع بند خوانند، خاص از بہر آنست کہ گدایاں یادگیرند و بر درہا با ہنگ حزیں بخوانند، کدام عاشق خاتم المرسلین بسماع ایں اشعار از خود رود و گریباں درد۔ حاشاثم حاشا مخدومی مولوی غلام امام شہید سلمہ اللہ تعالیٰ ہر چہ گفتہ اند و خوشتر ازیں نتواں گفت، لیکن ایں شاعری و سخن وری نیست، چیزے دیگر ہست کہ در مجلس مولود شریف تواں خواند۔ فقیر حقیر را در نعت اشرف المسلمین[۵] علیہ و آلہ السلام قصیدہ ہا و مثنویہا است، ازاں جملہ یک مثنوی نقل کردہ بخدمت می فرستم، ایں را بنگرند و بخوانند و از بندہ اشعارے کہ نہ شیوہ سخن گستراں باشد، آرزو نکنند و بندۂ خود انگارند و بخدمت جہیں برادر خود سلمہ اللہ تعالیٰ سلام رسانند۔

والسلام از اسد اللہ

اس خط کے تیور بتاتے ہیں کہ سرسید احمد خاں کی یہ فرمائش غالب کی طبع نازک پر گراں گزری لیکن تعلقات بدستور قائم رہے۔

سرسید احمد خاں تصنیف و تالیف کا شغف رکھتے تھے، چھوٹی بڑی متعدد کتابوں کے علاوہ آثار الصنادید ان کی شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ وہ تاریخ کا بھی نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ دلّی کے ایک سوداگر حاجی قطب الدین مرحوم نے سرسید احمد خاں سے درخواست کی کہ اگر وہ علامی ابوالفضل کی کتاب 'آئین اکبری' کی تصحیح و تہذیب کر دیں تو وہ اس کو چھپوا دیں گے اور اس کے معاوضے میں سو دو سو روپے کی قیمت کی مطبوعہ کتابیں ان کو دیں گے۔ بقول حالی دہلی کی ملازمت کے زمانے میں وہاں کے ایک تاجر سے یہ معاملہ کرنا سرسید احمد خاں نے مناسب نہ سمجھا۔ لیکن جب وہ بجنور پہنچے

---

۵ یہ لفظ "اشرف المرسلین" ہونا چاہیے۔

تو انھوں نے یہ کام شروع کر دیا[1] اور نہایت محنت شاقہ کے بعد مختلف نسخوں کی روشنی میں اس کتاب کو مرتب کیا، جو خامی اور کمی تھی اس کو پورا کیا، صحیح نقشے اور جدولیں بنوائیں اور حاجی قطب الدین مرحوم نے حسب وعدہ اپنے بھائی شیخ اسماعیل کے نام سے دہلی میں ایک "مطبع اسماعیلی" قائم کر کے اس کتاب کو ۱۲۷۲ھ ہجری میں طبع کرایا۔ اس طرح سرسید احمد خاں نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا۔ سرسید احمد خاں کو اس سلسلہ میں جو کوشش و کاوش کرنی پڑی، وہ "خاتمۃ التصحیح" کی عبارت سے واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خاں لکھتے ہیں[2]

"یزداں را سپاس کہ تصحیح ایں والا نامہ آگہی انجام پذیرفت، دل رمیدہ آرامش یافت و جان از خود رفتہ باز جا آمد۔ مدتے نقد روان عمر دریں کار صرف شد تا گوہر یکتائے شناسائی بدست آمد و زمانے در پریشانی سپری گشت تا ایں منتخب مجموعہ معنی و فہرست دفتر دانائی را شیرازۂ تصحیح در برگرفت اگر نیک بنگر یستہ آید بینندگاں را آئینہ جہاں نما ماہ گشت وکوراں را عصائے راہ اہتدا بدست افتاد، روح را از دوابہ تربیت بہم رسید، آگاہ دلاں را چشم بصیرت کشادہ تر گشت و راہ گم کردگاں را چراغ ہدایت افروختہ شد، نے نے من کجا و ایں سخن سرائی از کجا ایں ہم معنی آرائی ماز آنست کہ بزرگان آگاہ دل و والا گوہراں قدسی نفس ایں جگر کاوی را پسند کردند و داد تحسین و آفریں دادند، لفظ انتخاب ہر یکے ازیں بزرگاں سویدائے دلم گشت، من ہیچ در حساب را ہزاراں سامان عزّ و جاہ آمادہ شد، اگر سر بخت بیدار خود صد ہزار بار نازم رواست و کلاہ گوشہ

---

[1] حیاتِ جاوید۔ خواجہ الطاف حسین حالی (اکادمی پنجاب، لاہور ۱۹۵۷ء) ص ۱۲۲

[2] ابو الفضل، آئین اکبری (بہ تصحیح و تہذیب سرسید احمد خاں) (مطبع اسماعیلی، دہلی ۱۲۷۲ہجری) ص ۲۶۹

افتخار بفلک رسانم سزاست، بایزا و افتخار بلطفے کہ بزرگان عالی ہمت بر تصحیح ایں نگارین نامہ رقم فرمودہ اند پایہ خود را بفلک الافلاک می رسانم و دستاویزے بر شکوری سعی خویش بدست می آرم۔"

سرسید احمد خاں کے اس کام کی اہل یورپ نے خاص طور سے داد دی اور اس کتاب کے انگریزی مترجم ایچ بلاک مین، پرنسپل کلکتہ کالج نے اس ایڈیشن سے بہت فائدہ اٹھایا۔[۲] بلاک مین اس کتاب کی اہمیت کے سلسلہ میں رقم طراز ہے[۲]

"یہ کتاب مسلمانوں کی تاریخوں میں جو ہندوستان میں لکھی گئی ہیں، اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ یہ فی الواقع اس سلطنت کی جو ۱۵۹۰ء کے قریب تھی ایک ایڈمنسٹریشن رپورٹ اور نقشہ جات ہیں، جن میں اکبر کے عہد کے وہ تمام حالات اور واقعات درج ہیں جس کے لیے ہم اس زمانے میں ایڈمنسٹریشن رپورٹوں، نقشوں اور گزیٹیروں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔"

آئین اکبری[۳] کے متعلق خواجہ الطاف حسین حالی اپنی رائے ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں[۴]

"پس سرسید کا ایک ایسی نادر الوجود کتاب کی تصحیح و تہذیب میں کوشش بلیغ کر کے اس کو از سرِ نو زندہ کرنا صرف یہی نہیں کہ وہ کوئی فضول کام نہ تھا، بلکہ فی الحقیقت پبلک پر ایک بہت بڑا احسان تھا اور مسلمانوں کے ایک نامور مصنف اور نامور بادشاہ کے کارنامے کو دنیا کے سامنے

---

[۱] سرکشی ضلع بجنور، سرسید احمد خاں (سلمان اکیڈمی کراچی) ۱۹۶۲ء ص ۶۵

[۲] حیات جاوید ص ۱۲۶

[۳] آئین اکبری مطبوعہ اسماعیل پریس دہلی ۱۲۷۲ ہجری راقم الحروف کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔

[۴] حیات جاوید ص ۱۲۶ - ۱۲۷

ایک دل نشین صورت میں پیش کرنا تھا۔"

سرسید احمد خاں نے اس کتاب پر مرزا غالب اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ (ف ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء)
سے تقاریظ لکھوائیں۔ مرزا غالب نے جو تقریظ لکھی اس میں انہوں نے انگریزوں کی
ایجادات و آئین کی تعریف کی اور سرسید احمد خاں کو مُردہ پرستی کا طعنہ دیا۔ مرزا غالب
نے دہلی، لکھنؤ اور کلکتہ تک کا سفر کیا تھا۔ وہ جدید عالم و فنون اور ایجادات و
اکتشافات سے براہِ راست متعارف و متاثر تھے، لہٰذا انہوں نے صاف صاف اپنی
رائے ظاہر کر دی۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں۔[1]

گر ز آئین می رود با ما سخن | چشم بکشا و اندریں دیر کہن
صاحبانِ انگلستان را نگر | شیوہ و انداز ایناں را نگر
تا چہ آئین ہا پدید آوردہ اند | آنچہ ہرگز کس ندید آوردہ اند
زیں ہنرمنداں ہنر بیشی گرفت | سعی بر پیشینیاں پیشی گرفت
حق ایں قوم ست "آئیں" داشتن | کس نیارد ملک بہ زیں داشتن
داد و دانش را بہم پیوستہ اند | ہند را صد گونہ آئیں بستہ اند
آتشے کز سنگ بیروں آورند | ایں ہنرمنداں ز خس چوں آورند
تا چہ افسوں خواندہ اند ایناں بر آب | دود کشتی را ہمی راند در آب
گہ دخاں، کشتی بجیحوں می برد | گہ دخاں، گردوں بہاموں می برد
غلتک گردوں بگرداند دخاں | نرہ گاو و اسپ را ماند دخاں
از دخاں زورق برفتار آمدہ | باد و موج ایں ہر دو بے کار آمدہ
نغمہ ہائے زخمہ از ساز آورند | حرف چوں طائر بہ پرواز آورند
ہیں، نمی بینی کہ ایں دانا گروہ | در دو دم آرند حرف از صد کروہ
می زنند آتش بباد اندر ہمی | می درخشند باد چوں اخگر ہمی

---

[1] کلیاتِ غالب فارسی جلد اول (مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۷ء ص ۳۱۵ - ۳۱۷

مرزا غالب نے ایک دو اشعار میں یہاں تک لکھ ڈالا۔

پیش ایں آئیں کہ دارد روزگار | گشتہ آئین دگر تقویم پار
مُردہ پروردن مبارک کار نیست | خود بگو کاں نیز جز گفتار نیست

غالب کی یہ صاف گوئی اور بے لاگ تبصرہ سر سید احمد خاں کو پسند نہ آیا اور انہوں نے یہ تقریظ غالب کو واپس کر دی۔ اتفاق کی بات کہ نواب مصطفےٰ خاں نے عربی میں تقریظ لکھی، مگر انہوں نے بھی آخر میں ایک فارسی شعر ایسا لکھ دیا کہ جس سے مترشح ہوتا تھا کہ ان کے دل میں بھی آئین اکبری کی کچھ زیادہ وقعت نہیں ہے[1]

سر سید احمد خاں نے یہ دونوں تقریظیں اپنی کتاب میں شامل نہیں کیں، صرف مولوی امام بخش صہبائی کی تقریظ شامل کی۔

یہ بات صحیح ہے کہ غالب تاریخ کا وہ ذوق نہیں رکھتے، جو سر سید احمد خاں کو تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کتب تواریخ میں آئین اکبری کی اہمیت مسلمہ ہے، مگر مرزا غالب نے اس تقریظ میں جن امور کی طرف اشارہ کیا ہے وہ سراپا حقیقت تھے۔ اس میں نہ انگریز پرستی کو دخل تھا اور نہ ابو الفضل کی تخفیف مقصود تھی اور سچی بات تو یہ ہے کہ جب سر سید احمد خاں نے اپنی اصلاحی اور تعلیمی مہم شروع کی تو انہوں نے بھی یہی کہا، بلکہ انہوں نے انگریزوں کے آئین، علوم و فنون، معاشرت اور ایجادات و اکتشافات کی اس سے زیادہ تعریف کی اور اسی کی توضیح و تشریح کی کہ جو بات مرزا غالب اپنے ان چند اشعار میں کہہ گئے ہیں، اس سے مرزا غالب کی وسعت نظر، دور بینی اور ژرف نگاری کا اندازہ ہوتا ہے۔

یہ ایک خالص علمی معاملہ تھا اس سے سر سید احمد خاں اور مرزا غالب میں ایک نوع کا بُعد ہو گیا اور بقول حالی "دونوں کو حجاب دامن گیر ہو گیا تھا" سر سید احمد خاں بجنور میں تھے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہو گیا اور پھر اس کی

---

[1] حیات جاوید ص ۱۲۶۔

لپیٹ میں پورا ملک آگیا۔ اس کے مابعد اثرات میں غالب اور سرسید دونوں مبتلا رہے۔ مارچ ۱۸۶۰ء میں جب مرزا غالب پہلی مرتبہ رام پور سے واپس ہوتے ہوئے مراد آباد کی سرائے میں ٹھیرے اور سرسید احمد خاں کو معلوم ہوا تو وہ ان کو اپنے گھر لے گئے اور یہ حجاب رفع ہوگیا۔ چناں چہ حالی لکھتے ہیں[1]

"سرسید کہتے تھے کہ جب میں مراد آباد میں تھا، اس وقت مرزا صاحب نواب یوسف علی خاں مرحوم سے ملنے کو رام پور گئے تھے۔ ان کے جانے کی تو مجھے خبر نہیں ہوئی، مگر جب دلی کو واپس جاتے تھے۔ میں نے سنا کہ وہ مراد آباد میں سرائے میں ٹھیرے ہیں، میں فوراً سرائے میں پہنچا اور مرزا صاحب کو مع اسباب اور تمام ہمراہیوں کے اپنے مکان میں لے آیا۔ ظاہرا جب سے کہ سرسید نے تقریظ چھاپنے سے انکار کیا تھا وہ مرزا سے اور مرزا ان سے نہیں ملے تھے اور دونوں کو حجاب دامن گیر ہوگیا تھا اور اسی لئے مرزا نے مراد آباد میں آنے کی ان کو اطلاع نہیں دی تھی۔ جب مرزا سرائے سے سید کے مکان پر پہنچے اور پالکی سے اترے تو ایک بوتل ان کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے اس کو مکان میں لاکر ایسے موقع پر رکھ دیا، جہاں ہر ایک آتے جاتے کی نگاہ پڑتی تھی۔ سرسید نے کسی وقت اس کو وہاں سے اٹھاکر اسباب کی کوٹھری میں رکھ دیا۔ مرزا نے جب بوتل کو وہاں نہ پایا تو بہت گھبرائے۔ سرسید نے کہا، آپ خاطر جمع رکھئے میں نے اس کو بہت احتیاط سے رکھ دیا ہے۔ مرزا صاحب نے کہا، بھئی مجھے دکھا دو، تم نے کہاں رکھی ہے؟ انہوں نے کوٹھری میں لے جاکر بوتل دکھا دی۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے بوتل اٹھا کر دیکھی اور مسکرا کر کہنے لگے کہ بھئی اس میں تو کچھ خیانت ہوئی ہے۔

---

[1] حیاتِ جاوید ص ۱۲۵ - ۱۲۶ (حاشیہ)

سچ بتاؤ کس نے پی ہے؟ شاید اسی لئے تم نے کوٹھری میں لاکر رکھی تھی۔ حافظ نے سچ کہا ہے۔

واعظاں کایں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

سرسید ہنس کے چپ ہو رہے اور اس طرح وہ رکاوٹ جو کئی برس سے چلی آتی تھی، رفع ہوگئی۔ مرزا دو ایک دن وہاں ٹھیر کر دلی چلے آئے[۱]

اس طرح ان دونوں کے تعلقات پھر استوار ہوگئے، بلکہ مولانا ابوالکلام آزاد (ف ۱۹۵۸ء) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مرزا غالب کی پنشن کی بحالی کے سلسلے میں بھی سرسید احمد خاں نے کوشش کی تھی۔ چناں چہ وہ اپنے ایک مضمون "مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام" (مصائب غدر، قلعۂ معلیٰ کی تباہی، وفاداری و بغاوت کی ایک قدیم حکایت) میں لکھتے ہیں[۳]

"جن لوگوں نے مرزا مرحوم کی صفائی کے لیے خاص طور پر کوشش کی تھی، مجھے معتبر ذریعے[۴] سے معلوم ہوا ہے کہ ان میں سرسید مرحوم بھی

---

[۱] مولانا امتیاز علی عرشی لکھتے ہیں کہ سرسید کے پاس دو ایک دن قیام نہیں کیا تھا، بلکہ اسی دن روانہ ہوگئے تھے (مکاتیب غالب، مرتبہ امتیاز علی عرشی) ص ۱۰۳

[۲] مرزا غالب دوسری مرتبہ (دسمبر ۱۸۶۵ء) رام پور سے واپس ہوتے ہوئے مرادآباد میں مولوی محمد حسن خاں بریلوی صدر الصدور (ف تقریباً ۱۸۷۳ء) کے یہاں ٹھیرے تھے۔ بعض لوگوں نے ان دونوں واقعات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو نثار احمد فاروقی کا مضمون "نوادر غالب" آج کل، دہلی فروری ۱۹۶۳ء، ص ۴۰

[۳] الہلال، ۱۷ جون ۱۹۱۴ء مطابق ۲۲ رجب ۱۳۳۲ھ ص ۴۴۷ - ۴۴۰، نیز دیکھیے ذکر غالب، ص ۱۴۶ - ۱۴۷۔ غالب۔ غلام رسول مہر (لاہور ۱۹۴۴ء) ص ۳۱۹

[۴] مولانا ابوالکلام آزاد نے اس معتبر ذریعے کی وضاحت نہیں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

بھی تھے۔ اس واقعے سے سید صاحب اور مرزا مرحوم میں صفائی بھی ہو گئی
جن کے باہمی تعلقات قدیمانہ آئین اکبری کی تقریظ کے قصے سے کچھ مکدّر ہو
گئے تھے۔"

مرزا اور سرسید کے تعلقات تو مرزا کی رام پور سے واپسی پہ پہلے ہی بحال ہو چکے تھے، مگر ان کی بحالی کی عملی تعبیر اس وقت ظاہر ہوئی جب سرسید احمد خاں نے پنشن کی بحالی میں کوشش کی۔

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب دلی پہ انگریزوں کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تو سرسید احمد خاں کے بڑے ماموں خواجہ وحید الدین کو کسی گورے نے گھر میں گھس کر گولی مار دی۔ ان کے سانحۂ ارتحال پہ غالب نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

تاریخ وفات ناظرِ وحید الدین

کرد چوں ناظرِ وحید الدین ز دنیا انتقال
گفتم، آیا بہ کدام آئین بود سالِ وفات
گفت غالب کز سرزاری اگر نامش بُرند!
خود ہمیں "ناظرِ وحید الدین" بود سالِ وفات
۱۲۷۴ ہجری

٭

(صفحہ گذشتہ سے) ورنہ بات اور بھی کھل کر سامنے آتی کہ سرسید احمد خاں کی کوششوں کو کس حد تک دخل تھا اور وہ ذریعہ کہاں تک قابلِ اعتبار تھا۔

۱؎ کلیاتِ غالب فارسی (مجلس ترقی ادب ایڈیشن) ص ۵۰۳

غالب اور غیاث اللغات

برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کا قیام عرب و عجم کے فاتحین کے ہاتھوں عمل میں آیا اور حکومت کے استحکام کے ساتھ ساتھ پاک و ہند کے بہت سے قبائل و گروہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر مسلم معاشرے کا حصہ بنے مگر حکومت کے اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر بڑی حد تک باہر سے آئے ہوئے لوگ ہی قابض و دخیل رہے ترکوں اور پٹھانوں کے دور سے لے کر مغلوں کے آخر زمانے تک یہ روایت قائم رہی کہ قافلے کے قافلے ایران و توران سے آتے، حکومت کے نظم و نسق میں منسلک ہو جاتے، شرف و مجد اور امتیاز و اختصاص کے مالک ٹھہرتے، معاشرے میں ان کا اعلیٰ مقام ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند کے لوگ ہمیشہ ایران و توران کی نسبت پر فخر کرتے رہے اور بڑی حد تک یہ کوشش ہوتی کہ ان کا نسب عرب، عراق، ایران و توران کے کسی معروف آدمی پر منتہی ہو۔ اور یہ لے اتنی بڑھی کہ بہت سے اصل کے اعتبار سے ہند پاکستانی قبائل اور جماعتوں نے اپنے نسب عرب قبائل، کسی امام یا صحابی سے ملانے کی کوشش کی۔

باہر سے آئے ہوئے لوگ مالی اور اقتصادی اعتبار سے بہتر حالت میں ہوتے تھے منصب اور جائداد کے مالک اور حکومت میں دخیل ہوتے تھے لہٰذا وہ مقامی لوگوں کو نظر انداز کرتے تھے اور ان کو کم حیثیت سمجھتے تھے۔ ایران و توران کے شرفاء کے علوم و فنون، ادب و انشاء، تہذیب و آداب، زبان، محاورہ ہر چیز

استاد کا درجہ رکھتی تھی اور وہ مقامی لوگوں کی نظر میں معزز و ممتاز ہوتے تھے۔
اس صورتِ حال پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی عبدالقادر رام پوری (ف ۱۸۴۹ء)
لکھتے ہیں[1]

"حقیقت یہ ہے کہ ملک ہند اس لائق ہے کہ دوسرے ملک والوں کے غیر منصفانہ ہاتھوں سے اس پر طرح طرح کے مصائب وارد ہوں کیونکہ اس سرزمین میں باہر کے لوگوں کی اس قدر تعظیم کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں"۔

مرزا غالبؔ کے دادا بھی مغل متاخرین کے زمانے میں وارد ہند ہوئے اور مختلف امراء کے ساتھ وابستہ رہے ان کے باپ اور چچا فوجی ملازمتوں سے منسلک رہے مرزا غالبؔ ہمہ وقت "خاک پاک توران" کی نسبت کا اعلان کرتے اور "مرزبان زادہ سمرقند" ہونے پر فخر کرتے تھے۔ مرزا غالبؔ کو فارسی زبان وادب سے فطری لگاؤ تھا وہ فارسی زبان کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے انہوں نے فارسی زبان وادب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اس کی باریکیوں اور نکتوں کو ایسا ذہن نشین کیا تھا کہ ان کو فارسی زبان اور اہل زبان سے ایک طبعی مناسبت پیدا ہوگئی تھی ان کی ذہانت، تیزی فکر اور ذوقِ سلیم نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہندوستان کے فارسی گو شعراء اور فرہنگ نویسوں کو خاطر میں نہیں لاتے امیر خسروؔ کے سوا کوئی دوسرا ان کے معیار پر نہیں اترتا فیضیؔ کے بارے میں بھی وہ کہتے ہیں کہ اس کی بھی کہیں کہیں ٹھیک نکل جاتی ہے، جمال الدین انجو، محمد حسین شیرازی اور عبدالرشید پر کڑی تنقید کرتے ہیں مرزا محمد حسین قتیلؔ اور مولوی غیاث الدین رام پوری تو گویا اُن کی "چڑ" ہیں وہ علمی اختلاف رائے میں مجادلہ اور مکابرہ پر اُتر آئے ہیں، ان کو ان لوگوں کے صحیح نام لینا بھی گوارا نہیں بیچارے قتیلؔ کو تو ہر جگہ "کھتری بچہ" لکھتے ہیں اس

---

[1] علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) جلد اول، مرتبہ محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۶۰ء، ص ۲۴۲

سلسلے میں وہ انصاف کے دامن کو بھی ہاتھ سے دے دیتے ہیں۔ قاطع برہان رادکرتے ہوئے مولوی نجم الغنی خاں رام پوری لکھتے ہیں۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب متوطن اکبرآباد ساکن دہلی نیز بر چندے از لغات کتاب مذکور (برہان قاطع) اعتراض نمودہ است لیکن بیشتر ناانصافی را اظہار دادہ وظلم صریح فرمودہ است قطع نظر ازیں کہ بر سر الفاظ ستم ہا کردہ است و معانی را بہ پامالیہائے جور سپردہ فحش و دشنام راکہ سوقیاں لب بہ اظہار آں نکشانید سامان دادہ است و گفتار لاالعنی راکہ بازاریاں نیز ازاں حذر نمانید بنیاد نہادہ است"[1]

علمی اختلافات میں تہذیب و آداب کے حدود نظر انداز نہیں ہونے چاہئیں۔ مولوی غیاث الدین رام پوری مؤلف غیاث اللغات کے بارے میں بھی مرزا غالب کی ایسی ہی روش ہے کہ وہ تنقید کی بجائے تنقیص و تضحیک پر اتر آتے ہیں حالانکہ مولوی غیاث الدین اپنے زمانے کے مشہور مدرس و مصنف تھے رؤسائے رام پور ان کے حلقۂ تلمذ سے وابستہ تھے۔

مولوی غیاث الدین ایک ذی علم گھرانے میں تقریباً ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے[2] ان کے والد مولوی جلال الدین[3] اور دادا مولوی شرف الدین صاحب علم و فضل تھے منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں۔

---

[1] نہج الادب از مولوی نجم الغنی خاں رام پوری (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۱۹ء) ص ۸۸ [2] منشی امیر مینائی نے لکھا ہے کہ ۱۲۶۸ھ میں اسی برس کی عمر میں انتقال کیا (انتخاب یادگار رام پور ۱۲۹۰ھ) ص ۲۲۸

[3] حافظ احمد علی خاں شوق نے (تذکرہ کاملان رام پور، دہلی ۱۹۲۹ء ص ۳۰۵) نے مولوی غیاث الدین کے والد کا نام مولوی شرف الدین لکھ دیا ہے جو صحیح نہیں ہے انہوں نے خود غیاث اللغات میں اپنے والد کا نام جلال الدین لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو غیاث اللغات مطبع نول کشور کانپور ۱۸۷۳ء) ص ۲

"مولوی شیخ جلال الدین خلف ارشد مولوی شرف الدین صدیقی الاصل تھے ۔ صاحب علم و فضل تھے ۔ مولوی غیاث الدین صاحب عزت کے پدر بزرگوار' اپنے والد کے فیض تعلیم سے علوم ظاہری میں مستثنائے روزگار' ایسے قانع و متوکل کہ مثل ان کا نایاب' بذل نفس و مال میں انتخاب' مولوی غلام جیلانی مرحوم کی جو صحبت پائی مذاق فقر کی بھی لذت اٹھائی ستر برس کا سن پایا بارہ سو بائیس ۱۲۲۲ھ ہجری میں اکیسویں ماہ ذی قعدہ کو زیر خاک آرام فرمایا۔"

مولوی غیاث الدین نے اپنے والد مولوی جلال الدین اور مولانا غلام جیلانی رفعت[1] سے کتب درسیہ پڑھیں علم طب کی تحصیل حقی خاندان کے ایک بزرگ مولوی نور الاسلام[2]

---

[1] مولوی غلام جیلانی نام، رفعت تخلص، ملا عبد العلی بحر العلوم اور شاہ عبد العزیز دہلوی کے شاگرد تھے ۔ فارسی میں نہایت اعلیٰ لیاقت رکھتے تھے ۔ نامور علماء ان کے شاگرد ہیں ۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء میں ان کا انتقال ہوا دو کتابیں فارسی دیوان اور جنگ نامہ دو جوڑہ (فارسی) کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں رفعت کا ایک عربی غیر منقوطہ قصیدہ راقم الحروف کے کتب خانے میں ہے، تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مرتبہ و مترجم محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۱ء) ص ۵۸۹ ، ۵۹۰ علم و عمل جلد اول ص ۸ ، تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۸۴ - ۲۸۷ انتخاب یادگار ص ۱۵۱ - ۱۵۲۔

[2] ۔ مولوی نور الاسلام بن مولوی سلام اللہ خانوادہ حقی کے نامور عالم۔ علوم معقول ریاضی اور طب میں فاضل اجل تھے ان کے دو رسالے کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں ملاحظہ ہو علم و عمل جلد اول ص ۸ (حاشیہ)

رام پور کے فارسی کے نامور اساتذہ عنبر شاہ خاں آشفتہ[1] اور کبیر خاں تسلیم[2] سے بھی استفادہ علمی کیا۔ زہد و تقویٰ اور اخلاقِ عالیہ کے مالک تھے۔ منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں[3]:

"فن طب کے بھی خوب ماہر، ورع و تقویٰ ان کا کالشمس فی رابعۃ النہار ظاہر، طب میں مولوی نور الاسلام نبیرہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی کے شاگرد رشید، اس ذات مجمع الصفات نہ دید نہ شنید عنبر شاہ خاں اور کبیر خاں سے سب کچھ استفادہ فرمایا ہے بہت سے استادانِ کامل سے فیض اٹھایا ہے"[4]

مولوی غیاث الدین کی تمام عمر درس، تدریس اور تصنیف میں گزری ان کا حلقہ درس بہت وسیع و وقیع تھا۔ نواب یوسف علی خاں ناظم (ف ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء) اور نواب کلب

---

[1] عنبر شاہ خاں ولد صورت خاں آشفتہ تخلص، رام پور کے نامور شاعر و ادیب، ان کی متعدد تصانیف کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۳ء میں مراد آباد میں انتقال ہوا ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۷۱ - ۲۷۸، انتخاب یادگار ص ۴ - ۶، تذکرہ طبقات الشعراء از قدرت اللہ شوق (مرتبہ نثار احمد فاروقی) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۸ء) ص ۲۴۴ - ۲۴۸

[2] محمد کبیر خاں ابن امیر خاں نام، تسلیم تخلص، ادیب فاضل و شاعر شہیر، ۱۲۵۱ھ میں انتقال ہوا۔ تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۲۸ - ۳۲۹ و انتخاب یادگار ص ۹۵

[3] انتخاب یادگار ص ۳۲۲

[4] تعجب ہے کہ مولوی نجم الغنی خاں رام پوری نے لکھا ہے کہ "خلیفہ غیاث الدین علوم تحصیلی میں ناتمام تھے بلکہ زبان عربی سے ناواقف تھے مسائل علمی سنے سنائے اور کتب فارسی میں دیکھ کر اپنی مؤلفات میں جمع کرتے رہتے تھے"۔ اخبار الصنادید جلد دوم (لکھنؤ ۱۹۱۸ء) ص ۱۸۵ نجم الغنی نے سند و حوالہ نہیں دیا۔

علی خاں نواب (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) ان کے شاگرد تھے[۱] اور ان رؤسا کے دل میں ان کا خاصا احترام تھا۔

مولوی غیاث الدین علم وفضل کے ساتھ صاحب ہمت وجرأت تھے[۲] ۔کتابوں کا شوق تھا۔کلکتہ تک سے خرید کر منگاتے تھے[۳] ۔تلاش معاش کے سلسلہ میں لکھنؤ بھی گئے تھے[۴] شاہ جمال اللہ[۶] سے بیعت تھے[۵] ۔انہوں نے ایک کنواں بھی بنوایا تھا، رام پور کی سرکار سے وظیفہ مقرر تھا۔جس میں سے فقراء کو بھی دیتے تھے چاہے خود تکلیف گوارا کرنی پڑے[۷] ۔

۲۲، ذی الحجہ ۱۲۶۸ھ کو انتقال ہوا۔نواب دروازے کو جاتے ہوئے مفتی غلام حیدر کے مکان کے قریب چوراہے پر داہنے ہاتھ کو جو مسجد ہے اس میں دفن ہوئے[۸]

ان کے ایک صاحبزادے مولوی قمر الدین تھے[۹]

مولوی غیاث الدین کو تصنیف وتالیف کا ذوق تھا متعدد کتابوں کے مصنف

---

۱ انتخاب یادگار ص۲۲ ۲ ایضاً ص۲۷ تذکرہ کاملان رام پور ص۳۰۶، مکاتیب غالب مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی (رام پور ۱۹۴۹ء) ص۲ و ۴۴ (متن)

۳ تذکرہ کاملان رام پور ص۳۰۵

۴ ایضاً ص۳۰۶ ، ۵ ایضاً۔

۶ حافظ شاہ جمال اللہ ابن سلطان شاہ، قصبہ گجرات شاہ دولہ میں پیدا ہوئے نقشبندی سلسلے کے نامور بزرگ تھے افاغنہ روہیل کھنڈ ان کے مرید تھے ۲ صفر ۱۲۰۹ھ کو انتقال ہوا، تذکرہ کاملان رام پور ص۹۶ ۔ ۹۹

۷ تذکرہ کاملان رام پور ص۳۰۶

۸ ایضاً

۹ ملاحظہ ہو تذکرہ کاملان رام پور ص۳۲۶

ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

جواہر التحقیق اس رسالے میں عربی و فارسی کے صحیح و غلط الفاظ کی تصحیح کی گئی ہے ۱۲۶۱ھ میں جب وہ نواب کلب علی خاں کی تربیت پہ مامور ہوئے تو یہ رسالہ بطور جدول لکھا۔ ساٹھ صفحے کا یہ قلمی رسالہ کتب خانہ رامپور میں موجود ہے۔

آمد نامہ (فارسی) یہ کتاب بھی نواب کلب علی خان کی تعلیم کے لئے مرتب کی ۲۲۴ صفحات کی یہ کتاب کتب خانہ رام پور میں محفوظ موجود ہے۔

شرح گلستان موسوم بہ بہار باراں ۱۲۵۹ھ میں تالیف کی، اس کی تالیف کے زمانے میں بعض کتابوں کی تلاش میں لکھنؤ گئے۔ مولوی محمد مخدوم کے کتب خانے سے مدد لی۔ اور نواب وزیر الدولہ رئیس ٹونک کے نام معنون کی ۱۰۱۷ صفحات کا قلمی نسخہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

خلاصۃ الانشار جب نواب کلب علی خاں گلستان پڑھ چکے تو ان کی تعلیم کے لیے یہ رسالہ انشاء مرتب کیا، ۸ صفحات کا قلمی رسالہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

قصہ شاہزادہ مہر نظیر و ملکہ ماہ منیر تاریخی نام باغ و بہار (۱۲۱۸ھ) ہے یہ قصہ رنگین فارسی عبارت میں لکھا ہے نواب احمد علی خاں (ف ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء) کے نام معنون کیا ہے ۱۲۰ صفحات کا قلمی رسالہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

شرح سکندر نامہ ۱۲۳۰ھ میں یہ کتاب لکھی اور نظر ثانی کر کے ۱۲۶۵ھ میں مکمل ہوئی اس میں اکبر شاہ ثانی (ف ۱۸۳۷ء) کے نام کا خطبہ شامل ہے، ۵۲۴ صفحات پر مشتمل ہے کتب خانہ رامپور میں موجود ہے

قصہ گل وگیندا نواب بیگم کی فرمائش سے یہ قصہ فارسی زبان میں لکھا ہے کتب خانہ رام پور میں دس جلدیں (۷۹۵۱ صفحات) موجود ہیں مگر قصہ پھر بھی ناتمام ہے۔

منتخب العلوم ۱۲۶۶ھ میں کتاب مکمل ہوئی۔ یہ چالیس رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں سے زیادہ تر فارسی ادب سے متعلق ہیں۔

شرح بدر چاچ قصائد بدر چاچ کی شرح لکھی جس کے صلہ میں نواب غوث محمد خاں رئیس جاؤرہ نے ایک ہزار روپے انعام بھیجے۔

منشآت عزت مولوی غیاث الدین عزت کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جسے ان کے بیٹے مولوی قمر الدین نے مرتب کیا ہے ۱۶۰ صفحات کا خطی نسخہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

رسائل مولوی غیاث الدین مولوی غیاث الدین نے جو رسائل ناتمام چھوڑے ان کو ان کے بیٹے مولوی قمر الدین نے مکمل کرکے مرتب کر دیا (۸۰۰) صفحات کا یہ مجموعہ کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔

ان کتابوں کے علاوہ ان کی تالیفات رسالہ عروض وقافیہ، شرح مثنوی غنیمت شرح ابوالفضل، شرح گل کشتی، مجربات غیاثی اور خواص الادویہ بھی ہیں[1]

آخر میں ہم ان کی مشہور ومعروف کتاب غیاث اللغات کا ذکر کرتے ہیں:۔

غیاث اللغات مولوی غیاث الدین نے اپنی درس وتدریس اور تالیف کی مصروفیات کے باوجود چودہ سال کی طویل مدت میں غیاث اللغات کو مکمل کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں[2]

باوجود وفور علائق وکثرت افکار وازدحام درس وتدریس طلبہ و

---

[1] تذکرہ کاملان رام پور ص۳۰۶ ۔ ۳۰۸ وانتخاب یادگار ص۲۲۶

[2] غیاث اللغات ص۲ ص۳

اشتغال تالیف و تصنیف بعض کتب مثل مفتاح الکنوز شرح سکندر نامہ و نسخہ باغ و بہار و انشاء غیاث، قصائد وغیرہ در عرصہ چہاردہ سال بعبارت سہل عام فہم ایں کتاب تالیف نمودہ۔"

غیاث اللغات کی تالیف کا کام ۱۲۴۲ھ میں تکمیل کو پہنچا اور مندرجہ ذیل سات تاریخیں[1] نکالیں[2]

۱۔ معیار فضائل	۲۔ صیقل الفاظ
۳۔ خاتم عقلا	۴۔ نظارہ عجائب
۵۔ اعلام مستتر	۶۔ وضوح کتب
۷۔ تحقیقات کبار	

یہ کتاب خوب مقبول و مشہور ہوئی شاید اس کا یہ سبب ہو کہ مؤلف کا حلقہ تلمذ بہت وسیع تھا اور وہ ریاست رام پور سے وابستہ تھے مقبولیت کے بارے میں مؤلف خود لکھتے ہیں[3]

"دریں اثنا بعض محبان از غلبہ شوق مطالعہ اش فرصت نظر ثانی ندادند و با وجود عذر بسیار نقلش برداشتہ باطراف بردند، چوں اتفاق نظر ثانی افتاد بہ نسبت نسخہ سابق چیزے اصلاح پذیر نشدند امید از اہل انصاف و تمیز آنست ہر جا کہ دریں کتاب نقصانے پدید آید معذور داشتہ معاف سازند و زبان ملامت را رخصت حرف گیری ندادہ باصلاح پردازند۔"

---

[1] غیاث اللغات: ص ۲

[2] مؤلف تذکرہ کاملان رام پور (ص ۲۰۷) نے لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب دس سال کی مدت میں تالیف ہوئی۔

[3] غیاث اللغات ص ۳

مؤلف غیاث اللغات کے پیشِ نظر جو کتابیں برائے اخذ کنایات و اصطلاحات و مباحث بعض علوم" رہیں وہ درج ذیل ہیں[1]

"(۱) گلستان (۲) بوستان (سعدی) (۳) یوسف زلیخا (جامی) (۴) نیرنگ عشق (غنیمت) (۵) انشائے امان اللہ حسینی، (۶) انشائے مادھورام (۷) انشائے یوسفی (۸) انشائے منیر (۹) انشائے جامع القوانین (خلیفہ شاہ محمد) (۱۰) کشائش نامہ (۱۱) طوطی نامہ (نخشبی) (۱۲) بہار دانش (عنایت اللہ) (۱۳) رسالہ عبدالواسع ہانسوی (۱۴) مجمع الصنائع (نظام الدین احمد) (۱۵) نصاب ابونصر فراہی (۱۶) انوار سہیلی (کاشفی) (۱۷) مکاتبات علامی ابوالفضل (۱۸) انشائے طاہر وحید (۱۹) نثر ظہوری ترشیزی، (۲۰) نلدمن (فیاضی) (۲۱) سکندر نامہ (۲۲) مخزن اسرار (نظامی) (۲۳) مثنوی و دیوان (ناصر علی) (۲۴) دیوان صائب (۲۵) دیوان حافظ (۲۶) قران السعدین (خسرو) (۲۷) تحفۃ العراقین (۲۸) قصائد خاقانی (۲۹) قصائد انوری (۳۰) ترقیعات کسریٰ (۳۱) گل کشتی (میر نجات) (۳۲) زنانہ بازار (۳۳) رقعات نثر ظہوری (۳۴) رسائل طغریٰ (مشہدی) (۳۵) حسن و عشق (۳۶) وقائع نعمت خاں عالی (۳۷) قصائد عرفی (۳۸) قصائد بدر چاچ (۳۹) مثنوی مولوی روم (۴۰) اخلاق ناصری نصیر الدین طوسی)۔

ان کے علاوہ اور بھی کتب فارسی و کتب طبیہ پیش نظر رہیں۔ لغت کی مندرجہ ذیل کتابوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے[2]

(۱) قاموس (شیخ مجد الدین فیروز آبادی) (۲) صحاح (جوہری) (۳) صراح (ابو الفضل محمد) (۴) کنز اللغات (ملا رؤف) (۵) منتخب اللغات (ملا عبدالرشید) (۶) بحر الجواہر (محمد بن یوسف) (۷) لب الالباب (جلال الدین سیوطی) (۸) کشف اللغات (محمد عبدالرحیم) (۹) مدار الافاضل (شیخ الہداد سرہندی) (۱۰) مؤید الفضلاء (محمد لاد) (۱۱) لطائف اللغات (عبداللطیف) (۱۲) فردوس اللغات (عبداللہ) (۱۳) برہان قاطع

---

[1] غیاث اللغات ص۲، ۳۔ [2] ایضاً

(محمد حسین برہان (۱۴) فرہنگ جہانگیری (جمال الدین حسین انجو) (۱۵) رشیدی فارسی (ملا عبدالرشید) (۱۶) چراغ ہدایت وسراج اللغات (سراج الدین علی خان آرزو (۱۷) مصطلحات الشعرا (وارستہ) (۱۸) جواہرالحروف وبہار عجم (ٹیک چند بہار) (۱۹) فرہنگ سروری (جلال محمد قاسم) (۲۰) لغات ترکی (۲۱) مزیل الاغلاط (۲۲) شرح الشعرا (عبدالباسط) (۲۳) شرح مقامات حریری (رسالہ) معربات عبدالرشید (۲۵) مجموع اللغات (ابوالفضل) (۲۶) شرح ابونصر فراہی (دشت بیاضی (۲۷) شرح مذکور (یوسف) (۲۸) شرح مذکور (نظام ہروی) (۲۹) شرح مذکور (نامعلوم)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل تفاسیر اور دوسری کتابیں بھی پیش نظر رہیں[۱]

(۱) تفسیر حسینی (۲) تفسیر مدارک (۳) تفسیر بحر مواج (۴) مہذب اللغات (۵) نفائس الفنون (۶) زبدۃ الفوائد (۷) آئینِ اکبری (۸) تقویم البلدان (۹) حدود الامراض (۱۰) رسالہ اوہام الخواص (۱۱) فصول اکبری وغیرہ

ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں پیش نظر رہیں جیسے کہ لکھا ہے[۲]

"چندیں رسائل قواعد فارسی ... کتب علم ہیئت وطب ورسائل وموسیقی ونجوم وتواریخ وتذکرہ وشروح ثقات ودیگر کتب کہ بیان آنہا موجب تطویل است"

غیاث اللغات کی تالیف ایک شخص کی انفرادی کوشش تھی اس نے اپنے ذوق کی بنا پر یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔ اس میں فروگزاشتیں بھی ہوئیں اور سقم اور خامیاں بھی رہ گئیں جن کی طرف بعض فضلاء نے اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے مرزا غالب نے غیاث اللغات کو نہ صرف غیر معیاری بلکہ بیکار اور لغو قرار دیا۔ ممکن ہے اس میں وہ کسی قدر حق بجانب بھی ہوں مگر انہوں نے غیاث اللغات اور مؤلف کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے وہ ان کے شایانِ شان نہیں' علمی تبصرے اور تنقید

---

[۱] غیاث ص ۲، ۳ حصہ دوم [۲] ایضاً

میں حدود و آداب کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر مرزا غالب نے اس کا خیال نہیں رکھا مرزا غالب انوار الدولہ شفق کو لکھتے ہیں [۱]

"غیاث اللغات ایک نام مؤقر و معزز جیسے الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی، آپ جانتے ہیں کہ یہ کون ہے ایک معلم فرومایہ رام پور کا رہنے والا فارسی سے نا آشنائے محض اور صرف و نحو میں ناتمام، انشائے خلیفہ و منشیات مادھورام کا پڑھانے والا، چنانچہ دیباچہ میں اپنا مآخذ اس نے خلیفہ شاہ محمد و مادھورام و غنیمت [۲] و قتیل کے کلام کو لکھا ہے [۳]"

نثر مرجز کی تعریف کے سلسلے میں صاحب عالم مارہروی (ف ۱۲۸۸ھ) کو لکھتے ہوئے مرزا غالب مولوی غیاث الدین رام پوری کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

"... غیاث الدین ملائے مکتبی رام پوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا معتقد ہو اور میرے قول کو معتمد سمجھے۔"

آگے لکھتے ہیں [۴]

"مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں۔"

ایک دوسرے موقع پر مرزا غالب نے صاحب عالم کو نہایت تیز و تند لہجے میں خط لکھا ہے اور مولوی غیاث الدین پر بُری طرح برستے ہیں [۵]

---

[۱] خطوط غالب حصہ دوم (مرتبہ غلام رسول مہر) (لاہور ۱۹۵۱ء) ص ۴۰

[۲] مؤلف غیاث اللغات نے قتیل کے کلام کو اپنا مآخذ نہیں بتایا ہے۔

[۳] تعجب ہے کہ انشی سے زیادہ مآخذ میں سے مرزا غالب نے ان ہی چار کتابوں کا نام لینا مناسب سمجھا۔ (ق)

[۴] خطوط غالب (مرتبہ غلام رسول مہر) جلد دوم ص ۲۱۶

[۵] ایضاً ص ۲۱۷ [۶] ایضاً ص ۲۵۰

"دراصل فارسی کو اس کھتری بچے قتیل علیہ ما علیہ نے تباہ کیا۔ رہا سہا غیاث الدین رام پوری نے کھو دیا۔ ان کی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب عالم کی نظر میں اعتبار پاؤں خالصاً للہ غور کرو کہ وہ خران ناشخص کیا کہتے ہیں اور میں خستہ و دردمند کیا لکھتا ہوں واللہ نہ قتیل فارسی شعر کہتا ہے اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے ... ان غولوں پر لعنت کرو، سیدھی راہ پہ آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو۔ تمہاری بزرگی پہ اور مرزا تفتہ کی نسبت پہ نظر کرکے لکھا ہے نہیں کہتا کہ خواہی نخواہی میری تحریر مانو، مگر اس کھتری بچے اور اس معلم سے مجھ کو کم تر نہ جانو۔"

مرزا غالب نے ایک موقع پہ تفتہ کو لکھا ہے[1]

"مرزا تفتہ کو کہ غیاث اللغات کے معتقد ہیں اس امر کی اطلاع کر دی ہے۔"

مرزا غالب اپنے کاتب کو مولوی غیاث الدین سے بڑھ کر جانتے ہیں[2]

"کاتب ان اجزاء کا... فارسی کا عالم ہے، علم اس کا غیاث الدین رام پوری اور حکیم محمد حسین دکھنی سے زیادہ ہے۔"

مرزا غالب شمس العلماء مولوی ضیاء الدین دہلوی (ف ۱۳۲۶ھ) کو لکھتے ہیں[3]

"نہ ایک نہ دو بلکہ ہزار دو ہزار فرہنگیں فراہم ہوگئیں، یہاں تک کہ قتیل نو مسلم اور غیاث الدین ملانے مکتب وار رام پوری اور

---

[1] خطوط غالب (مرتبہ غلام رسول مہر) جلد اول ص ۲۹۱

[2] ایضاً ص ۱۶۱

[3] خطوط غالب (مرتبہ غلام رسول مہر) جلد دوم ص ۴۶۹

کوئی روشن علی جونپوری[1] اور کہاں تک کہوں کون کون جس کے جی میں آئی وہ مقصدی تحریر قواعد انشاء ہوگیا۔"

حقیقت امر یہ ہے کہ غیاث اللغات ایک عرصۂ قلیل میں ملک میں مشہور و مقبول ہوگئی نظر ثانی سے قبل ہی بہت سے لوگوں نے اس کی نقلیں لیں ۱۲۶۵ھ میں مطبع میر حسن رضوی، لکھنؤ میں پہلی بار طبع ہوئی اور مالک مطبع نے خود مصنف سے نسخہ منگا کر تصیح کرکے چھاپا اور اس کے بعد تو معلوم نہیں مختلف مطابع سے کتنی بار یہ کتاب چھپی۔[2]

مرزا غالب کے شاگرد رشید مرزا ہرگوپال تفتہ (ف ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) اور ان کے محب صادق اور مرشد روحانی صاحب عالم مارہروی وغیرہ اس کو مستند سمجھتے ہیں۔ اور اس کے معتقد ہیں اور مرزا اپنی قسمت کو روتے ہیں کہ غیاث الدین ملائے مکتبی اتنا مقبول و مطبوع اور میری رائے اتنی مکروہ و مردود۔

مرزا غالب نے ایک موقع پر نواب کلب علی خاں کی کسی تحریر کے سلسلے میں بھی بالواسطہ یا اشارۃً مؤلف غیاث اللغات کے بارے میں کچھ اسی قسم کی رائے کا اظہار کردیا تھا جس سے ان کو خاصی خفت اٹھانی پڑی اور نواب کلب علی خاں آشفتہ خاطر ہوگئے۔

---

[1] مولوی روشن علی، جونپور وطن، مشہور فاضل، تصانیف کثیرہ کے مالک، کافیہ تحریر اقلیدس اور خلاصۃ الحساب کا ترجمہ کیا، مقالات حریری کے طرز پر ایک کتاب لکھی، ایک کتاب عربی لغت میں لکھی کلکتہ میں انتقال ہوا۔ (عہد بنگش کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ۔ (رفیق ولی اللہ فرخ آبادی) مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ۱۹۶۵ء) ص ۳۴۱۔ نزہۃ الخواطر جلد ہفتم۔ (حکیم عبدالحی (حیدرآباد دکن ۱۸۷ھ) ص ۲۸۸

[2] تذکرہ کاملان رام پور ص ۳۷۔

ہوا یہ کہ نواب صاحب نے کوئی فارسی عبارت مرزا غالب کے پاس بغرض اصلاح بھیجی جس میں مرزا نے بعض الفاظ بدل دیئے۔ اس پر نواب صاحب نے لکھا کہ ارتنگ اور ارژنگ کو بعض لوگوں نے ایک ہی لکھا ہے اور آشیاں چیدن کو آشیاں بستن کے مرادف لکھا ہے۔ چنانچہ نواب صاحب ارقام فرماتے ہیں[1]

"نیساں خامہ کہ در تحریر معانی شعر عرفی و ہم تحقیق لفظ ارتنگ وارژنگ گوہر بار گردیدہ' بر خاطر اخلاص فروش ہر آئینہ مخفی و محتجب مباد کہ اکثر مالک رقابانِ علم لغت ارتنگ وارژنگ رابمعنی واحد پنداشتہ اند' وعامہ مفسران کلام شیرازی مشار" آشیاں چیدن" رامرادف آشیاں بستن نگاشتہ' چنانچہ نظیر ہر یکے ملفوف عنبریں نامہ ہذا است' بمطالعہ خواہد رسید' معہذا اگر طبع آں استاد زماں بہ ترقیم الفاظ بالائی الجملہ نغوری داشتہ' ہم چناں حوالہ قلم نماید کہ مبحوث عنہ را از لفظ اصلاح شدہ چہ نفسانیت خود محو سازم زیرا کہ مرا از آں مشفق واسطہ تلمذ بودہ است' نہ از عرفی و دیگراں' اما نظرے کہ بنظر گزشتہ است صرف برائے اطلاع بہ نمیقۂ ہذا مندرج گردیدہ"۔

اس خط سے نواب صاحب کے مزاج ہمایوں کا تکدر ظاہر تھا لہذا مرزا نے معذرت نامہ لکھا لیکن اس کا انداز بھی کچھ تعلّی پسندانہ ہی تھا۔ مرزا لکھتے ہیں[2]

"بدو فطرت سے میری طبیعت کو زبان فارسی سے ایک لگاؤ تھا چاہتا تھا کہ فرہنگوں سے بڑھ کر کوئی ماخذ مجھ کو ملے۔ بارے مراد بر آئی اور اکابر پارس میں سے ایک بزرگ یہاں وارد ہوا اور اکبر آباد

بم

---

[1] مکاتیب غالب (مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی) (رام پور ۱۹۴۹ء) (حاشیہ) صفحہ ۱۰۲
[2] مکاتیب غالب (عرشی)، صفحہ ۹۱۔

میں فقیر کے مکان پہ دو برس رہا اور میں نے اس سے حقائق و دقائق
زبان پارسی کے معلوم کئے اب مجھے اس امر خاص میں نفس مطمئنہ
حاصل ہے مگر دعویٰ اجتہاد نہیں ہے، بحث کا طریق یاد نہیں،
میاں انجو جامع فرہنگ جہانگیری، شیخ رشید راقم فرہنگ
رشیدی، عظمائے عجم میں سے نہیں۔ ہند ان کا مولد، ماخذ ان کا
اشعار قدما، ہادی ان کا قیاس، ٹیک چند اور سیالکوٹی مل ان
کے پیرو[1] سبحان اللہ ہندی بھی اور ہندو بھی، نور علیٰ نور!
فقیر اشعار قدما کا معتقد، ان لوگوں کے کلام کا عاشق، مگر جو
لغات ان کے کلام میں ہیں، ان کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس
سے نکالے ہیں، میں ان کے قیاس پر کیونکر تکیہ کردوں؟ اب جو پیر و مرشد
نے لکھا کہ "ارتنگ [وارژنگ][2] متحد المعنی اور آشیاں ساختن و بستن
و چیدن "گھونسلا بنانے کے معنی پر ہے تو میں نے بے تکلف مان لیا
لیکن نہ ان صاحبوں کے قیاس کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند نعمت
کے حکم کے مطابق۔"

مرزا کا یہ طرز وضاحت نواب کو پسند نہ آیا بلکہ یہ الفاظ "بحث کا طریقہ یاد نہیں" اور "ان
کے معنی تو اہل ہند نے اپنے قیاس سے نکالے ہیں، میں ان کے قیاس پر کیوں کر تکیہ کروں"
اور بھی گراں گزرے چنانچہ اس کے جواب میں نواب کلب علی خاں نے تحریر فرمایا[3]
"مکتوب حیرت اسلوب مشعر اختراع معنی غلط نسبت ہندی نژاداں پیشیں
و دیگر اعتراضہا، ایں کہ راقم را طریقہ بحث یاد نیست، موصول مطالعہ گشتہ
باعث استعجاب عظیم گردید از انجا کہ تا حال ورائے تحقیق و تنقیح امور علمیہ

---

[1] مکاتیب غالب (عرشی) صفحہ ۱۷۵ (حاشیہ)
[2] ایضاً صفحہ ۶۱ ۶۲ (متن)

کہ معاذ اللہ! از مناظرہ و مناقشہ بچشم حق بیں بس ابعید می نماید، امرے دیگر بظہور نیامدہ و آنچہ حال خاطرم بود، بے ریب و رنج حوالۂ قلم وقائق سنج گردیدہ لیکن می نازم بر ذہن موشگاف آں عزیز زماں کہ نوشتہ ام را بر بحث و اجتہاد محمول نمودہ، امثال ایں کنایہ ہائے نو، مثل نسبت استادی بجانب راقم و لفظ بحث کہ ہر دو خلاف واقع و مورث رنج و عنا است نگاشتند، پس اگر آں مشفق راہم چنیں منظور باشد، اشارتے سازند کہ واسطہ ترسیل رسائل اندفیما بین داشتہ شود ورنہ بنیان خامہ را با مور خارج البحث تکلیف ندادہ باشند، کہ نتیجہ اش سوائے صداع الراس امرے بخیال نمی رسد و راقم پایۂ اعتبار محققاں کہ صاحب تصانیف مقبول انام بودہ انداز خود زیادہ دانستہ بحوالہ کلام شاں پرداختہ اگر نزد آں صمیم جا دیدۂ آنہا قابل قبول نبود، بایستے کہ ہم برآں نمط تحریرے ساختند، با مصلحت ایں قدر اطناب سخن از فہم ہیچمدان بیروں زیادہ ازیں نوشتن حکمت بلقمان آموختن است"۔

نواب صاحب کی اس تحریر کے بعد تو مرزا کی ترکی تمام ہوگئی۔ چنانچہ لکھتے ہیں [1]

"توقیع رفیع آیا، پڑھتے ہی کانپ اٹھا اور عالم نظر میں تیرہ و تار ہوگیا اگر حضور کے ارشادات کو بحث تعبیر کیا ہو تو مجھے جناب الٰہی اور اور حضرت رسالت پناہی کی قسم ... انکار بحث سے مراد یہ تھی کہ شعرائے ہند کے کلام میں جو غلطیاں نظر آتی ہیں یا ہندی فرہنگ لکھنے والوں کے بیان میں جو نادرستی اور باہم جو ان کی عقول میں اختلاف ہیں، ان میں کلام نہیں کرتا۔ اپنی تحقیق کر مانے ہوں اوروں سے مجھے بحث نہیں بابمہ صفت حافظہ یاد ہے کہ آخر میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ان دونوں باتوں کو

---

[1] مکاتیب غالب (عرشی) صہ ۶۱ - ۶۲ (متن)

میں نے مانا، لیکن نہ فرہنگ لکھنے والوں کی رائے کے بموجب، بلکہ اپنے خداوند کے حکم کے مطابق، یہ کلمہ موجب عتاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اس کو گناہ سمجھا جائے

وہ آخر گناہگار ہوں، کافر نہیں ہوں میں گناہ معاف کیجئے اور نوید عفو سے مجھ کو تقویت دیجئے"۔

اس تحریر کے جواب میں نواب صاحب نے لکھا[1]

"مشفقا! سابق ازیں بملاحظہ مضمون معاوضہ سابقہ امرے کہ متخیل شدہ بود بے شائبہ تکلف حوالہ خامہ گردید حالانکہ آں مہرباں بتاویل پرداختند ازاں رفع شکوک لاحقہ گردید، خاطر لطف مشاہر مقرون جمعیت باشد"

لیکن نواب صاحب کا تکدر خاطر رفع نہ ہوا چنانچہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی لکھتے ہیں۔

"اس کے بعد نواب صاحب نے پھر کوئی نثر اصلاح کے لئے نہیں بھیجی جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی طبیعت کا تکدر دور نہیں ہوا"

مرزا غالب نے اپنے خطوط میں صاحب غیاث اللغات کو یوں تو خوب سب و شتم کیا ہے مگر انہوں نے مولوی غیاث الدین کی خاص طور سے کسی کتاب کی غلطیوں کی نشاندہی نہیں کی اور نہ ہی غیاث اللغات سے کچھ مثالیں پیش کیں اس کی شاید دو وجہیں ہوں اوّل تو یہ کہ وہ برہان قاطع کا ہنگامہ دیکھ چکے تھے اس سے انہیں چھٹکارا نصیب نہ تھا دوسرے یہ کہ مولوی غیاث الدین غالب کے خداوندان (نوابانِ رام پور) کے استاد تھے غالب نے اس موقع پر مولوی غیاث الدین کا نام نہیں لیا ورنہ وہ بخشنے والے کب تھے۔ ویسے وہ اپنے شاگردوں نیز دوسرے لوگوں کو اپنی رائے برابر لکھتے رہتے تھے اور موقع بے موقع مولوی غیاث الدین وغیرہ پر تبرا بھی کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہاں ہم غالب

---

[1] مکاتیب غالب (عرشی) صفحہ ۱۷۶ (حاشیہ)

کے ایک شاگرد ابوالفضل محمد عباس رفعت شروانی بھوپالیؒ[1] کی غیاث اللغات پر ایک مفصل تنقید نقل کرتے ہیں جو شروانی کے شاگرد سید جعفر حسین دیوبندیؒ[2] نے نقل کی ہے

"روزے در حضار ان محفل نعیم مشاغل عمدہ امرایان زمان و منشی و شاعر یکتا جہاں مدار المہام منشی جمال الدین خاں صاحب بہادر[3] نائب اول ملک محروسہ بھوپال حاضر بودم آں دم معزی الیہ قدح تعزیہ می نمودہ بودند در اثنائے اشتغال و خلال ایں حال کتاب غیاث اللغات برداشت و

---

[1] ابوالفضل محمد عباس شروانی المتخلص بہ رفعت و سروؔ شیخ احمد شروانی صاحب نفحۃ الیمن کے صاحبزادے تھے رفعت ۱۲۴۱ھ/۱۸۲۵ء کو بنارس میں پیدا ہوئے، علوم متداولہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے کچھ وقت دکن اور دلی میں گزارا پھر ریاست بھوپال سے وابستہ ہوگئے غالب کے شاگرد تھے۔ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے ۱۳۱۵ھ میں بھوپال میں فوت ہوئے ملاحظہ ہو تلامذہ غالب از مالک رام (مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۷ء) ص ۱۲۵ - ۱۲۹

[2] جعفر حسین ابن حکیم غلام عباس، دیوبند کے رہنے والے، نہایت فاضل شخص تھے ان کے والد اور وہ ریاست بھوپال میں ملازم رہے۔ رفعت شروانی سے تلمذ تھا، ان کے فارسی خطوط کا مجموعہ "مکتوبات جعفری" (قلمی) راقم الحروف کے کتب خانے میں موجود ہے

[3] مکتوبات جعفری (مجموعہ خطوط سید جعفر حسین مع حالات) (قلمی) مملوکہ محمد ایوب قادری ص ۱۵۹ - ۱۶۱ -

[4] منشی جمال الدین ابن شیخ وحید الدین وطن بوریہ سہارنپور تھا ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں پیدا ہوئے، مولانا مملوک علی، شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد اسحاق وغیرہ سے تعلیم حاصل کی بھوپال کے مدار المہام تھے شاہ ولی اللہ دہلوی سے خاص ارادت تھی، شاہ صاحب کی بہت سی کتابیں شائع کرائیں ایک کتاب فرہنگ قرآن بنام کوکب دری لکھی محرم ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء میں انتقال ہوا (مآثر صدیقی جلد دوم از نواب علی حسن خاں (لکھنؤ ۱۹۲۵ء) ص ۴۴ - ۵۰ (ق)

معنی تعزیہ ماتم پرسی کردن برآمداز دیدنش برہم خاطر بودہ سویم نگریست و مخاطب شدہ فرمود کہ ماتم پرسی کردن چہ معنی دارد راقم بشکوہ محفل وے تبسم کناں پاسخ سوخت و ہیچ پاسخ نداد پس آں کتابے از لغات تازی طلبیدہ دید، نوشتہ بود کہ بصبر و شکیبائی غم زدگان رفتن، از معائنہ ایں معنی وحل مشکل ماں نخل از برہمی و درہمی برآمدہ بشاشت بر چہرہ پاکش راہ یافت و زباں بخورشا آفریں مصنف و مؤلف لغت تازی کشاد و بر نادانی و ژاژ خواہی ملا غیاث رام پوری بسیار خندید

دہم روزے ہنگام شب ابوالفضل دوراں مولانا محمد عباس خاں استاد من بر مکانم از عنایت کرم چوں آیۂ رحم نزول داشتند۔ پیش شمع چراغ کتاب غیاث نہادہ بود۔ بروش تفنن طبع برداشتہ و بر دست نازک خویش نہادہ واز صوب راست کشادہ سیر کردن سرکرد و قریب دو سہ سطر خواندہ بود کہ ناگرفت بد دماغ شدہ و چیں بجبیں آوردہ فرمود خاد آمہ بیار، نیازمند دست دراز کردہ قلم دان برداشتہ پیش نہاد، آں گراں مایہ از دست بیضا کار با صلاح لفظ بکتاش نوشت

بکتاش کہ بکتاش نام از یکے اکابر صوفیہ بود کہ بزعم اہل روم ولی کامل گزشتہ است واکثر مردم روم مرید و معتقد اویند و معائنہ فرمود، باز بجنبید واز امواج بحر ذخار خاطر عاطر خود جوشیدہ بر لفظ ہزار جریب و ہمخوابہ اصلاح داد۔

ہزار جریب کہ ہزار جریب نام باغ شاہ عباس در اصفہاں و

ہمخوابہ بمعنی زوجہ

نہ ایں کہ صاحب غیاث نوشتہ کہ ہزار جریب نام مقام کہ مسکن شیعاں است در ایران و ہمخوابہ در آخر ایں لفظ ہا زائداست و معنی ندارد واز

لہ غیاث اللغات (ص۵) میں یہ صراحت کہ" معنی ندارد" نہیں ہے (ق)

آنجا گزاشته از پیش بکشاد ہماں حال پیش آمد

آخر کار ملخص کلام ایں کہ کتاب از دست دور ساختہ فرمود اگر صحیفہ ہذا از آغاز تا انجام بسہولت تمام بتماشائے آورم ربع کتاب بیکار خواہد بر آمد فی الواقع کلام مالا کلام است، از ملا بسا غلطی ہائے فاحش سرزدہ اند۔

بوقلموں مولانا صاحب ممدوح در یکے از انشائے پارسی صد برگ نام بوقلموں بمقامے نبشتہ اند مرا از دیدنش حیرت افزود کہ صاحب غیاث "بوقلموں" را لفظ عربی تحقیق کردہ است، ہماں دم ایں گفتگو ہم پیش نمودم بخندید وگفت "بوقلموں" نام گلیست کہ آنرا "گل آفتاب پرست" نیز گویند، بہر جائیکہ آفتاب برمی گردد او نیز برمی گردد و در تمام روز برنگ دگر نماید و در ملک ایران بہ کوہ الوند اکثر می روید ہندیاں اورا سورج مکھی گویند۔ صانعان روم وچین وفرنگ لباس رنگ مختلف و بیلسے می بافتند کہ امروز در ملک ہندوستان یافتہ می شود و ہندیاں اورا، "دھوپ چھاؤں" گویند حکیم حاذق پسر حکیم ہمام اکبری در مثنوی طلسم گنج کہ سامان صبح می نویسد آوردہ۔

مورز سوراخ بروں کرد سر   بوقلموں دوخت سوئے مشرق نظر

و بوقلموں اغلب فارسی است[1]

ابنائے روزگار اورا مستند می دانستند و از نادانی بر وشوق آں محاورہ را باوج فلک الافلاک کشیدہ است۔

پائے خاکی کردن چنانچہ ملا آوردہ کہ پائے خاکی کردن بمعنی پیادہ رفتن محض غلط

---

[1] فاضل تبصرہ نگار اس پر روشنی نہیں ڈال سکا کہ اس میں حرف "ق" موجود ہے۔ مؤلف غیاث اللغات کے علاوہ دوسرے فرہنگ نویسوں نے بھی اسے عربی لکھا ہے۔ (ق)

وخطا است زیراکہ پائے خاکی کردن بمعنی پاتراب است چنانکہ رسمیست کہ قبل یک روز از روانگی سفر بنا بر لحاظ ساعت سعد ونحس خود را بیرون شہر برند و روز دیگر او براہ تہ‌ہند نہ اینکہ تا کلکتہ و لندن خود را پیادہ بردن ۔

کودن و آنکہ صاحب غیاث لفظ کودن را بحوالہ قاموس لفظ عربی نوشتہ در قاموس یافتہ نشد، صاحب برہان معنی آں مردم کینہ و دوں و کم عقل و ناداں و کند فہم و کج طبع می نویسد و ایں لفظ اغلب فارسی است

کینسہ و کنیسہ لفظ عربی است و معنی آں معبد یہود و نصاریٰ و کفار چنانکہ صاحب قاموس گوید الکنیسہ معبد الیہود والنصاریٰ والکفار، پس انچہ صاحب غیاث و برہان معبد گبراں نوشتہ غلط است [1]

سربخش و صاحب غیاث سربخش بمعنی حصہ و حصہ کلاں آوردہ، دریں ہم کلام است زیراکہ صاحب سفرنگ [2] دساتیر سربخش ۔ بمعنی سرآمد و مقتدیٰ آوردہ [3]

---

[1] گبراں بھی تو داخل کفار ہیں ۔

[2] مولوی نجف علی جھجری المتوفی ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱-۸۲ء (تذکرہ علمائے ہند ص ۵۱۵، ۵۱۶) مولوی نجف علی نے قاطع برہان مولفہ مرزا غالب کی تائید میں ایک کتاب دافع ہذیان لکھی (ذکر غالب از مالک رام (دہلی ۱۹۶۴ء) ص ۲۱۹) تعجب ہے کہ یہاں صاحب سفرنگ مولوی نجف علی سے حوالہ طلب نہیں کیا گیا کہ انہوں نے سربخش کے معنی سرآمد و مقتدی کس بنیاد پر لکھے (ق)

[3] اس خط کے آخر میں مولوی جعفر حسین دیوبندی نے ایک حاشیہ لکھا ہے وہ بھی خالی از فائدہ نہیں ہے وھو ھذا

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذیل میں ہم مشہور مصنف و فاضل مولوی حکیم نجم الغنی خان رام پوری کی تنقیدات کو بھی نقل کرتے ہیں جو انہوں نے غیاث اللغات کے سلسلے میں لکھی ہیں وہ لکھتے ہیں:[1]

سفسطہ کہ لفظ سفسطہ کو جو لفظ فا سے ہے غیاث اللغات میں سقسطہ قاف سے باندھا ہے۔[2]

تکسینان اور تکسینان کو بگتینان ضبط کیا ہے حالانکہ لفظ اول میں پہلا حرف تائے فوقانی اس کے بعد کاف تازی اس کے بعد سین مہملہ ہے انہوں نے پہلا حرف بائے موحدہ دوسرا قاف فارسی تیسرا تائے

(بقیہ پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

"میر غلام علی آزاد در خزانہ عامرہ در ترجمہ انوری و مرزا صائب قدوم بمعنی جمع آوردہ چنانچہ او گوید" تا بجد یکہ سلطان وعیار منزل او را بپر تو قدوم خود بر افروخت" و در ذکر صائب فرماید" چوں خبر قدوم پدر بمرزا رسید" حالانکہ قدوم مصدر است بمعنی پیش آمدن نہ جمع قدم چنانچہ زبان زد عوام است آزاد در خزانہ عامرہ نوشتہ گاہے الف ولام تعریف بر لفظ فارسی داخل کنند میر سنجر کاشی در مدح خان اعظم کوکہ اکبر بادشاہ گوید آں باذل باذل نسب ازاد بن الراد کذا) آں کوکب اعظم لقب آں خان الخان مرزا صائب گوید۔

ہر چند صائب می روم سامان نومیدی کنم — زلفش بدستم می دہد سر رشتہ آمالہا

ولفظ بوالہوس ہم ازیں قبیل باشد چیا کہ ہوس فارسی لفظ است مرادف ہوا" در قاموس گوید الہوس بالتحریک طرف من الجنون و ہو مہوس لمعظم" ظاہر است کہ ہوس در فارسی مرادف ہوا است نہ بمعنی جنون و ہوا" نوع از جنون قرار دادہ ہوس را لفظ عربی گفتن صریح تکلف است فقط (مکتوبات جعفری مع حالات (قلمی) ص ۱۶۱ حاشیہ)

[1] اخبار الصنادید جلد دوم ص ۱۸۵-۱۸۶

[2] نہج الادب (ص ۹۳) جہاں انہوں نے سفسطہ کی شرح کی ہے۔

زرقانی قرار دیا ہے اور لفظ تکسین، تحسین کا ہم وزن ہے جیسا کہ انجمن آرائے ناصری میں مذکور ہے۔

میر میر کو امیر کا مخفف کہا ہے اور یہ بھی غلطی ہے اس لئے کہ امیر اسم فاعل عربی کا ہے اور میر ترکی کا لفظ ہے سردار کے معنی ہیں جیسے میر لشکر، میر شب میر آب، میر ساماں، میرزا جیسا کہ کلیات صہبائی میں مرقوم ہے۔

عبد الملک بن مروان عبد الملک بن مروان کو بغداد کا خلیفہ بتایا ہے حالانکہ بغداد کی خلافت مروانیوں کے بعد بنی عباس سے شروع ہوئی ہے۔

ابحار بحر کی جمع ابحار بتائی ہے اور یہ صحیح نہیں اس کی جمع بحار، بحور اور ابحر ہے۔

رانا رانا لقب راجہ جے پور کا بتایا ہے اور یہ غلطی ہے یہ لقب والیان اودے پور ملک میواڑ کا ہے۔ ان کا یہ لقب رانا راہپ کے عہد سے مقرر ہوا ہے متاخرین کا مہارانا لقب قرار پایا اور والئ گوہد کا بھی رانا لقب تھا جس کی اولاد کے قبضے میں دھولپور کی ریاست ہے۔

طبرزد منتخب اللغات اور رسالہ معربات کے حوالے سے لکھا ہے کہ طبرزد طائے حطی و دال مہملہ کے ساتھ تبرزد کا معرب ہے حالانکہ ان کتب میں لفظ معرب کو ذال معجمہ کے ساتھ بتایا ہے۔

مولوی حکیم نجم الغنی خاں رام پوری نے اپنی ایک دوسری تصنیف نہج الادب میں غیاث اللغات پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے[1]:

" ایں کتاب در عصر ما بسبب استعمال بہ تحقیق حلیہ و معانی لغات ضروریہ کثیر الاستعمال عربیہ و فارسیہ و ترکیہ و کنایات و اصطلاحات و بیان بعض علوم و صحت اکثر الفاظ و محاورات کتب مروجہ نظم و نثر فارسی

---

[1] نہج الادب صفحہ ۹۲، ۹۳۔

ودیگر کتب طبیہ وغیرہ ایں زبان شہرتے گرفتہ کہ مافوقش متصور نیست ایں کتاب بسیار سہل عام فہم است ودر بعض جابرائے آسانی تفہیم اشکال ہم تحریر نمودہ وبنا بر سند تحت ہر لغت نام کتابے کہ آں لغت ازاں بہ تحقیق رسیدہ مرقوم کردہ مگر بعض جا ایں التزام ترک نیز شدہ است واختلاف واتفاق کتب ہم بیان ساختہ اما محتوی است بر امرسے چند کہ احتراز واجتناب ازاں لازم چنانچہ جائے کہ طول مطلب بود ایجاز مخل نمودہ وجائے کہ اختصار مقصود بود طول لاطائل فرمودہ وغلط معنی وتحریف وتصحیف نیز دراں موجود است چنانچہ از تحریفات وتصحیفات جیدہ او آں است :"

ان تحریفات وتصحیفات کے سلسلہ میں فاضل مؤلف نے مندرجہ بالا سات الفاظ کے علاوہ مندرجہ ذیل اور مثالیں پیش کی ہیں[1]

تیمور :- در لفظ تیمور گفتہ است کہ یائے واو خواندن نمی آید چرا کہ علامت کسرہ و ضمہ است ایں ہم بہ شہادت عجائب المقدور فی اخبار تیمور غلط است چہ مصنفش اصل نام آں بادشاہ تیمور بہ وزن ذی نور نگاشتہ است و تمر وغیرہ از تصرفات نگاشتہ۔

بابا کپور :- ہم از تصرفات اوست بابا کپور شخصے کہ فقیر بنگ نوش بود انتہی، مؤلف گوید شاہ عبدالغفور عرف شاہ کپور مجذوب از اولیائے کرام است و مزار فائض الانوار آں جناب در قلعہ گوالیار است در منتخب التواریخ مذکور است کہ از سادات حسینی بود در ابتدائے حال سپاہگری می کرد یکبار نوکری ترک کردہ بہ سقائی مشغول شد شبہا بہ خانہ عورات بیوہ مستورہ آب رسانیدے وخلائق را بے اجرت آب دادے آں کہ جذبہ رسید واز کاروبار

---

[1] نہج الادب صـ ۷۹۳ - ۷۹۵

مانده ترک اختیار کرده بطریق محاوره سخن نکردے و پیوستہ مستہلک بودے
وہمیشہ سرافگندہ در مراقبہ می گزرانید" شیخ فیضی تاریخ اور اکپور مجذوب یافتہ
جاجم بحوالہ برہان قاطع نوشتہ کہ جاجم لفظ ترکی ست و برہان ازیں تصریح
ساکت است

نوشادر از برہان نقل کردہ کہ نوشادر مرکب ست از نوش بمعنی تریاق و آدر
بمعنی آتش یعنی تریاقے ست کہ از میان آتش بہم می رسد ایں ہم افترا است
در برہان ازیں چیزے نیست ۔

غشر گاؤ بالفتح نوعے از گاؤ ست کہ از دم آں پرچم علم و مگس راں سازند و آں گاؤ
در کوہستان کہ مابین خطا و ہندوستان است بہم می رسد بہ ہندی آں را
سراگائے گویند بہ ضم سین مہلہ از صراح حالانکہ در صراح ازیں مضمون چیزے
نیست و آنچہ در صراح آمدہ ایں است مہاۃ گاؤ دشتی مہا بالقصر جمع مہات
کذلک در نفائس اللغات در ذیل سراگائے نوشتہ کہ بہ عربی آں را مہا بہ فتح
میم وہا بہ الف کشیدہ گویند صاحب منتخب اللغات ترجمہ مہا گاؤ وحشی کردہ
واز محیط اعظم مستفاد می شود کہ گاؤ وحشی اسم نیل گاؤ است کہ بہ فارسی نیلہ
گاؤ و بہ عربی بقر الوحش و بہ ہندی روجھ نامند فی الجملہ شبیہہ بہ گاؤ است و
شاخہائے آں بے شعبہ و مشابہت بہ گوزن ندارد ۔

مولوی حکیم نجم الغنی خاں ایک بات کی طرف اور اشارہ کرتے ہیں کہ :۔
"در بسیارے از لغات معانی لغوی را کہ وظیفہ ارباب لغت است فروگزاشتہ
ومعانی اصطلاحی را کہ موضوع فن غیر بود نگاشتہ مثلاً ۔

ذکوٰۃ در زکوٰۃ می گوید چہلم حصہ از مال کہ بعد از سالے در راہ خدا دہند و اقل درجہ
آں مال دوصد درم ست و معنی لغوی زکوٰۃ را نہ نوشتہ در نور الانوار گوید
"الزکوٰۃ معناہ فی اللغۃ النماء" در صراح گفتہ نمو بہ ضمتین گوالیدن
نماء بالمد مثلہ و گوالیدن بمعنی بالیدن ست پس زکوٰۃ در اصل لغت

بمعنی بالیدن است چنانچہ از قاموس وغیرہ نیز ہمیں مستفاد می شود۔
دیجور۔ در دیجور می نویسد کہ برہان بمعنی سیاہ و تاریک نوشتہ وقید شب نکردہ حالانکہ برہان می گوید دیجور بفتح اول بروزن طیفور، شبے را گویند کہ بغایت سیاہ و تاریک باشد۔

باز۔ در لفظ باز گوید کہ ہرچند لفظ باز بمعنی وقت ہنگام در لغت نیامدہ مگر در کتب درسی فارسی مثل ظہوری و ابوالفضل وغیرہ چند جا واقع شدہ چنانچہ بر متتبع متامل پوشیدہ نیست انتہی، حالانکہ لفظ باز بمعنی وقت و ہنگام در کتب لغت آمدہ است چنانچہ در بہار عجم مذکور ست ' باز جانور معروف و نیز بمعنی وقت و زماں چوں از اں باز چنانچہ دریں بیت میر معزی کمال دولت عالی ستودہ بود رضا کو را۔

نبود اندر ہنر ہمتاز آدم باز تا اکنوں

زیرہ کرمانی۔ زیرہ کرمانی را کہ علم زیرہ سیاہ است زیرہ کرماں نوشتہ و ایں خلاف ست

مہاراج۔ می گوید مہاراج بالفتح لقب بادشاہ زنگ و قیاس می خواہد کہ لقب سلاطین خلف باشد انتہی کلامہ ایں خلاف تحقیق است و صحیح آں ست کہ معنی مہراج بہ فتح میم راجہ بزرگ است یعنی شاہ بزرگ چہ مہ مخفف مہاست کہ بہ فتح میم وہا بہ الف کشیدہ و در لغت ہندی بمعنی بزرگ ست وراج در لغت ہندی بمعنی حاکم و عظمت و عزت باشد و ایں لفظ بر راجہائے ہند اطلاق می یابد و ہندوانِ واجب التعظیم را نیز مہراج می گویند[1] مہراج بکسر اول در مملکت ہندوستان بادشاہ بزرگ بودہ و دریں ولایت او را بہ منزلہ جمشید و فریدوں می شمردند و بلدہ بہار از ابنیہ اودہ راجہ پنگیو و تلنگ و ملابار از متابعانِ او بودند و مالچند

---

[1] ہر واجب التعظیم ہندو کو مہراج نہیں کہتے بلکہ صاحب ریاست کے علاوہ برہمنوں کو مہراج کہتے ہیں (ق)

سپہ سالار او بودہ مملکت مالوہ بہ اسم وے معروف ست و قلعہ گوالیار از بنا ہائے مالچند بود و در آخر عہد مہراج بہو برادرزادہ اش از ور نجیدہ بہ ایران آمد و بہ زابلستان و سند بود و گرشاسپ بہ حمایت او باسپاہ بزرگ بہ اذن ضحاک متوجہ شد و در پنجاب با مالچند سپہ سالار مہراج مقابلہ و مقاتلہ کردہ برا و مظفر شدہ ہندوستان رفتہ بالآخر مہراج بعض از بلاد را بہ برادر زادہ خود گزاشتہ با گرشاسپ مؤدت و مصالحت کردہ و در گرشاسپ نامہ حکیم اسدی طوسی مسطور ست چنانکہ گفتہ اندر

شہے بود در ہند مہراج نام — بزرگے بہر کار گستردہ نام
بہو نام خویشے بُدش در پناہ — بکروش بہ شہر سراندیپ شاہ
میان شان بناہ گاہ پیکار خاست — سپہ نیمہ ہر بہو گشت راست

مندرجہ بالا اعتراضات کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان میں بعض تو بالکل سطحی ہیں اور بعض وقیع ہیں، ایک شخص کی انفرادی کوشش سے یہ کتاب مرتب ہوئی پھر اس کی دوسری مصروفیات بھی تھیں لہٰذا بعض جگہ حوالہ رہ گیا کہیں کتاب کے نام میں بھی التباس ہو گیا ہے لہٰذا اس کی تمام محنت و سعی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔

٭

غالب سے معاصرین کی ادبی چھیڑ چھاڑ

مرزا غالب کلکتہ میں تقریباً پونے دو سال مقیم رہے، وہاں کی آب وہوا اور سبزہ زار وغیرہ ان کو خوب پسند آئے مگر مدرسہ عالیہ کلکتہ کی ادبی انجمن کے تحت منعقدہ مشاعروں سے جو ادبی ہنگامہ آرائی ہوئی۔ اس کا سلسلہ غالب کی آئندہ چالیس سالہ زندگی تک جاری رہا اور اس کا نقطہ عروج قاطع برہان کی ترتیب تھی جو انہوں نے ۱۸۵۷ء کے عزلت گزینی کے زمانے میں انجام دی، قاطع برہان اور برہان قاطع کی تائید و تردید کا یہ سلسلہ ان کی زندگی کے آخر دم تک چلتا رہا۔

فارسی شعروادب کا ذوق غالب کو مبداء فیاض نے بخشا تھا انہوں نے قدیم شعرائے فارسی کا کلام بغور پڑھا فارسی زبان وادب کی باریکیوں اور غوامض کو ذہن نشین کیا، ذہانت نکتہ آفرینی اور میلان طبع نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ مرزا غالب برصغیر پاک وہند کے فارسی شاعروں اور ادیبوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، کلکتہ کی ادبی ہنگامہ آرائیوں نے اس اختلاف کو نفرت میں بدل دیا۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کی ادبی انجمن کے تحت جو مشاعرے ہوئے وہاں غالب کے مندرجہ ذیل اشعار

جزوے از عالم واز ہمہ عالم بیشم — ہمچو موئے کہ بتاں را زمیاں برخیزد
شور اشکے بہ فشارِ بنِ مژگان دارم — طعنہ بر بے سروسامانیٔ طوفاں زدہ

خاص طور سے زیر بحث آئے[1] معترضین اجتہاد قتیل کو سند میں لائے۔ ان میں اکثریت قتیل کے حامیوں کی تھی مخالفین میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے دو مدرس مولوی عبدالقادر[2] اور مفتی کبیر احمد[3] کے نام بھی لئے جاتے ہیں[4] مولانا ابوالکلام آزاد نے مولوی وجاہت علی لکھنوی وجاہت شاگرد قتیل اور احمد علی گوپاموی وغیرہ کا بھی نام لیا ہے[5] بعض لوگوں نے مرزا غالب کا سب سے بڑا حریف مرزا امان علی خاں غالب عظیم آبادی کو بتایا ہے[6] جو قتیل کے شاگرد تھے[7] تعجب ہے کہ غالب کے یہاں یا دوسرے ہم عصر ماخذ میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

مرزا غالب کی طرف سے مدافعت کرنے والے نواب علی اکبر خاں طبا طبائی محمد محسن[8]، کفایت خاں (سفیر والی ہرات) اور مولوی عبدالکریم وغیرہ تھے۔

---

[1] غالب از مہر ص ۱۱۵ – ۱۱۷، غالب نامہ از محمد اکرام شیخ (لاہور ۱۹۳۶ء) ص ۱۷۱، ذکر غالب ص ۷۶

[2] مولوی عبدالقادر (کلکتوی) کو شیخ محمد اکرام نے مولوی عبدالقادر رام پوری (ف ۱۸۴۹ء) سمجھ لیا جو صحیح نہیں (ملاحظہ ہو غالب نامہ ص ۱۷۱)

[3] مالک رام کا خیال ہے کہ یہ احمد کبیر رامپوری (ف ۱۲۷۰ھ) تھے ذکر غالب ص ۷۸

[4] نگار رامپور فروری ۱۹۶۳ء ص ۱۰۲ بحوالہ ذکر غالب ص ۷۸

[5] نقش آزاد (مرتبہ غلام رسول مہر) (کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء) ص ۲۷۹

[6] غالب کا کلکتہ از پروفیسر حمید احمد خاں (ماہ نو کراچی، جنوری فروری ۱۹۶۹ء) ص ۵۵ غالب اور بنگال از وفا راشدی (ماہ نو کراچی، جنوری، فروری ۱۹۶۹ء) ص ۵۷

[7] مرزا امان علی خاں نام، غالب تخلص، وطن عظیم آباد، مرزا قتیل کے شاگرد تھے، فارسی میں شعر کہتے تھے، ہندو مذہب چھوڑ کر مشرف بہ اسلام ہوئے ایک مدت تک ڈپٹی کلکٹر رہے آخر میں کلکتہ میں سکونت اختیار کر لی تھی ملاحظہ ہو مسلم شعرائے بہار (حصہ سوم) از احمد اللہ ندوی۔ کراچی ۱۹۶۸ء) ص ۱۷۷

[8] غلام رسول مہر نے ان کا نام محمد حسن لکھا ہے "غالب" ص ۱۱۷

مرزا غالب نے محسوس کیا کہ اگر یہ ادبی ہنگامہ برپا رہا تو ان کے مقصد کو نقصان پہنچے گا۔ لہٰذا انھوں نے صلح وصفائی کی بنیاد ڈالی اور ایک مثنوی "بادِ مخالف" کے نام سے لکھ کر اس ہنگامے کو عارضی طور سے ختم کر دیا مگر ان کے دل میں جو گرہ پڑ گئی وہ باقی رہی اور آتشِ انتقام نے ان کو بے چین رکھا۔

برہانِ قاطع اور قاطع برہان کی تردید و تائید میں جس قدر لکھا گیا ہے اس پر مختلف حضرات نے شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے اور اس موضوع پر خاصا مواد مہیا ہو گیا ہے۔ یہاں ہم چند مزید ایسے واقعات کی نشاندہی کرتے ہیں جن میں ان کے ہم عصروں کے ساتھ مرزا غالب کی ادبی چھیڑ چھاڑ کا سراغ ملتا ہے۔

۱۔ امیر حسن خاں بسمل

کلکتہ انگریزی حکومت کا صدر مقام اور گورنر جنرل کا مستقر تھا۔ ہندوستان کی مختلف ریاستوں اور حکومتوں کے سفارتی نمائندے اور وکلا مستقل طور سے وہاں رہتے تھے شاہ اودھ غازی الدین حیدر (ف ۱۸۲۷ء) کی طرف سے ۱۲۴۱ھ میں مفتی خلیل الدین کاکوروی (ف ۱۲۸۱ھ) اس عہدے پر مقرر ہوئے۔ رجب ۱۲۴۳ھ میں شاہ نصیر الدین سریر آرائے حکومت ہوئے تو مفتی خلیل الدین کی جگہ عاشق علی خاں کاکوروی سفارت کے منصب پر فائز ہوئے ان کا تقرر ۱۴ رجب ۱۲۴۳ھ کو عمل میں آیا ان کے متعلق شاہ تراب علی قلندر لکھتے ہیں[1]

"عاشق علی خاں بہادر ... از حضور بادشاہ اودھ بدرجہ اعلیٰ رسیدہ مستغنی روزگار شد مرد فہمیدہ و سنجیدہ و مخیر ست در عہد دولت و اقتدار خود کسے را رنجیدہ نشدہ بلکہ حسب حال با یگانہ و بیگانہ خود

---

[1] کشف المتواری فی حال نظام الدین القاری۔ از تراب علی قلندر۔ (مرتبہ امجد علی علوی) از مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۰ھ: ص ۱۳۱

خدمت ہائے شائستہ کرد می کند از بدو عمر نصیبہ ور وبے شراست
دریں آخر عمر نہایت مزاج مائل بتصوف ست"۔

امیر عاشق علی خاں صاحب تصانیف تھے ذخیرۃ العقبیٰ فی فضائل ائمۃ الہدیٰ (مطبوعہ) اور (۲) کلمۃ الحق (۳) لفقدول (غیر مطبوعہ) ان سے یادگار ہیں۔ ۱۱ رمضان المبارک ۱۲۵۶ھ مطابق ۷ر نومبر ۱۸۴۰ء کو ان کا انتقال ہوا[۱]۔

مرزا غالب اور عاشق علی خاں سے نہ صرف تعارف تھا بلکہ مہر و وفا کے تعلقات تھے[۲]۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ جب مرزا کلکتہ پہنچے ہوں گے تو انہوں نے سرکاری اہل کاران اور ان مسلم زعماء سے ضرور تعلقات قائم کئے ہوں گے جو سرکاری حلقوں اور خاص طور سے گورنر جنرل کے دفاتر میں اعلیٰ مناصب پہ فائز تھے تاکہ ان کو اپنے مقصد کے حصول میں مدد مل سکے۔ عاشق علی خاں کے علاوہ کاکوری کے دو اور مشاہیر مفتی خلیل الدین خاں خاں (ر ۱۲۸۱ھ)[۳] اور مولوی مسیح الدین کاکوروی (ف ۱۲۹۹ھ)[۴] سے بھی غالب کے تعلقات تھے اول الذکر کے نام تو ان کا ایک خط پنج آہنگ میں شامل ہے جس میں انہوں نے اپنے مقدمے کے بعض نکات کی وضاحت کی ہے۔

عاشق علی خاں کے ساتھ تعلقات قائم ہونے کے بعد ان کے فرزند امیر حسن خاں بسمل سے بھی مرزا غالب کے تعلقات قائم ہو گئے۔ بسمل عربی و فارسی میں کامل استعداد رکھتے تھے اور "سر آمد سخن سنجان روزگار" سمجھے

---

[۱] تذکرہ مشاہیر کاکوروی از محمد علی حیدر، (لکھنؤ ۱۹۲۷ء) ص ۲۳۱

[۲] کلیات نثر غالب (لکھنؤ ۱۸۷۵ء) ص ۲۰۷ نامہ ہائے فارسی غالب مرتبہ سید اکبر علی ترمذی (غالب اکیڈمی دہلی نو ۱۹۶۹ء) ص ۴۶

[۳] حالات کے لئے تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۱۴۶ - ۱۵۱

[۴] ایضاً ص ۲۹۹ - ۳۰۳

جاتے تھے "شیخ غلام مینا ساحر کاکوروی[1] کے شاگرد تھے مؤلف صبح گلشن لکھتے ہیں[2]

"منشی امیر حسن خاں مرحوم ابن منشی عاشق علی خاں مغفور کاکوروی
کہ از ممتاز ان عہد نصیر الدین حیدر بادشاہ ملک اودھ است و
جامع صفات لاتحصیٰ ولاتعد شاگرد رشید غلام مینا ساحر کاکوروی
است و دستگاہش در نظم و فارسی وسیع است"

مؤلف مشاہیر کاکوروی لکھتے ہیں[3]

"قادر الکلام شاعر تھے اور شاعری اور نثاری دونوں میں سرآمد
سخن سنجان روزگار سمجھے جاتے تھے ... مرزا نوشہ غالب مرحوم
کے معاصر تھے ایک بار اُن سے چشمک بھی ہو گئی تھی"

مولف مشاہیر کاکوروی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں[4] کہ امیر حسن خاں بسمل نے شاعرانہ تعلّی میں مندرجہ ذیل شعر کہا۔

جملہ زاغ اند شاعرانِ جہاں لیک یک طوطی شکر خا من

کسی نے مرزا غالب کو یہ شعر سنایا تو انھوں نے جواب میں کہا۔

لاجرم می سزد کہ نکتہ وراں نام بسمل نہند ہیرا من

---

[1] شیخ فضل حق عرف غلام مینا ساحر، ابن شیخ فضل امام، شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں اکتساب فیض کیا، شاعری میں مصحفی سے تلمذ تھا۔ اپنے زمانے کے نامور استاد تھے۔ ۲۳ ذی قعدہ سنہ ۱۲۵۰ھ کو وفات پائی ملاحظہ ہو تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۳۰۸ - ۳۱۵، از محمد مظفر حسین صبا "روز روشن" (بھوپال ۱۲۹۷ھ) ص ۲۷۸، کشف المتوازی، ۱۴۲

[2] صبح گلشن از علی حسن خاں۔ بھوپال سنہ ۱۲۹۵ھ) ص ۶۴۲

[3] تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۵۱

[4] ایضاً ص ۵۲

طوطی کی رعایت سے پیراہن (طوطا) لائے ہیں۔

چشمک کے اس واقعے کے زمانہ کا تعین دشوار ہے اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ قیام کلکتہ کا نہیں ہے ورنہ کہیں نہ کہیں کوئی ذکر یا اشارہ ضرور ملتا، ہمارا خیال ہے بسمل کی طرف سے فارسی گویان ہند قتیلی و واقف وغیرہ کی ہم نوائی و تائید کو دخل ہوگا۔ کیونکہ مولف مشاہیر کاکوری لکھتے ہیں[1]

"ان (بسمل) کی تصنیفات سے ایک نسخہ پنج گلبن ہے جو غالب کے پنج آہنگ کا جواب ہے یہ ۱۲۶۰ھ میں تصنیف ہوئی۔ بہت عمدہ کتاب ہے۔"

امیر حسین بسمل سے مرزا غالب کے ایسے تعلقات تھے کہ اس نوک جھونک کے باوجود تجدید تعلقات کے لئے مرزا غالب ہی نے پہل کی انہوں نے نواب مظفر حسین خاں کو ایک مکتوب میں لکھا[2]

"چوں بکلکتہ رسیدہ اندچہ خوش باشد کہ دلنوازی و کارسازی را اساس استوار نہند و لا ابالی خرام عرصہ سخنوری یوسف معنی گستری البقلم غالیہ سائی و بہ نفس عطر فشاں شیوا زباں روشندلان امیر حسین خاں بسمل را بامن آشتی دہند زنگار آئینہ گراں نشین نیست کہ کف بزدودن تواں سود و خوشدلی درمیانہ ہم روئے نتواں نمود... یزداں داند کہ آں گفتار کہ ازاں سوبہ بیہدہ لافی وازیں سو در تلافی بمیاں آمد نہ پسندیدہ ام ودانم کہ دانا نہ پسندد۔"

بسمل کے والد سے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے مرزا غالب لکھتے ہیں[3]

---

[1] تذکرہ مشاہیر کاکوری

[2] ایضاً ص ۵۲

[3] کلیات نثر غالب ص ۲۰۷

"مہر و وفائے من با منشی عاشق علی خاں مغفور آں می خواہد کہ تا امیر حسن خاں را از جان دوست تر ندارم خود را از حق گزاراں نشمارم، ندانم ایں جواں مرد تند خو ناساز گار منش را چہ در سر افتاد کہ با من کہ پیر غم زدہ گوشہ نشینم بدیں بے مہری افتاد"۔

بداں معاملہ او بیدماغ و من بے دل خوش آنکہ معذرتی صرف بر ستم گردد

با آنکہ عذر از آں سومی بایست و مارا جز مہر و محبت آئین نیست، امید کہ آزارگی و مردمی دریغ ندارند و از گزشتہ درگزشتہ خوئے خود و خطائے دوستاں درگزارند"۔

غالب نے یہ خط عاشق علی خاں کے انتقال ۱۸۴۱ء کے بعد لکھا۔ ایک خط میں امیر حسن خاں کو لکھتے ہیں [1]

"امید کہ از یں پس بہ ہنجے مہر بندہ وفادار دلیقن سخن ہوادار نگارند و بہ یقین پندارند کہ فلانی را با دل یکی و زبان و دلش سر دو باماست"۔

اس خط میں غالب نے مولوی مسیح الدین خاں کاکوروی کو آداب بھی لکھا ہے۔

امیر حسن خاں بسمل نے اس خط کا جواب دیا اور خط کے عنوان پر یہ شعر لکھا [2]

اے شمع شرح داغ مپرس از دلم خموش سوزد کسے کہ گوش بریں داستاں دہد

اس کے بعد غالب نے ایک اور خط لکھا جس کا آغاز اس طرح کیا ہے [3]

"خاقانی پایہ صاحبا خسروی سرمایہ مطاعا نامۂ نامی نام آور چوں دولت دل خواہ کہ ناگاہ رسد ہم ناگاہ رسید و ہم دل خواہ آمد

---

[1] کلیات نثر غالب ص ۲۰۹

[2] تذکرہ مشاہیر کاکوری ص ۵۰

[3] کلیات نثر غالب ص ۲۰۹

ہمانا داد اندازہ شناسی، شکیب دادند و مزد انتظار پیش از انتظار فرستادند، زہے مشکبار نامہ و بہار کارنامہ

از روئے نگار دلکشا تر ❊ وز باد بہار جانفزا تر

بدیں ارزش اگر خود را نازم و بدیں شادی اگر بخت را ستایم ہم من بنازش ارزم و ہم بخت بہ ستائش آنکہ دریں نامہ خود را بہ سخن ستودہ اندگوئی با من از جہرہم زبان بودہ اند"

آخر میں غالبؔ لکھتے ہیں [1]

بتوام زندہ و نادیدہ سراپائے ترا ❊ بگمانم ز سراپائے تو کاں جانِ منت

شرط اسلام بود ورزش نامت بالغیب ❊ اے تو غائب ز نظر مہر تو ایمان منت

مؤلف تذکرہ مشاہیر کاکوری لکھتے ہیں کہ مرزا غالبؔ نے مندرجہ ذیل رباعی بھی ان کو لکھ کر بھیجی تھی [2]

گر پرورش مہر نہ زاں دل بودے ❊ در دہر شیوع مہر مشکل بودے

در صدق ز جملۂ رسائل بودے ❊ بسم اللہ آں رسالہ بسمل بودے

پنج گلبن کے علاوہ جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے میزان المعانی اور فارسی دیوان بھی ان سے یادگار ہے، تذکرہ مشاہیر کاکوری میں بسملؔ کے فارسی کلام کا نمونہ شامل ہے [3]

امیر حسن خاں بسملؔ ۲۷ رمضان ۱۲۶۳ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۸۴۷ء کو کلکتہ میں فوت ہوئے اور سیالدہ اسٹیشن کے قریب تدفین عمل میں آئی [4]

---

[1] کلیات نثر غالبؔ ص ۲۰۹

[2] تذکرہ مشاہیر کاکوری، ص ۵۲ مرزا کی یہ رباعی ان کی کلیات میں بھی ہے۔

[3] ایضاً ص ۵۳ ۔ ۵۵

[4] ایضاً ص ۵۵

(۲) خلیفہ احمد علی احمد

خلیفہ شیخ احمد علی نام احمد تخلص، باپ کا نام شیخ نادر علی تھا۔ تقریباً انیسویں صدی عیسوی کے پہلے عشرے میں پیدا ہوئے۔[۱] فارسی کی تحصیل رام پور کے مشہور اساتذہ مولوی عنبر شاہ خاں آشفتہ (ف ۱۲۳۹ھ)[۲] اور کبیر خاں تسلیم[۳] (ف ۱۲۵۱ھ) سے پائی اور دیگر علوم متداولہ کی تحصیل رامپور کے دوسرے علماء سے کی۔ فارسی زبان وادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ حافظ احمد علی خاں شوق رامپوری لکھتے ہیں[۴]

"خلیفہ (احمد علی) کہا کرتے تھے کہ فارسی کے لطف نے عربی چھڑا دی۔"

مولانا عرشی رقمطراز ہیں[۵]

"ادبیات فارسی کے ذوق نے خلیفہ صاحب کو عربی علوم کے لطائف کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا اور ان کی ساری عمر شیراز و شروان ہی کے مرغزاروں میں گزر گئی۔"

---

[۱] حافظ احمد علی خاں شوق نے خلیفہ احمد علی کا انتقال نوے سال کی عمر میں ۱۳۰۹ھ میں لکھا ہے (تذکرہ کاملان رام پور، دہلی ۱۹۲۹ء ص ۲۴۲) اسی بنا پر مولانا عرشی نے ان کا سال پیدائش ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء قرار دیا ہے (مکاتیب غالب ص ۱۱۴) مگر منشی امیر احمد مینائی نے اپنے "تذکرہ" "انتخاب یادگار" کی تدوین (۱۲۹۰ھ) کے وقت ان کی عمر پینسٹھ سال بتائی ہے۔ (انتخاب یادگار، لکھنؤ ۱۲۹۰ھ ص ۱۹۴) اس طرح ان کا سال پیدائش ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء قرار پاتا ہے۔

[۲] ملاحظہ ہو انتخاب یادگار، تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۷۱-۲۷۸۔

[۳] ملاحظہ ہو انتخاب یادگار ص ۹۵ و تذکرہ کاملان رام پور ۳۲۸-۳۲۹

[۴] تذکرہ کاملان رام پور ص ۲۴

[۵] انتخاب یادگار ص ۱۱۴

خلیفہ احمد علی کی وجہ سے رام پور میں فارسی زبان وادب کو خوب ترقی ہوئی رام پور میں ان کے سینکڑوں نامور شاگرد موجود تھے ، نواب یوسف علی خاں (ف ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء) اور نواب کلب علی خاں (ف ۱۳۰۴ھ / ۱۸۸۷ء) بھی ان کے حلقۂ تلمذ سے وابستہ تھے خلیفہ صاحب نہایت نیک اور سادہ مزاج اور درسی کتابوں کے پڑھانے میں بے مثل و بے نظیر تھے ۔ منشی امیر احمد مینائی لکھتے ہیں [۱]

"فارسی کے استاد ہیں بڑے ذی استعداد ہیں جملہ کتب درسیہ فارسی پر عبور ہے نام نامی ان کا دور تک مشہور ہے ... سینکڑوں آدمی ان سے مستفید ہیں ۔"

کبھی کبھی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے منشی امیر احمد مینائی نے بطور نمونہ تین شعر انتخاب یادگار میں نقل کئے ہیں ۲۹ رمضان ۱۳۰۹ھ مطابق ۲۸ اپریل ۱۸۹۲ء بروز پنجشنبہ انتقال ہوا [۲]

جب مرزا غالب رام پور آئے تو خلیفہ احمد علی سے بھی ملاقات ہوئی خلیفہ صاحب نے عرفی کے کلام پر نکتہ چینی کی اور مندرجہ ذیل دو شعر زیر بحث آئے [۳]

ساکتم ایں نغمہ تا در نیم شب — ہمرہ مرغ سحر خواں می زنم
شاہدی کو کہ یک نفس گوشی — بدل درد پرور اندازد

خلیفہ صاحب نے نصف شب کو مرغ سحر خواں کے ہم آواز ہونے اور دوسرے شعر میں گوش انداختن کی ترکیب پر اعتراض کیا ۔ یہ گفتگو پہلی نشست میں ناتمام رہی اور طے پایا کہ خلیفہ صاحب رات کو آکر گفتگو کریں گے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب کسی وجہ سے پہنچ نہ سکے لہٰذا غالب نے اپنے دلائل

---

[۱] انتخاب یادگار ص ۹

[۲] تذکرہ کاملان رام پور

[۳] مکاتیب غالب ص ۱۱۴

ایک خط میں لکھ کر بھیج دیئے جس کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے [۱]

"ہر چند "سحر" اور "صبح" بطریق مجاز بعد نصف شب سے صبح تک مستعمل ہے۔ طعام آخر شب کو "سحری" اور "سحر گہی" کہتے ہیں اور مرغانِ خوش آواز، کہ بلبل بھی ان میں ہے، اکثر پہر سوا پہر رات سے بولتے ہیں، نصف شب کو مرغ سحر خواں کا ہم آواز ہونا محل اعتراض نہیں ہے۔

"گوش کا استعمال "انداختن" کے ساتھ اگر شعرائے ہند کے کلام میں آیا ہوتا تو ہم اس کی سند اہل زبان کے کلام سے ڈھونڈتے، جب وہ خود عرفی نے لکھا ہے تو ہم سند اور کہاں سے لائیں؟ قواعدِ زبان فارسی کا ماخذ تو ان حضرات کا کلام ہے جب ہم انہیں کے قول پر اعتراض کریں گے تو اس اعتراض کے واسطے قاعدہ کہاں سے لائیں گے" [۲]

حافظ احمد علی خاں شوق لکھتے ہیں کہ مندرجہ ذیل شعر بھی خلیفہ احمد علی رام پوری اور مرزا غالب کے درمیان وجہ نزاع رہا [۳]

منکہ با شمع عقل کل را ناوک انداز ادب ۔۔۔ مرغ توصیف تو از اوج بیاں انداختہ

مولانا عرشی لکھتے ہیں کہ مرزا غالب کے خط میں تو اس کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے اس کی صرف یہی تاویل ہو سکتی ہے کہ۔ مذکورہ بالا دو شعروں کے ساتھ یہ شعر بھی زیر بحث آیا ہو [۴] مرزا غالب نے سنین فارسیہ کا اجمالی حال بھی ایک دو ورق

---

[۱] مکاتیب غالب ۴ ۱۱۵

[۲] تذکرہ کاملان رام پور

[۳] مکاتیب غالب ۴ ۱۱۵

[۴] تذکرہ کاملان رام پور

[۵] مکاتیب غالب ۔ ۴ ۱۱۵

پر لکھ کر بنظر اصلاح خلیفہ صاحب کو بھیجا تھا۔

۳۔ مولوی علی بخش شررؔ

مولوی علی بخش شرر بن سلطان بخش ۱۲۳۷ھ میں بدایوں میں پیدا ہوئے "خاندان بخش" کے نامور رکن اور مشہور عالم تھے۔ مولانا فیض احمد بدایونی[۵] کے شاگرد اور مولوی عبدالمجید بدایونی (ف ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۶ء) کے مرید با اخلاص تھے انگریزی سرکار کی طرف سے صدر الصدور رہے تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی رکھتے تھے۔ سرسید احمد خاں کے سخت مخالف تھے ان کے رد میں کئی رسالے لکھے" شہاب ثاقب" اور " تائید الاسلام" اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، ان کے علاوہ تنقیح المسائل" اور " برق خاطف" بھی ان کی تصانیف ہیں۔ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۴ء میں ان کا انتقال ہوا " سید الحاج در بہشت رسید" سے تاریخ انتقال نکلتی ہے[۶]

شررؔ کو شعر و شاعری کا ذوق تھا لکھنوی اساتذہ کے رنگ میں کہتے تھے لیکن اپنے مرشد کے ایماء پر عشقیہ شاعری ترک کر کے نعت کہنے لگے۔ ان کا دیوان اسعد الاخبار آگرہ سے ۱۲۶۹ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اپنے مضمون میں ایک قلمی مجموعہ سے اقتباس دیا ہے۔ شاعری کے متعلق پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں[۷]

---

[۵] حالات کے لئے دیکھئے مولانا فیض احمد بدایونی از محمد ایوب قادری۔ (پاک اکیڈیمی، کراچی ۱۹۵۷ء)

[۶] ملاحظہ ہو، تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) ص ۴۴۲، اکمل التاریخ (حصہ اول) از محمد یعقوب ضیاء القادری بدایون ۱۹۱۵ء ص ۹۶، نئے اور پرانے چراغ۔ آل احمد سرور (کراچی ۱۹۵۱ء) ص ۱۱۶، ۱۲۷، عین الانسان از علی احمد محمود اللہ (دکٹوریہ پریس بدایوں) ص ۴۷، ۴۸، خم خانہ جاوید از لالہ سری رام جلد چہارم (دہلی ۱۹۲۶ء) ص ۴۹۸

[۷] نئے اور پرانے چراغ ص ۱۲۷

"کلام کا عام رنگ اس زمانے کا سا ہے یعنی ناسخ کی رعایت لفظی ذوق کے محاورے، جرأت کی معاملہ بندی شاہ نصیر کی مشکل ردیفیں سب کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے اشعار صاف اور سادے ہیں اور ان میں تغزل کی جھلک بھی نظر آتی ہے"۔

مرزا غالبؔ سے تعلقات کے سلسلے میں مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری لکھتے ہیں [۱]

"مرزا غالبؔ سے ہمیشہ شاعری میں چھیڑ چھاڑ رہی"

پروفیسر آل احمد سرور اس سلسلے میں رقمطراز ہیں [۲]

"یہ بات قابل غور ہے کہ اکثر غزلوں پر ہم طرح غزلیں ملتی ہیں مصنف اکمل التاریخ نے لکھا ہے کہ مرزا غالبؔ سے ہمیشہ شاعری میں چھیڑ چھاڑ رہی اس کا کوئی اور ثبوت نہیں مل سکتا (کذا) مگر غالبؔ کی غزلوں سے بہت پھیکی ہیں۔ ان میں ذوق کا رنگ زیادہ ہے"۔

مؤلف اکمل التاریخ ضیاء القادری صاحب نوے سال کے پیٹے میں ہیں۔ ہم نے ان کی خدمت میں اس اجمال کی شرح چاہی تو انہوں نے فرمایا [۳]

"نوے سال کو پہنچ چکا ہوں حواس مختل ہو گئے ہیں دکھائی اور سنائی نہیں دیتا۔ حافظہ کب کا ساتھ چھوڑ چکا ہے۔ اکمل التاریخ کو چھپے ہوئے پچپن سال کے قریب ہو گئے۔ اب مجھے کوئی تفصیل یاد نہیں ہے کتاب لکھنے کے زمانے میں مدرسہ قادریہ کا سارا کتب خانہ میرے سامنے تھا۔ مولوی علی بخش مرحوم و مغفور کے خاندان کے ذخائر تک بھی رسائی تھی کچھ قلمی مواد مولوی حامد بخش مرحوم اور مولوی

---

[۱] اکمل التاریخ (حصہ اول) ص ۶۶

[۲] نئے اور پرانے چراغ ص ۱۲۶

[۳] مکتوب ضیاء القادری بنام راقم الحروف مورخہ ۳ فروری ۱۹۶۹ء

سراج الحق صاحب کے یہاں کا بھی تھا۔ اس ذخیرے میں کہیں یہ بات بھی لکھی تھی کہ مرزا غالب اور مولوی علی بخش شرر سے شعر و شاعری میں چشمک اور چھیڑ چھاڑ رہتی تھی۔ میں نے متعدد غزلیں غالب کی زمین میں ان کے دیوان میں دیکھی تھیں۔ ان کا مطبوعہ دیوان میرے سامنے رہا تھا۔"

غرض اس چھیڑ چھاڑ کی نوعیت اور تفصیل کا سراغ نہیں ملتا مگر یہ حقیقت ہے کہ مولوی علی بخش شرر خود کو غالب کا مد مقابل سمجھتے تھے اور ان کے جواب میں ہم ردیف و ہم قافیہ غزلیں لکھتے تھے۔ پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں [1]

"عشقیہ دیوان کے علاوہ آپ (شرر) کے چار نعتیہ دیوان بھی ہیں مگر یہ انہوں نے اپنے بھتیجے مولوی حامد بخش کے نام سے چھپوا دیئے ہیں اور اس میں حامد تخلص رکھا ہے۔ یہ نئی بات نہیں ہے اور بھی بہت سی مثالیں اس قسم کی ملتی ہیں۔ نعت میں یہ رنگ زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور بعض اشعار محسن کاکوروی کے پائے کے ہیں۔"

نعتیہ دیوان "گلزار نظم حامد" مطبوعہ مطبع نسیم سحر بدایوں ۱۳۰۱ھ ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں اکثر غزلیں غالب کی غزلوں کے جواب میں ہم ردیف و ہم قافیہ لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک واقعہ اور قابل ذکر ہے۔ جس سے اس چھیڑ چھاڑ کے خیال کو اور تقویت پہنچتی ہے، مرزا غالب کلکتہ گئے تو مولوی کرم حسین بلگرامی نے اپنے ہاتھ پر چکنی ڈلی رکھ کر کچھ اشعار کہنے کی فرمائش کی جس پر مرزا غالب نے ایک دلچسپ قطعہ کہا جس کا پہلا شعر ہے۔

ہے جو صاحب کے کفِ دست پہ یہ چکنی ڈلی
زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہئے

---

[1] دیوان غالب اردو (نسخہ عرشی) (علی گڑھ ۱۹۵۸ء) ص ۲۲۲ - ۲۲۳

اسی زمین میں مولوی علی بخش شررؔ بدایونی نے ایک پیچوان کی رسید لکھی ہے جو درج ذیل ہے[1]

پیچواں حقہ عنایت جو کیا حضرت نے — جگر و دل میں یہ جھگڑا ہے اسے کیا کہیے
قبۂ عرش معلیٰ کے مشابہ لکھیے — اور لطافت میں مہ و مہر سے مانا کہیے
برج سے دلو کے گر وضع میں دیجیے تشبیہ — روشنی میں بھی اسے عقد ثریا کہیے
سر و گردن سے پری زاد کے نسبت دیجیے — زاہدوں کا دل پر نور و مصفا کہیے
کان سے زہرہ کے بجلی ہے مگر ٹوٹ پڑی — یا نئی وضع کا تابندہ ستارا کہیے
باغ فردوس کا، اس کو گل شبو لکھیے — یا ہئی نقرۂ جنت کی ہے شہنا کہیے
کوزہ ہائے لب کوثر کے مشابہ لکھیے — وضع میں اس کو نہ کیوں شیشۂ صہبا کہیے
آب حیواں کے یہ بھرنے کی صراحی ہے مگر — حضرت خضر کی تسبیح کا ثمسا کہیے
اور اس نیچے کو تشبیہ میں لکھیے رگ جاں — حلقۂ زلف حسینانِ خود آراد کہیے
حقے کو لکھیے اگر ماہ شب چار دہم — نیچے کو دیکھتے ہی، چاند کا ہالا کہیے
مار، کنڈلی میں لیے بیٹھا ہے مہرہ اپنا — ہے بجا، اگر اسے دم دار ستارا کہیے
گوہر گوش حسیناں جو کہا حقے کو — حلقہ نیچے کا نہ کیوں کان کا بالا کہیے
مار سے نیچے یہ جو ہے کام یہ زر دوزی کا — کہکشاں سے بھی نہ کیوں رتبہ اعلا کہیے
دور یہ اس کے تو گردوں بھی بلا گرداں ہے — کہیے گر قوس قزح، تو بھی نہ بیجا کہیے
خم کو نیچے کے ہے محراب حرم سے تشبیہ — خم ابروئے شگرفان خود آرا کہیے
حلقے میں نیچے کے چمکے ہے جو دو دو روشن — چاہ نخشب ہیں مگر چاند کا جلوا کہیے
حلقۂ زلف میں ہے روئے حسیناں کی چمک — یا کہ قندیل اسے محراب حرم کا کہیے
ہے مناسب اسے لکھیے جو شہاب ثاقب — یا رگ جاں سے ملا قلب مجلا کہیے
نَے کو دیکھو تو ہے اک زاہد لاغر کی مثال — ذکر حق کو نہ کیوں اس کا وظیفا کہیے

---

[1] دیوان غالب اردو (نسخۂ عرشی) (علی گڑھ ۱۹۵۸ء) ص ۲۲۲، ۲۲۳

یا اسے قد حسیناں کے مشابہ لکھئے | غیرت سرو و خجلت دہ طوبا کہئے
آتش گل سے جو اس نے یہ چمکتی ہے چلم | ساتھ موسیٰ کے ضیائے ید بیضا کہئے
طور سے حقّے کو تشبیہہ چمک میں دیجئے | پھر چلم اس کی نہ کیوں برق تجلا کہئے
ایک نیزے پہ ہے خورشید قیامت چمکا | سرو پہ یا کہ بہار گل لالہ کہئے
گبر اس نے کو سمجھتے ہیں کہ ہے نار پرست | کیوں نہ پھر حقّے کو ناقوس کلیسا کہئے
دار کی شکل ہے نے حقّہ کہے ہے حق حق | مثل منصور نہ کیوں حقّے کا رتبا کہئے
دم میں دم آئے ہے جو شخص ہو اس کا ہمدم | دم کو اس کے مگر انفاس مسیحا کہئے
گوش غلماں کا تو آویزہ یہ حقّہ ہے سر | نیچے کو رشک وہ گیسوئے حورا کہئے

۴۔ مولوی ہدایت علی تمکین

مولوی ہدایت علی قصبہ کندرکی ضلع مراد آباد کے باشندے تھے۔ عربی کے عالم فارسی کے ادیب و انشاپرداز اور صاحب دیوان شاعر تھے تمکین تخلص تھا۔ فارسی میں شعر کہتے تھے۔ سرکار انگریزی میں منصف رہے۔ پنشن لینے کے بعد کندرکی ہی میں رہتے تھے اور شعر و ادب سے دل بہلاتے تھے۔ انہوں نے فارسی شعراء کے کلام کا انتخاب چار جلدوں میں کیا ہے اور اس انتخاب کا نام "ہدایت الشعراء" رکھا ہے اس انتخاب میں انہوں نے یہ التزام رکھا ہے کہ مشہور فارسی جملوں، محاوروں اور مخصوص طرز ادا کے متعلق فارسی اساتذہ نے جو اشعار لکھے ہیں اور استعارے اور تشبیہات استعمال کی ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ تمکین کا نمونہ کلام ملاحظہ ہو[1]

رنگ و بو باز و گل و گلزار پیش روئے تو | نیست بیجا یار گر رشک چمن گوییم ترا
گرچہ صائب غزلے گفت ازیں بہ تمکیں | غزلے بہتر ازیں در ہمہ دیوان تو نیست
برزمین از دود آہم آسمان دیگر ست | از غبار خاطر من سایہ بان دیگر ست

---

[1] ملاحظہ ہو اعمال نامہ از سر رضا علی (دہلی ۱۹۴۳ء)

قاصدش پیغام صلح آورد و من بوسم لبش، زانکہ ایں پیغام شیریں از زبان دیگریست
آں صید خلق گردد و ما صید چشم تو نسبت چناں دہیم بہ چشمت غزال را

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ چودھری عبدالغفور مارہروی نے کسی معاملہ میں ہدایت علی تمکین کا حوالہ بطور سند دے دیا تھا اور تمکین ہندی نژاد تھے۔ ممکن ہے تمکین کا مرزا قتیل یا مولف غیاث اللغات سے بھی کسی نوع کا تعلق ہو لہٰذا مرزا غالب نے تمکین کی خوب بھد اڑائی۔ چنانچہ مرزا غالب لکھتے ہیں [1]

"مولوی ہدایت علی تمکین کا آج تک میں نے نام نہیں سنا تھا۔ چھپے ہوئے رستم ہیں۔ صائب اگرچہ اصفہانی نژاد تھا وارد شاہجہان آباد تھا۔ انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب لچ فارسی بولتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ۔"

مرزا غالب نے تمکین کے ساتھ صائب کی بھی خبر لی۔

۵۔ احسن بلگرامی

محمد احسن بن محمد احمد صدیقی، اودھ کے مشہور مردم خیز قصبہ بلگرام میں پیدا ہوئے (۱۲۴۴ھ)۔ صفی پور (ضلع اناؤ) میں سکونت اختیار کر لی تھی، ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور پھر لکھنؤ سے فراغ حاصل کیا، فارسی زبان وادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز اور گل محمد ناطق مکرانی کے شاگرد تھے، احسن تخلص تھا۔ کچھ مدت نواب مختار الملک مدارالمہام حیدرآباد دکن کی سرکار سے بھی وابستہ رہے، بھوپال میں نواب صدیق حسن خاں کے صاحبزادوں کی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں کے یہاں ہر ماہ کے اختتام پر ایک مجلس مشاعرہ منعقد

---

[1] تلامذہ غالب، ص ۲۶۵

ہوتی تھی جس میں ممتاز و مخصوص شعرا شرکت کرتے تھے، ان میں احسن بلگرامی بھی تھے [1] نواب علی حسن خاں لکھتے ہیں [2]

"بموجب طلب حضرت والدی دام ظلہم از آنجا (حیدر آباد دکن) رخت بر داشت و در دارالاقبال بھوپال قدم گزاشت و بتعلیم نامہ نگار و جناب برادر صاحب عالی مقدار (نواب نور الحسن) توجہ گماشت۔"

احسن بلگرامی نے فارسی زبان و بیان سے متعلق چند وقیع تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جن میں ارتنگ فرہنگ، کارنامہ فرہنگ، صحیفہ شاہجہانی اور اسرار احسن خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر فارسی انشاپردازی کی تعلیم کے لئے نہایت موزوں اور مفید کتاب ہے۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں [3]

"بعبارت عام فہم ایں رسالہ است محتوی تعلیم حکمی سہ فن بہر زبان کہ باشد یکے نثر بہر طرز و روش کہ خواہند، دوم کارگزاری بداں پایہ کہ در ابتدائے علاقہ ہر کار تحریر کہ باشد صورت کمال انتہا نماید، سوم شاعری اختیاری یعنی عام مضمون تازہ بے زحمت فکر ہر آں زیر قلم وزیر نگیں باشد۔"

اس زمانے میں بڑی حد تک ریاستوں میں دفتری کام فارسی زبان میں ہوتا تھا، لہذا دفتری مراسلات اور کارگزاریوں کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید تھا۔ اس رسالے "اسرار احسن" کی ترتیب اور احسن بلگرامی کے طریقۂ تعلیم کو غالب نے سراہا اور اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا، بلکہ غالب نے ان کی دستگاہ اور قابلیت

---

[1] مآثر صدیقی، جلد چہارم، از نواب علی حسن خاں (نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۲ء) ص ۱۹۵

[2] بزم سخن از نواب علی حسن خاں (مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ) ص ۱۵

[3] اسرار احسن از محمد احسن بلگرامی (قومی پریس لکھنؤ ۱۹۰۴ء) ص ۲

سے متاثر ہو کر ان کے مشاہرے میں ترقی کی سفارش کی، چنانچہ احسن لکھتے ہیں [1]

"چوں بہ تعلیم ہمشیرزادہ مولوی سمیع اللہ خاں صاحب دہلوی کہ امروز بصدر الصدوری علی گڑھ مامور و کامور ہستند، چاکر شدم تنے چند از واردان دولت کدہ شاں کہ از ایشاں یکے از اعزہ مرزا غالب دہلوی بودہ اند۔ اولیں مسودہ کہ بخواہرزادہ ممدوح نویسانیدم بے اطلاع من پیش مرزا غالب رواں داشتند۔ مرزا بجواب آں سلام شوق بمن و ورائی ستائش مسودہ بآں فرستدگان مسودہ نگار کرد کہ خدا را مولوی صاحب را دریں تعطیل انگیزی کہ نزدیک است بالضرور بدہلی آوردن است و نیز چوں مرزا دریافت کہ فلانے یعنی فقیر ہمگی پانزدہ روپیہ از علاقہ چاکری مولوی سمیع اللہ خاں صاحب می یابد آگہی نداد ندش کہ چہل روپیہ دیگر از تعلقہائے دیگر می یابد بہ معزی الیہم بر نگاشت کہ برائے مولوی صاحب چاکری پنجاہ روپیہ ماہانہ ورائی خورش بجائی قرار دادہ ام کہ سخن شناس است و قدر داں"۔

اس کے بعد مرزا نے اپنے کسی اکبر آبادی شاگرد کے خط میں احسن بلگرامی کو سلام شوق لکھا، اس کا یہ اثر ہوا کہ غالب کے حلقہ تلامذہ میں احسن کی پذیرائی شروع ہو گئی۔ احسن لکھتے ہیں [2]

زیں تحریر پیش از دو ہفتہ نگزشتہ بود کہ مرزا در نامہ موسومہ یکے از تلامذہ خویش باز ہم چناں سلام شوق با وعدہ احسان بنام برنگاشت و بعد ظہور ایں معاملہ بعضے از شاگردان مرزا شیرینی مرسوم پیش فقیر آوردند و بتلمذ فقیر بافشردند۔ چنانچہ از جملہ آناں بودند حافظ

---

[1] اسرار احسن، ص ۴۳

[2] اسرار احسن ص ۴۳

مصلح الدین منصور تخلص ساکن لوہا منڈی کہ از محلات اکبرآباد ست ہر کہ خواہد دریابد۔"

غالب کی اس ہمت افزائی اور قدر دانی سے احسن کو بھی ملاقات کا اشتیاق ہوا، مگر عظیم آباد کا سفر در پیش آجانے کی وجہ سے ان کو ملاقات کا موقع بہم نہ پہنچ سکا چنانچہ لکھتے ہیں [1]

"شوق دیدار مرزا دل بعزم دہلی داشتم کہ ناگاہ اہل مشرق کمندے بگردنم انداختند و بہ عظیم آباد رسانند۔"

بعض لوگوں نے احسن بلگرامی کے کلام کو مرزا غالب کے پاس بھیجا۔ مرزا نے اس میں اصلاح کی کوئی گنجائش نہ پائی اور ان کو بھیج دیا اور اس کے بھیجنے والوں کو ایک گونہ شرمندگی ہوئی۔ احسن بلگرامی لکھتے ہیں [2]

"تنے چند دیگر کہ بقواعد ایں نقشہا غزلہا بر طرازند و باغوائے حسودان پیش اسد اللہ خاں غالب دہلوی رواں داشتند و چوں غزلہا بے اصلاح ہم چناں واپس آمد پیش فقیر آمدند و عذرہا خواستند و عہد کردند کہ دگر گرد چنیں کردار نخواہیم گشت ہر کہ خواہد از خود شاں دریابد"

غالب نے عود ہندی میں ایک موقع پہ اشارتاً اور دوسرے موقع پہ صراحتاً بیدل پہ تعریض کی تھی [3] یہ بات احسن بلگرامی کو پسند نہ آئی اور انہوں نے اس سلسلے میں اپنے قلم کو حرکت دی۔ چنانچہ لکھتے ہیں: [4]

"ہمچناں غالب دہلوی در عود ہندی ہجو حضرت مرزا بیدل علیہ الرحمۃ رقم

---

[1] اسرار احسن، ص ۴

[2] اسرار احسن، ص ۵

[3] خطوط غالب، جلد دوم (مرتبہ غلام رسول مہر) ص ۲۳۹

[4] اسرار احسن، ص ۵

کردہ است و تبحر حضرت بیدل روشن تر از آفتابست، وجہ حقیقت آں ہجا گو از انشائے صحیفہ شاہجہانی دریا بند کہ پارہ از آں بحکم ضرورت جواب گذاری از جانب حضرت بیدل در یکے از رقعاتش رقم کردہ ام"

(۶) شعری کشمیری

خواجہ ابو محمد حسن شعری[1] ابن خواجہ صدر الدین بخ ۱۲۲۳ھ میں سری نگر میں پیدا ہوئے، وہ ایک علمی خانوادے کے فرد تھے۔ ان کے بھائی حافظ محمد مشتری (ف ۱۲۴۹ھ) اور چچا حبیب اللہ عنقا بھی شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ سکھوں کی چیرہ دستیوں کی بنا پر کشمیر کو خیرباد کہہ کر امرتسر میں طرح اقامت ڈالی۔ مختلف دیار و امصار کی سیاحت بھی کی، ایک موقع پر دہلی پہنچے۔ بہادر شاہ ظفر قلعہ دہلی میں رونق افروز تھے، مفتی صدر الدین آزردہ، صہبائی، مومن اور مولوی عبداللہ خاں علوی جیسے اساتذہ سخن دہلی میں موجود تھے۔ مفتی صدر الدین آزردہ کے توسط سے شعری نے غالب سے ملاقات کی، شعر و شاعری کا ذکر و اذکار رہا، یہاں تک کہ مجلس مشاعرہ منعقد ہوئی اور پھر آپس میں شاعرانہ نوک جھوک بھی رہی۔ اس داستان کو شعری کے دیوان "مرأت خیال" کے مقدمہ نگار کے قلم سے سنیے:[2]

"بوجہ ہم قومی مہماں خواجہ صدر الدین صدر الصدور آزردہ گردید کہ روزے ہمراہش بر مکان دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب برد بعد از چنیں و چناں مرزا گفت کہ اگر جناب شاعر اند بر مصرع:

---

[1] شعری کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: مرأت خیال (دیوان شعری) مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۳۰۴ھ، ص ب تا ط۔ نیز دیکھیے: "کشمیر کی فارسی شاعری" از مولوی محمد عبداللہ قریشی (ادبی دنیا، لاہور، کشمیر نمبر، مارچ و اپریل ۱۹۶۶ء) ص ۲۴۱ - ۲۴۳

[2] مرأت خیال، ص ہ - و

باز ماندم خود وگرنہ در برویم باز بود

طبع آزمایند، شعری گفت شاعر نیستم اما نچہ توانم بیارم، چنانچہ غزلے بدیہ آورد من بعد مصرع:

ندانم از کجا ایں جوش شادابی ست مینا را

طرح مشاعرہ انداخت۔ صہبائیؔ و مومنؔ و غالبؔ وعلوی مع اشتغال طبع آزمودند از اسد اللہ غالبؔ است:

نمی بینیم در عالم نشاط کا سماں مارا

چوں نور از چشم نابیناز ساغر رفت مینارا

ہر یک کرت بعد مرۃ داد سخنوری داد، مشاعرہ قریب الاختتام بود کہ صدر الصدور راز غریب الوطن ارمغاں خواست پیش کش کرد۔

جنونے کو کہ دست از آستیں بیروں نہد پارا

زند چاکے بجیب و خوش کند داماں صحرا را

بہر شعر مرا احسنت رفت تا آنکہ صہبائیؔ امام بخش بود و مومنؔ مقتدی مگر شیر بیشہ عالی دماغی غالبؔ علی کل غالب در نیستاں آتش رشک سوخت تلامذہ اش مستدعی طرح دیگر شدند وبہ مشاعرہ دوم غالبؔ بطرح گفت:

سپردم دوزخ و آں داغ ہائے سینہ تابش را

سرابے بود در رہ تشنۂ برق عتابش را

بہ پیدائی حجاب جلوہ ساماں کردنش نازم

کف صہبا ست گوئی پنبہ مینا ے شرابش را

ایں غزل مملو مطاعن آتش صہبائیؔ بجوش آورد وصدر الصدور را آزردہ ساخت ہنوز فرونشدہ کہ کرت شعری درست در دھن نمود بالآخر محاکمہ بجا دلہ رسید بالغ الکلام را دو صنف شد۔ جمعے جنب غالبؔ گرفتند وبرخے جانب غالبؔ، بلا مغالطہ نتیجہ قضیہ نظری بدیہی شد۔ صہبائیؔ جام طرح بدور آورد، آوارہ وطن آنچہ گفت بدیوان

است نوشتہ نتوانست۔ شقیقہ راحیلہ کرد مگر بعد از دوم یوم بہ معمائے نوشت "۔

در گریہ از بس نازکی رخ ماندہ بر خاکش نگر
وال سینہ سودن از تپش بر خاک نمناکش نگر
خواند بہ امید اثر اشعار غالب ہر سحر
از نکتہ چینی در گزر فرہنگ و ادراکش نگر

چونکہ شعری قبلش دہلی را خیر باد گفتہ بود، صہبائی ریخت، آن قدح بشکست و آں ساقی نماند "۔

شعری کا انتقال ۸ رجب ۱۲۹۸ھ کو امرتسر میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے "رحمت خدا آمد" سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے۔[1]

[1] مرأت خیال ص

غالب اور مارہرہ

مارہرہ (ضلع ایٹہ، یو۔پی) ایک قدیم تاریخی قصبہ ہے۔ اس قصبے میں تین قبیلے خاص طور سے ممتاز اور نامی گرامی تھے۔ شیوخ کنبوہان کہ عہدۂ قانون گوئی اور منصب چودھر عہد شاہی سے ان میں رہا۔ شیوخ انصاری، کہ عہدۂ قضا ان سے متعلق رہا۔ سادات واسطیہ، کہ مشہور پیرزادے ہیں اور ان میں نامی گرامی صوفیہ گزرے ہیں[1]۔

مرزا غالب کا تعلق مارہرہ کے کنبوہ شیوخ اور سادات سے بہت خاصا رہا ہے اور ان دونوں قبیلوں کے متعدد ارکان غالب کے شاگرد، دوست اور شناسا تھے۔ غالب نے اپنے اکثر خطوط میں مارہرہ جانے کا اشتیاق ظاہر کیا ہے۔ چنانچہ ایک خط میں چودھری عبدالغفور کو لکھتے ہیں[2]:

"اگر زمانہ میری خواہش کے مطابق نقش قبول کرتا ہے تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔ حضرت پیر و مرشد کا اشتیاق اور اس جلسے میں تمہاری دید کا شوق ایسا نہیں ہے کہ مجھ کو آرام سے بیٹھا رہنے دے گا۔"

دوسرے خط میں لکھتے ہیں[3]:

---

[1] اصح التواریخ۔ از محمد میاں مارہروی، جلد دوم (خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ھ) ص ۶-۷

[2] خطوط غالب جلد دوم ص ۲۲۴ [3] ایضاً ص ۲۲۹

"جی یوں چاہتا ہے کہ برسات میں مارہرہ جاؤں اور دل کھول کر اور پیٹ بھر کر آم کھاؤں۔ اب وہ دل کہاں سے لاؤں، طاقت کہاں سے پاؤں۔"

کنبوہ شیوخ میں سے پہلے شخص جو مارہرہ میں سکونت پذیر ہوئے، وہ خواجہ عماد الدین عرف شیخ عماد تھے۔ یہ ہمایوں بادشاہ کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ ان کی دو صاحبزادیاں، دو سگے بھائیوں خواجہ محمد امین اور خواجہ محمد حسن ملتانی سے منسوب ہوئیں اور خاندانی تذکروں کے بیان کے مطابق ان دونوں بھائیوں کو ۹۵۴ھ میں مارہرہ کی قانون گوئی اور چودھرات ملی[1] کنبوہوں میں سے پانچ حضرات

۱۔ چودھری عبدالغفور سرور،

۲۔ عنایت الٰہی،

۳۔ عبدالعزیز ضیاء

۴۔ عطا حسین عطا،

۵۔ حکیم اشفاق علی۔

تو غالب کے شاگرد تھے مگر دوسرے حضرات سے بھی غالب کے مراسم تھے جن میں سے چودھری غلام رسول رئیس مارہرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ غالب ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ شاید ہی کوئی ایسا خط ہو جس میں غالب نے ان کو سلام و پیام نہ لکھا ہو۔

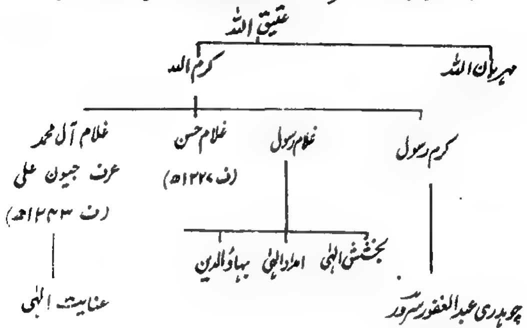
اس جماعت کے دو اور رکن منشی ممتاز علی میرٹھی اور مولوی غلام بسم اللہ بسمل بریلوی (ف ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) سے بھی غالب کے تعلقات تھے۔ اول الذکر

---

[1] سلسلہ عالیہ از حکیم عنایت حسین مارہروی (بہ تصحیح و ترتیب و اضافات از فیض احمد) (مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۷ھ) ص ۲۱۔ و المشاہیر از فیض احمد (نامی پریس میرٹھ ۱۹۰۰ء) ص ۹۔

عود ہندی کے مرتب و جامع اور ناشر ہیں اور آخر الذکر غالب کے شاگرد ہیں دونوں آپس میں علاتی بھائی تھے اور ان کا تعلق مارہرہ سے بھی تھا مگر مستقل طور سے ان دونوں کی سکونت میرٹھ اور بریلی میں تھی۔

چودھری عبدالغفور سرور کے خاندان کا مختصر سا شجرہ درج ذیل ہے:



چودھری غلام رسول:

چودھری غلام رسول کا خاندان کمبوہان مارہرہ میں "بارہ بسے والا" کہلاتا تھا ان کے والد شیخ کرم اللہ (ف ۱۲۲۷ھ) کے متعلق اس خاندان کے مورخ حکیم شیخ عنایت حسین مرحوم (ف ۱۲۶۵ھ) لکھتے ہیں[1]

"کرم اللہ بن عتیق اللہ صاحب دانش و اقبال و در ثقاہت و متانت حسن قیافہ ممتاز اقران و امثال بود و باستحقاق وراثت عہدہ موروثی چودھر و قانون گوئی بدست آوردہ بہ صدر ریاست قرار درزید و لوازم عہدہ مذکور بخوبی سرانجام دادہ تا پایان عمر و اقتدار بہ بریں گزاشت"

---

[1] سلسلۂ عالیہ ص ۴۲

چودھری غلام رسول علوم مروجہ سے آراستہ اور ریاست و امارت کے مالک تھے حکیم عنایت حسین لکھتے ہیں [1]

"وے با دانش و جاہ خلیق و متواضع است ہموارہ بوقار و اقتدار می گزارد"

۱۹ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ کو چودھری غلام رسول رنگرای عالم آخرت ہوئے ان کے بھانجے منشی کرم حسن نے مصرع:

فخر دو جہاں قبلہ دل کعبہ جاں ہائے (۱۲۸۷ھ)

سے تاریخ نکالی ہے [2] سید آل محمد مارہروی نے چودھری غلام رسول کی تاریخ انتقال اس طرح کہی ہے [3]

شد ازیں عالم رئیس محترم | ہر کہ فوت او شنیدہ ہائے گفت
بندہ آل محمد سال او | بستم ذی الحجہ با لیہ ای گفت

۱۲۵۹ + ۲۸ = ۱۲۸۷ھ

چودھری غلام رسول کی اولاد نے امارت کا کارخانہ جلد ہی درہم برہم کر دیا۔ منشی فیض احمد لکھتے ہیں [4]

"ورثائے وے مجموعہ ریاست متفقہ چندیں صد سالہ را کہ باعث اعزاز دودمان بود بدید بخش بخش کردہ نام ریاست از صفحہ دہر زدودند و باندک فرصت تلف نمودند۔"

چودھری غلام رسول کے تین صاحبزادے بہاء الدین بخشش الٰہی

---

[1] سلسلۂ عالیہ ص ۲۰

[2] ایضاً ص ۲۷

[3] دیوان تواریخ (مکاشفہ متفرقہ) از سید آل محمد (مطبع نور الانوار آرہ ۱۲۸۰ھ) ص ۱

[4] سلسلہ عالیہ ص ۲۷

اور امداد الٰہی (ف ۱۲۹۲ھ) تھے۔ چودھری بہاء الدین کتاب "اخبار المارہرہ" کے مولف ہیں۔ یہ کتاب مطبع صبح صادق سیتاپور سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کا پر مولف کو انگریزی حکومت کی طرف سے دو سو روپیہ انعام بھی ملا تھا۔

چودھری عبدالغفور:

چودھری عبدالغفور، چودھری کرم رسول (ف ۱۲۶۴ھ) کے صاحبزادے اور چودھری غلام رسول کے حقیقی بھتیجے تھے۔ چودھری کرم رسول کے متعلق حکیم عنایت حسین لکھتے ہیں:[1]

"مرد دانش مند با اقبال و در شیوہ مروت و سخا و اخلاق و تواضع و سائر صفات جمیلہ و اوصاف پسندیدہ یگانہ زمانہ و ممتاز اقران و امثال و حالا بر صدر عہدہ پدر قانون گوئی و چودھر رونق افروز است۔"

چودھری عبدالغفور نے مروجہ تعلیم اپنے چچا چودھری غلام رسول سے حاصل کی اور ان کو چودھری غلام رسول کی پوتی (دختر بہاء الدین) منسوب تھیں۔

چودھری عبدالغفور کے متعلق منشی فیض احمد لکھتے ہیں:[2]

"عبدالغفور المتخلص بہ سرور شاعر شیوا بیان شیریں زبان رمز فہم روشن دماغ ستودہ منش اخلاق روش سیر چشم دریخشم مہر جو آزرم خوست و بین الاخوان بہ حلم و مروت و وقار و اعتبار می گزارد و در فن سخن با نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں غالب دہلوی کہ غلغلہ جادو بیانی او از ہند تا بہ ایران رسیدہ، نسبت شاگردی راست حاصل کردہ و بر رقعات اردو غالب دیباچہ نوشتہ کہ آں مجموعہ

---

[1] سلسلۂ عالیہ ص ۲۰۱

[2] ایضاً ص ۲۰۱

بقالب طبع آمدہ باسم "عود ہندی" مشہور دیار وامصار است"۔

چودھری عبدالغفور کے کوئی اولاد نہ تھی۔ انہوں نے اپنے برادر نسبتی (سالے) عزیز الدین کے بیٹے عبدالصبور کو گود لے لیا تھا۔ عبدالصبور کو بھی شعر و شاعری کا ذوق تھا۔

چودھری عبدالغفور سرور کا صحیح سال وفات معلوم نہ ہو سکا لیکن بعض قرائن کی روشنی میں ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیسویں صدی عیسوی کے پہلے عشرے میں فوت ہوئے۔

برجیس احمد زبیری مارہروی لکھتے ہیں[1]

"عبدالغفور صاحب میانہ قد کے تھے اور پاجامہ زیب تن کرتے تھے اور آپ کے یہاں شروع رمضان سے آخر تک احباب اور اعزہ کا روزہ افطار ہوتا تھا"

چودھری عبدالغفور سرور نے حکیم امداد حسین مارہروی (ف ۱۲۸۲ھ) کے صاحبزادے علی حسین (ف ۱۲۸۳ھ) کے انتقال پر جو تاریخ کہی ہے وہ بطور نمونہ کلام درج ذیل ہے:[2]

وا دریغا وا دریغا وا دریغا وا دریغ
ہائے ہاو ہائے ہا وہائے ہا وہائے ہا
دو ہزار و دو صد و ہشتاد و دو ماہ صیام
جانب فردوس شد فخر الطباء رہگرا
پنج پور نامور از وے بگیتی یادگار
صاحبان عقل و علم و دانش و فہم و ذکا

---

[1] مکتوب برجیس احمد زبیری بنام راقم موصولہ ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء

[2] سلسلۂ عالیہ ص ۱۰۰

سال نگزشتہ ز فوت والد والا سے شاں
پور چارم زار بود اے ولے از عالم قضا
بود نام او مرکب از علی و از حسین
وہ چہ نام است ایں کہ بر وے باد جان و دل فدا
از وقوع ایں چنیں بس سخت و سنگیں واقعہ
رستخیزے گشت پیدا محشرے شد رونما
از یگانہ تا بہ بیگانہ دریں رنج عظیم
ہر یکے راہست بر لب نعرۂ واحسرتا
دل بدرد آورد و تاریخ وفاتش نظم کرد
ہر کہ در مارہرہ باشعر و سخن بود آشنا
ہم سرور خستہ، ناشاد از روے امید
گفت "حشرش باحسین و باعلی روز جزا"
۱+ ۱۲۸۲ = ۱۲۸۳ھ

عنایت الٰہی

عنایت الٰہی، چودھری غلام رسول کے بھتیجے اور چودھری غلام آل محمد عرف جیون علی (ف ۱۲۴۳ھ) کے صاحبزادے تھے۔ چودھری غلام آل محمد کے متعلق حکیم عنایت حسین لکھتے ہیں[1]

"مردے با دانش و اخلاق در صفت ہمت و مروت و حلم و وقار یگانہ آفاق بود، بر صدر عہدہ پدر قرار گرفت و حقوق عہدۂ مذکور سرانجام داد۔"

عنایت الٰہی نے مروجہ تعلیم حاصل کی تھی اور غالب سے مشورہ سخن کیا

---

[1] ایضاً ص ۲۶

تھا۔ غالب، چودھری عبدالغفور سرور کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :[۱]

"عنایت الٰہی کا کون مشتاق نہ ہوگا۔ اس کی پرسش زبانی میں خدمت گزاری کو حاضر ہوں، جب چاہیں اپنا کلام بھیج دیں، میرا سلام اور پیام کہہ دیجیے گا۔"

ان کے متعلق منشی فیض احمد مارہروی لکھتے ہیں :[۲]

"سلیم الطبع حلیم المزاج شیریں زبان لطیف و خنداں سخن سنج معانی شناس است بر عہدۂ موروثی قانون گوئی ممتاز ماندہ۔ اکنوں از سرکار گردوں وقار انگلشیہ پنشن می یابد و بین الاخوان با امتیاز می گزارد و چوں حسب قوانین جدیدہ گورنمنٹ انگریزی حق موروثیت حق قانون گوئی زائل و ساقط شدہ۔ قرار یافتہ ہر کہ از عمر و زید با امتحان قابلیت قانون و استعداد کاردانی کامیاب شود و سند آں از گورنمنٹ بدست آرد، بریں عہدہ مامور شود و ابناے وے صغیر و شیر خوار بودند لہٰذا ہمچو دیگر خانوادہا دریں دودمان گرامی ایں عہدہ برد ختم شدہ۔"

عنایت الٰہی کا نمونۂ کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ ان کے نامور فرزند مولوی عظمت الٰہی زبیری تھے۔ جنھوں نے کچھ عرصے وکالت کی اور پھر ایک مدت تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رجسٹرار رہے ۲۴ نومبر ۱۹۷۰ء کو کراچی میں ان کا انتقال ہوا۔

عبدالعزیز ضیاءؔ۔

مولوی عبدالعزیز کے والد کا نام غلام کمال تھا۔ ان کے متعلق منشی فیض احمد لکھتے ہیں :[۳]

---

[۱] خطوط غالب، جلد دوم ۔ ص ۱۸۰

[۲] سلسلۂ عالیہ، صفحہ ۲۷

[۳] ایضاً ص ۱۰۱

"عبدالعزیز پسر دوم غلام کمال، موزوں طبع، خوش فکر و در نظم شیریں مقال است و از دختر سخاوت حسین بن شاہد بخش کتخدا شدہ"

مولوی عبدالعزیز کے متعلق مرزا غالب اپنے ایک مکتوب بنام چودھری عبدالغفور میں لکھتے ہیں[1]

"عبدالعزیز صاحب[2] آئے، میں بے کلاہ و پیرہن پلنگ پہ لیٹا ہوا تھا۔ ان کو دیکھ کر اٹھا، مصافحہ کیا۔ انہوں نے جناب شاہ عالم صاحب کا خط مع مسودات اشعار دیا اور فرمایا کہ پرسوں جاؤں گا۔ عرض کیا کہ کل آخر روز آپ تشریف لائیں خط کا جواب اور اصلاحی مسودے لے جائیں۔ وہ تشریف لے گئے۔"

مولوی عبدالعزیز کے فرزند برجیس احمد زبیری مارہروی لکھتے ہیں[3]

"چودھری عبدالغفور کا تخلص سرور تھا اور مولوی عبدالعزیز صاحب کا تخلص ضیاء تھا۔ یہ دونوں بزرگ حضرت غالب کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالعزیز درگاہ (خورد) کے وقف کے سربراہ تھے اور آپ اپنے مدرسہ اسلامیہ میں درس و تدریس بلا معاوضہ دیا کرتے تھے اور شہر کے تمام ہندو مسلمان آپ سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ کے اثر و عوت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی آپ کا گزر بازار سے ہوتا تو تمام ہندو مسلمان تعظیماً کھڑے ہو جاتے تھے۔"

اس زمانے میں مارہرہ میں چودھری انتظام علی کے یہاں مستقل مشاعرے

---

[1] خطوط غالب جلد دوم ۔ ص ۲۵۱

[2] غالب نے سہواً یا مزاحاً ان کے نام سے قبل لفظ "میر" لکھ دیا ہے ۔

[3] مکتوب برجیس احمد زبیری بنام راقم موصولہ ۹ دسمبر ۱۹۶۸ و نیز دیکھئے میری سرگزشت از برجیس احمد زبیری کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۵

ہوا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سرور اور ضیاؔ میں ایک غزل میں کسی بات پر بحث ہوگئی وہ غزل مرزا غالب کو بھیجی گئی۔ اس کا ایک شعر یہ تھا:

نہ بندش بن سکی زلف دوتا کی　　رسائی دیکھ لی فکر رسا کی

غالب نے اس غزل میں ایک آدھ لفظ بدل کر اصلاح کردی اور لکھا کہ بھائیوں میں میل جول رہنا چاہیے۔

ضیاؔ کا ایک شعر ہے:

نہ تم سا تم سے ہو جائے مقابل　　ہٹا دو آئینہ کو روبرو سے

عبدالعزیز ضیاؔ کے فرزند برجیس احمد زبیری کا بیان ہے[1] کہ ضیاؔ کا دیوان اور مرزا غالب کے کچھ خطوط ہندوستان سے پاکستان آنے پر لاہور میں مہاجرت کی حالت میں تلف ہوگئے۔ عبدالعزیز ضیاؔ کا انتقال ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ برجیس احمد زبیری کا انتقال نوے سال کی عمر میں ہوا۔

شیخ عطا حسین عطا

شیخ عطا حسین، حکیم نجف علی مارہروی کے صاحبزادے تھے۔ درس و تدریس مشغلہ تھا۔ منشی فیض احمد مارہروی لکھتے ہیں[2]

"نہایت خوش مزاج، نیک خو، بذلہ سنج لطیفہ گو تھے۔ فارسی کی عمدہ استعداد تھی۔ ہر شخص کے ساتھ خلوص نیاز اور دلسوزی سے ملتے۔ قلب رقیق تھا۔ عزیز و آشنا کی تکالیف دیکھ کر دل بھر آتا تھا۔ آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ عمر معلم گری میں بسر کی۔ شعر و سخن کا چسکا رہا۔ مثنوی (شکایت سعایت) اردو زبان میں ان کی تصنیف سے مشہور ہے۔"

---

[1] مکتوب برجیس احمد زبیری بنام راقم موصولہ ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء۔ نیز دیکھیے میری سرگزشت از برجیس احمد زبیری (کراچی ۱۹۶۴ء) ص ۵

[2] المشاہیر، ص ۲۳۶۔ نیز ملاحظہ ہو سلسلہ عالیہ ۴۳، ۴۴

کچھ لوگوں نے شیخ عطا حسین کو تکالیف پہنچائیں اور ان کا ذہنی سکون چھین لیا اس کے رد عمل میں انہوں نے مثنوی "شکایت سعایت" لکھی اور مرزا غالب کی خدمت میں بھیجی انہوں نے کہیں کہیں اصلاح بھی کی۔ مرزا غالب اپنے ایک مکتوب بنام چودھری عبد الغفور میں لکھتے ہیں[1]

"صاحب یہ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہوگئی ہے۔ ہے ہے اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤ پڑے ہوں گے، تب یہ تراوش خونابہ ظہور میں آئی ہوگی۔ مزہ یہ ہے کہ عنوان بیان سے حق بجانب انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔"

۷ ذی الحجہ ۱۲۹۶ھ کو شیخ عطا حسین کا انتقال ہوا۔

مثنوی "شکایت سعایت" کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں[2]

دل شکستہ ہوں اور غم زدہ ہوں	خستہ تن اور میں ستم زدہ ہوں
دردمند اور جگر گداختہ ہوں	ایک غم سے میں زہرہ باختہ ہوں
تاب و طاقت رہی وحشت ہے	خواب و آرام وقف حسرت ہے
نہ چمن ہوں نہ باغباں چمن	مرغ گم گشتہ، آشیاں چمن
کیا کہوں کیسا بے نصیب ہوں میں	ہوں وطن میں و لے غریب ہوں میں
ماجرا اپنا گر سناؤں کبھو	چشم خورشید سے گریں آنسو
ابر کا سینہ چاک ہو جاوے	برق بھی جل کے خاک ہو جاوے
دیکھ کر حال چرخ دوں پرور	کی معلم گری میں عمر بسر
گرچہ کچھ اس قدر نہ تھی پروا	مقتضائے زمانہ پہ یوں تھا
ایک مدت برنگ فصل بہار	رہی مکتب کی گرمی بازار
پھر کچھ اس میں کساد آنے لگا	آخر آخر فساد آنے لگا

---

[1] اردوئے معلیٰ راکمل المطابع دہلی ۱۸۹۱ء) صفحہ ۱۱۱

[2] المشاہیر صفحہ ۲۳۷، ۲۳۸

حکیم اشفاق علی زکی

حکیم اشفاق علی ابن شیخ الطاف حسین مارہروی ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ درسی تعلیم کے علاوہ علم طب کی بھی تحصیل کی۔ محکمہ بندوبست میں ملازم رہے۔ کچھ دنوں گوالیار میں رہے۔ ۱۹۰۷ء میں بھوپال پہنچے، ملازمت کی اور وہیں ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو انتقال ہوا، طویل عمر پائی۔ شعر و سخن کا ذوق تھا اور غالب سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی سے بیعت تھے۔ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔[1]

دم الجھنے لگا ہے بے الجھے　　　زلف الجھی اگر تو کیا ہوگا
رہگزار بلا پہ بیٹھے ہیں　　　نہ ملا راہبر تو کیا ہوگا

صیاد دور، موسم گل، سامنے چمن
کنج قفس میں روؤں نہ کیوں بال و پر کو میں
زار انتظار خط نے کیا اس قدر مجھے
انجان سوچتا ہوں مگر نامہ بر کو میں
قدر سخن زمانے میں باقی نہیں زکی
کس کو دکھاؤں آج متاع ہنر کو میں

سفلوں سے پوچھتا ہوں غربت میں　　　کہئے کیسا مزاج عالی ہے؟

مولوی فضل احمد مارہروی

غالب کے خطوط میں مولوی فضل احمد مارہروی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ وہ کمبوہان مارہرہ میں بحیثیت علم و فضل ایک ممتاز شخصیت تھے۔ عربی و فارسی کی اعلیٰ استعداد

---

[1] تلامذۂ غالب۔ ص ۳۰۴ - ۳۰۵

رکھتے تھے۔ ان کی تمام عمر درس و تدریس میں گزری۔ تمام شہر مارہرہ ان سے فیض یاب تھا۔ مولوی فضل احمد کا ۱۲۸۵ھ میں انتقال ہوا۔ سید آل محمد مرحوم نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے [1]

زجہان مولوی فضل احمد گزشت | زصہبائے علم و عمل کیف رفت
من آل محمد پئے سال نقل | نوشتم کہ "استاد ما حیف رفت"

۱۲۸۵ھ

اب مارہرہ کے خاندانِ سادات واسطی کے جن لوگوں سے غالب کے تعلقات تھے ان کے حالات ملاحظہ ہوں۔

صاحب عالم

عہدِ اکبری کے نامور صوفی شیخ میر عبدالواحد بلگرامیؒ صاحب سبع سنابل (ف ۱۰۱۷ھ) کے فرزند میر عبدالجلیل (ف ۱۰۵۷ھ/۱۶۴۷ء) تھے جو جذب و کیف کی حالت میں وارد مارہرہ ہوئے اور اس زمانے کے کمبوہ شیوخ کے نامور اور ممتاز رکن چودھری صدر الدین اور ان کے صاحبزادے چودھری وزیر محمد خاں ان کے مرید ہوئے۔ ان لوگوں نے میر صاحب کے لئے حویلیاں وغیرہ بنوا دیں [2] ان میں میر عبدالجلیل کے پوتے شاہ برکت اللہ عشقی (ف ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء) ابن میر اویس تھے جو بلگرام کی سکونت ترک کر کے مستقل طور سے مارہرہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ شاہ برکت اللہ صاحب حال صوفی عارف کامل اور ظاہری و باطنی علوم سے آراستہ تھے۔ فارسی میں عشقی اور بھاکا میں پیمی تخلص کرتے تھے۔ ان کا فارسی اور بھاکا کا کلام شائع ہو چکا ہے [3]

---

[1] دیوانِ تواریخ ص ۳۴

[2] خاندان برکات از محمد میاں مارہروی (حسنی پریس بریلی، ۱۹۲۷ء) ص ۵۔

[3] ایضاً ص ۷ ۔ ۱۲

شاہ برکت اللہ کے دو صاحبزادے آل محمد (ف ۱۱۶۴ھ/۱۷۵۶ء) اور نجات اللہ (ف ۱۱۹۰ھ/۱۷۷۶ء) تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے مارہرہ میں الگ الگ دو خانقاہیں قائم کیں۔ بڑے بھائی کی خانقاہ "سرکار کلاں" اور چھوٹے بھائی کی خانقاہ "سرکار خورد" کہلائی۔ صاحب عالم شاہ نجات اللہ (سرکار خورد) کے پوتے تھے۔ صاحب عالم کے سلسلے کا شجرہ درج ذیل ہے۔[1] کیونکہ اس سلسلہ کے مختلف حضرات کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

---

[1] ہم نے یہ شجرہ سادات مارہرہ سے متعلق مختلف کتب کاشف الاستار (قلمی مملوکہ راقم الحروف) آثار احمدی (قلمی مملوکہ راقم الحروف) اصح التواریخ از محمد میاں (مطبوعہ) خاندان برکات از محمد میاں (مطبوعہ) نور مدائح حضور از غلام شبر بدایونی (مطبوعہ) برکات مارہرہ از طفیل احمد بدایونی (مطبوعہ) کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔

شاہ نجات اللہ (ف ...)

- شاہ آل محمد[له] (ف ۱۱۶۴ھ)
- شاہ نجات اللہ (ف ۱۱۹۰ھ)
  - شاہ مقبول احمد عرف سوندھا (ف ۱۲۱۳ھ)
    - سید مخدوم عالم
      - سلطان عالم عرف شہزادے (ف ۱۳۰۳ھ)
      - صاحب عالم
        - سید عالم (ف ۱۳۰۲ھ)
          - نور عالم
          - خورشید عالم (ف ۱۳۰۸ھ)
            - جان عالم
              - بدر عالم
              - مقصود عالم
              - شاہ عالم
              - اقبال عالم
        - شاہ عالم (ف ۱۳۰۸ھ)
        - مقبول عالم (ف [illegible]ھ)
          - مخدوم عالم عرف بڈھے میاں (ف ۱۳۳۰ھ)
          - افتخار عالم عرف سدے میاں (ف ۱۳۴۳ھ) مؤلف حیات النذیر
        - دختر منسوب بہ سید عبدالحی عرف سید احمد
          - فرزند احمد صفیر بلگرامی
  - سید امام عرف شاہ گدا (ف ۱۲۰۵ھ)
    - نجات بخش فقیر (ف ۱۲۳۹ھ)
      - دختر منسوب بہ صاحب عالم
      - سید محمد امیر عرف امیر (ف ۱۲۶۰ھ)
        - شاہ محمد حسن (ف ۱۳۰۴ھ)
          - شاہ مجتبیٰ حسن (ف ۱۳۱۱ھ)
            - علی احسن مارہروی (ف ۳۰ اگست ۱۹۴۳ء) مشہور شاعر و ادیب
        - شاہ برکات حسن (ف ۱۳۲۴ھ)
        - امیر زادی تہنیت فاطمہ منسوب بہ شاہ عالم
        - عزیز جان منسوب بہ سید آل محمد
    - برکات بخش بھکاری (ف ۱۲۵۳ھ)

له شاہ آل محمد کی اولاد کا شجرہ دوسرے صفحہ پر ملاحظہ ہو۔

- شاہ آل محمد (ف سنہ ۱۱۶۴ھ)
  - شاہ حمزہ (ف سنہ ۱۱۹۸ھ)
    - شاہ آل احمد اچھے میاںؒ (ف سنہ ۱۲۳۵ھ)
    - شاہ آل برکات ستھرے میاں (ف سنہ ۱۲۵۱ھ)
      - آل امام جما میاں (ف سنہ ۱۲۴۸ھ)
        - اولاد حسین (ف ۱۲۷۵ھ)
        - سید آل محمد (ف ۱۲۹۵ھ)
        - سید ابن امام (ف ۱۳۰۸ھ)
          - عبدالجلیل (ف سنہ ۱۳۳۹ھ)
      - شاہ آل رسول (ف سنہ ۱۲۹۶ھ)
      - شاہ اولاد رسول (ف سنہ ۱۲۶۸ھ)
      - شاہ غلام محی الدین امیر عالم (ف سنہ ۱۲۸۶ھ)
    - شاہ آل حسین سچے میاں (ف سنہ ۱۲۳۵ھ)
  - شاہ حقانی (ف سنہ ۱۲۱۰ھ)

صاحب عالم سے مرزا غالب کے نہایت مخلصانہ تعلقات تھے۔ وہ اپنے ہر خط میں محبت، خلوص، نیاز مندی اور ارادت کا اظہار کرتے تھے۔ یہ تو نہ معلوم ہو سکا کہ صاحب عالم سے غالب کے یہ تعلقات کب اور کس طرح قائم ہوئے مگر ان ہی تعلقات کی بنا پر صاحب عالم کے احباب، بیٹے اور نواسے غالب کے حلقۂ تلمذ میں منسلک ہوئے۔ غالب اپنے ہر خط میں صاحب عالم کا ذکر نہایت محبت و ارادت سے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں[۱]

"آرزوئے دید حد سے گزر گئی۔ یارب جب تک صاحب عالم کو مارہرہ میں اور انوار الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں اور ان سے ہم کلام نہ ہولوں، میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو۔ لیکن ۱۲۷۷ھ میں دو مہینے باقی ہیں۔ اب کے محرم سے اس ذی الحجہ تک میرا مدعا حاصل ہو جائے۔"

مرزا غالب ایک خط میں چودھری عبدالغفور کو لکھتے ہیں[۲]

"میں یہ تاکے ہوئے ہوں کہ میری اور تمہاری ملاقات اس طرح ہو کہ ہم تم ہوں اور حضرت صاحب عالم صاحب ہوں اور باہم حرف و حکایت کریں۔ اگر زمانہ میری خواہش کے موافق نقش قبول کرتا تو میں مارہرہ کو آتا ہوں۔"

صاحب عالم کے نام مرزا غالب کے صرف پانچ خط ہیں جو "خطوط غالب" میں شامل ہیں[۳] مگر یہ حقیقت ہے کہ چودھری عبدالغفور مارہروی کے نام جتنے خط ہیں وہ بالعموم چودھری صاحب اور صاحب عالم کے نام مشترک ہیں۔ صاحب عالم کا خط خراب تھا غالب ایک ہی خط میں دونوں کو مشترک لکھ دیتے تھے اور غالباً اسی طرح جواب

---

[۱] اردوئے معلیٰ ص ۱۶۸

[۲] خطوط غالب جلد دوم ص ۲۲۴

[۳] ایضاً

جاتا ہوگا۔

صاحب عالم ابن مخدوم عالم ۱۶ ربیع الثانی[۱] ۱۲۱۱ھ کو پیدا ہوئے[۲] تعلیم مارہرہ، فرخ آباد اور لکھنؤ میں پائی۔ کچھ دنوں صاحب عالم اور ان کے بھائی سلطان عالم فرخ آباد میں رہے۔ صاحب دیوان شاعر تھے۔ تذکرہ خازن الشعراء کے مولف سید محمد میرن جان محمدی الہ آبادی ۱۲۶۰ھ میں صاحب عالم کا تذکرہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں[۳]

"شاعر سراپا کمال عدیم المثال مولوی سید صاحب عالم حسینی واسطی بلگرامی ثم المارہروی سلمہ اللہ تعالیٰ است۔ ولادتش روز سہ شنبہ وقت ضحیٰ شانزدہم ربیع الثانی سال ہزار و دوصد و یازدہ ہجریہ کہ لفظ تاریخ ازاں خبرمی دہد در دار الکرام بلگرام بودہ۔ میر عبدالواحد بلگرامی مصنف کتاب سبع سنابل و شارح نزہت الارواح از اجداد پدری اوست۔

مولوی جمیع کتب درسیہ در معمورۂ لکھنؤ بخدمت مولوی ولی اللہ خاں گزرانیدہ و در فن شعر از خال خود سید افتخار علی بلگرامی متخلص بہ ذرہ تلمذ دارد و چوں اتحاد سلسلہ بیعت و اجازت حضرت شیخ محمد افضل

---

[۱] محمد میاں (خاندان برکات ص ۴۷) نے ۲۶ ربیع الثانی لکھا ہے۔

[۲] ایک مرتبہ صاحب عالم نے غالب کو لکھا کہ میرا سال پیدائش لفظ "تاریخ" سے نکلتا ہے تو غالب نے لکھ بھیجا۔

ہاتف غیب شب کو یوں چیخا ۔۔۔ ان کی "تاریخ" میرا "تاریخا"

تاریخ سے ۱۲۱۱ھ اور تاریخا سے ۱۲۱۲ھ نکلتے ہیں۔

[۳] تذکرۂ خازن الشعراء کا یہ اقتباس مولانا حسرت موہانی نے اردوئے معلیٰ میں نقل کیا تھا وہیں سے ہم نے لیا ہے افسوس اردوئے معلیٰ کا ماہ و سال اشاعت لکھنے سے رہ گیا۔

الہ آبادی وسید برکت اللہ عرف شاہ ابوالبرکات عشقی تخلص (جد الاجداد مولوی) بخاندان حضرات کالپی فی مابین بزرگان ایں فقیر و بزرگان آں عزیز محبت و وداد بود۔ بعد معاودت از قصبہ کواتھ مع قبائل بسابقہ معرفت در الہ آباد تشریف آوردہ رونق افروز دائرہ متبرکہ جدم حضرت شیخ محمد اجمل قدس سرہ شد۔ درمیان والد ماجد ایں مستہام وایں فقیر بدنام باآں صاحب عزو احترام سلسلۂ مودت ومحبت استحکام دیگر پذیرفتہ و در مارہرہ بر سجادۂ آبائے کرام خود گم گشتگان وادی حرماں را رہنمونی کند۔ وے مرید ومجاز وماذون از خدمت میر سید ابوسعید عرف شاہ خیرات علی صاحب سجادہ حضرت قطب الاقطاب میر سید محمد ساکن کالپی است در مدح پیر روشن ضمیر خود ایں رباعی گفتہ:

فیضے ز عنایات علی یافتہ ام ۔۔۔ رشدے ز کرامات علی یافتہ ام

علم و عمل و دولت اولاد و شرف ۔۔۔ ایں جملہ ز خیرات علی یافتہ ام

مولوی صاحب دیوان است و در دیوان او از ہر قسم غزل، رباعی، فرد قطعات و مخمسات موجود است۔

نمونۂ کلام

آں حور کہ از آئنہ مستور نشیند ۔۔۔ بے پردہ کجا بامن مہجور نشیند

عمر من شد بجدائی آخر ۔۔۔ جان من آہ کجائی آخر

صاحب عالم نے فن تاریخ گوئی پر ایک کتاب "تحفۃ المورخین" فارسی زبان میں لکھی ہے جس کا قلمی نسخہ "جواہر میوزیم" اٹاوہ میں محفوظ ہے، اس کتاب میں ۵۲ اوراق ہیں اور تقطیع ۵ × ½۷ ہے، یہ کتاب ایک مقدمہ، دو ابواب اور ایک

خاتمہ پر مشتمل ہے اور ۱۲۵۸ھ کی مکتوبہ ہے[1]

صاحب عالم کا انتقال ۲ محرم ۱۲۸۸ھ کو مارہرہ میں ہوا۔ مولوی محمد میاں مارہروی لکھتے ہیں[2]

"گنبد درگاہ معلیٰ (مارہرہ) میں جانب غرب دفن ہوئے۔ آپ کا عقد دختر حضرت فقیر صاحب ابن حضرت شاہ گدا صاحب سے ہوا"

سید آل محمد مارہروی نے اپنے مجموعہ تواریخ "دیوان تاریخ" میں سید صاحب عالم صاحب کے انتقال پر بہت سی تاریخیں کہی ہیں جن میں سے ایک درج ذیل ہے[3]

جناب صاحب عالم دریغا　　نمودہ زیں جہاں ناگاہ رحلت
بگو آل محمد گر بپرسند　　مکرر سال رحلت "آہ رحلت"

۴۴۴ × ۲ = ۱۲۸۸ھ

صاحب عالم نے تین صاحب زادے سید عالم، شاہ عالم، مقبول عالم اور تین لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ بڑی لڑکی عبدالحی عرف سید احمد بلگرامی سے منسوب تھیں جن کے صاحب زادے فرزند احمد صفیر بلگرامی تھے۔ صاحب عالم نے حکیم امداد حسین مارہروی (ف ۱۲۸۲ھ) کے انتقال پر ایک مرثیہ لکھا ہے۔ اس کے کچھ اشعار بطور نمونہ کلام درج ذیل ہیں[4]

دریغا ز نیرنگی آسماں　　دریغا ز بیداد دور زماں
دریغا ز تقلیب لیل و نہار　　دریغا ازیں انقلاب جہاں
دریغا کہ جمعیت ما گسیخت　　دریغا یکے رفتہ از ہم سناں
دریغا ز گلہائے احباب ما　　گلے ریخت بر خاک باد خزاں

---

[1] جواہر زواہر۔ از ابرار حسین فاروقی (اناؤ، ۱۹۵۹ء) ص ۲۲۲ - ۲۲۴
[2] خاندان برکات ص ۴۷
[3] دیوان تاریخ ص ۳
[4] سلسلۂ عالیہ ص ۱۵۳ - ۱۵۵

دریغا یکے از محبان خاص | نہاں گشتہ از چشم ما ناگہاں
دریغا حکیمے مسیحا نفس | بحکم قضا و قدر داد جاں
مرکب کن امداد را با حسین | سپس نام نامی او را بخواں
دریغا گزشت آنکہ بودے بہ بزم | نواسنج چوں بلبل بوستاں
دریغا نماند آنکہ در شہر بود | بگفتار طوطی شیریں زباں
دریغا کہ رفت آنکہ در دہر بود | بہ ہر سوز اوصاف او داستاں

ہمہ را لبب نالہ از درد و غم | ز چشم ہمہ قلزم خوں رواں
خیالش جدا نہ ز دلہا ے شاں | یکے لمحہ یک لحظہ یک دم یک آں
کند شرح غم ہائے آنہا رقم | قلم را چہ یارا چہ تاب و تواں
دریغا ملال دلم صاحبا | ز فوت چنیں زبدۂ دوستاں
کہ مثلش نیارد فلک در وجود | انیس بصدق و صفا تو اماں
فغانم نہ خیزد ز سینہ چرا | سرشکم نہ ریزد ز دیدہ چساں
دریغا کہ رفت از کف روزگار | چنیں گوہرے بے بہا رائگاں
کنوں تا کہ باقی ست مارا حیات | بود یاد او مونس ما بجاں
ز یاران مارہرہ و بلگرام | رواں شد بسوئے عدم کارواں
فراہم کند ما ہمہ را بخلد | رب مستغاث و حق مستعاں
قلم سال ایں یار مارہروی | رقم زد عجب یار خلد آشیاں
ز رضوان شنیدیم تاریخ او | گل نو بیامد بباغ جناں

مرزا غالب نے اپنے خطوط میں صاحب عالم کے تینوں بیٹوں سید عالم، شاہ عالم اور مقبول عالم اور ان کے پوتے خورشید عالم، ان کے برادر نسبتی (سالے) سید محمد امیر اور ان کے فرزند برکات حسن کا ذکر بار بار کیا ہے لہذا ان حضرات کے مختصر سے حالات بھی درج ذیل ہیں۔

سید عالم

صاحب عالم مارہروی کے فرزند اکبر ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۲ محرم ۱۳۰۲ھ کو فوت ہوئے، وہ اپنے والد کے سجادہ نشین تھے ان کے دو بیٹے خورشید عالم اور نور عالم تھے۔ خورشید عالم کا ذکر غالب نے اپنے خط میں کیا ہے۔ خورشید عالم کی پیدائش ۲ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ کو ہوئی اور انتقال ۱۸ جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ کو ہوا[1] ان کے ایک بیٹے سید جان عالم تھے[2] جن کے بیٹے سید بدر عالم تھے جو انجمن ترقی اردو کراچی میں ملازم اور بابائے اردو مولوی عبدالحق کے خاص خادم تھے۔

شاہ عالم

صاحب عالم کے دوسرے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے ان کا انتقال ۱۱ محرم ۱۳۰۳ھ کو ہوا اور دالان غربی گنبد درگاہ میں دفن ہوئے[3] ان کا عقد ان کے ماموں سید محمد امیر کی صاحبزادی کے ساتھ ہوا تھا۔ غالب کے شاگرد تھے، تخلص شائق تھا۔ ان کے نام غالب کے دو خط ہیں۔ انہوں نے صفیر بلگرامی کے لڑکے کی پیدائش پر جو قطعہ تاریخ کہا تھا وہ بطور نمونہ کلام درج ذیل ہے[4]

چوں لشوم شاذ کہ ناگہ ز شرق — مژدہ رساں پیک صبا آمدہ
گفت کہ در خانہ شمس الضحیٰ — رشک سہا، بدر الدجیٰ آمدہ
ہاں بوجود آمدہ پور صفیر — کو ہمہ تن ذہن و ذکا آمدہ

---

[1] خاندان برکات ص ۷۵ ۔ ۷۶
[2] ایضاً ص ۷۶
[3] ایضاً ص ۷۷
[4] تلامذۂ غالب ص ۱۶۷ ۔

شائق شاداں پئے تاریخ طفل   گفت "زہے شمس ضحیٰ آمدہ"
۱۲۸۳ھ

مقبول عالم

صاحب عالم کے تیسرے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش ۶ جمادی الاول ۱۲۴۵ھ اور ان کا انتقال ۱۰ محرم ۱۳۰۲ھ کو ہوا۔ دالان غربی گنبد درگاہ میں دفن ہوئے[1] ان کا پہلا عقد دختر سید مظہر حسن کے ساتھ ہوا جس کا ذکر غالب نے اپنے خط میں کیا ہے اور صاحب عالم کو مبارک باد دی ہے۔ ان سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن میں سے ایک خورشید عالم کو منسوب تھیں۔ مقبول عالم کی دوسری بیوی اظہر فاطمہ دختر سید ابوالقاسم تھیں جن سے دو صاحب زادے مخدوم عالم اور افتخار عالم ہوئے۔ آخر الذکر حیات النذیر کے مؤلف ہیں۔

محمد امیر

سید محمد امیر ابن نجات بخش بھکاری ۱۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴ ربیع الآخر ۱۲۹۰ھ کو انتقال ہوا۔ دالان بائیں گنبد درگاہ میں دفن ہوئے اپنے چچا برکات بخش بھکاری کے انتقال (۱۸ رجب ۱۲۵۳ھ) کے بعد سجادہ نشین ہوئے[2] وہ صاحب عالم کے برادر نسبتی (سالے) اور شاہ عالم کے خسر تھے۔ محمد امیر کے متعلق غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:

"جناب مستطاب حضرت محمد امیر صاحب کی خدمت میں بعد سلام نیاز یہ گزارش ہے کہ میرے پاس حضرت کا سلام و پیام اب کی بار بھی نہیں پہنچا۔"

غالب نے اپنے متعدد خطوط میں سید محمد امیر کو سلام لکھا ہے اور شاہ عالم

---

[1] خاندان برکات ص ۷۷

[2] خاندان برکات، ص ۷۱

کے دونوں خطوں میں لکھا ہے کہ اپنے ماموں کو سلام کہئے۔

سید محمد امیر کا انتقال ۱۲۹۰ھ میں ہوا۔ سید آل محمد نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

ناگاہ جناب خال ما قبلہ ما — رخ کرد بخلد و شد ز دنیا بیزار
تاریخ وفات آں بزرگ دوراں — گفت آل محمد "آہ فخر ابرار"

۱۲۹۰ھ

برکات حسن

سید محمد امیر کے صاحبزادے برکات حسن تھے جن کا ذکر غالب نے اپنے اس خط میں کیا ہے جو انہوں نے صاحب عالم کو لکھا ہے۔ برکات حسن دہلی میں غالب سے ملے بھی تھے اور یہ غالب کا آخری زمانہ تھا۔ جب برکات حسن نے مزاج پرسی کی تو غالب نے اپنے شعر کو بدل کر یوں پڑھ دیا۔

ضعف نے غالب نکما کر دیا — ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

برکات حسن کی پیدائش ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۵۱ھ کو ہوئی اور ان کا انتقال ۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔

صفیر بلگرامی

سید فرزند احمد صفیر بلگرامی جلوۂ خضر کے مؤلف، غالب کے مشہور شاگرد اور صاحب عالم کے نواسے ہیں وہ مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مارہرہ ہی سے غالب کو تلمذ کے لیے درخواست مع کلام بھیجی جس پر ان کے نانا صاحب عالم نے سفارش بخط چودھری عبدالغفور مارہروی لکھی۔ غالب نے اس پر اصلاح دے کر مارہرہ بھیجا۔ صفیر خود لکھتے ہیں[۲]

---

[۱] خاندان برکات ص ۴۳

[۲] جلوۂ خضر جلد دوم۔ صفیر احمد بلگرامی (آرہ، ۱۸۸۵ء) ص ۱۸۸

وصفیر ہیچمداں مؤلف تذکرہ (جلوۂ خضر) سید فرزند احمد بلگرامی آری مقامی ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۴۹ھ کو بمقام مارہرہ ضلع ایٹہ متصل علی گڑھ کول اپنے ناناؐ کے یہاں پیدا ہوا۔ تین برس کی عمر میں بلگرام ضلع ہردوئی صوبہ اودھ اپنے وطن میں آیا اور پانچویں برس بمقام آرہ ضلع شاہ آباد میں اپنے جد و والد کے ساتھ آکر رہا۔ چودھویں برس شاعری کا شوق ہوا۔ ۱۲۸۳ھ میں پینتیسویں برس فارسی پر توجہ ہوئی۔ دہلی جاکر حضرت غالب کی شاگردی اختیار کی۔"

صفیر مارہرہ سے دہلی پہنچے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

رسیدم از مدد بخت تا بمارہرہ — بدل ارادۂ دہلی مزور تر کردم
ولے رسیدن دہلی نبود توقف... — زحال خویش جناب ترا خبر کردم
زجد ما دریم رفتہ پیش ازیں رقمے — من ایں مراسلہ ارسال پر اثر کردم

صفیر کی کتاب "فیض صفیر" (رسالہ تذکیر و تانیث) پر غالب نے جو دیباچہ لکھا ہے وہ ان کے نانا کے پاس مارہرہ ہی آیا تھا۔ صفیر بلگرامی کا انتقال ۲۲ رمضان ۱۳۰۷ھ کو بمقام عظیم آباد ہوا اور آرہ میں دفن ہوئے۔

سید آل محمد

خاندانِ برکات کے ایک اور رکن سید آل محمد تھے جو سید آل امام جُما میاں کے فرزند سوم تھے۔ نہایت ذی علم اور شعر و سخن کا ذوق رکھتے تھے۔ ان کو تاریخ گوئی کا بڑا ملکہ حاصل تھا۔ انہوں نے "دیوان تواریخ" کے نام سے ایک مکمل دیوان مرتب کیا۔ جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے تاریخیں لکھی ہیں۔ ایک تتمہ "مکاشفہ غیبیہ" کے نام سے شامل دیوان کیا ہے۔ دیوان تواریخ میں سید آل محمد نے مرزا غالب سے متعلق متعدد تاریخیں کہی ہیں جو درج ذیل ہیں[1]۔ مرزا غالب سے

---

[1] مرزا غالب کے انتقال پر جو تاریخیں کہی ہیں وہ دوسرے مضمون میں نقل کی گئی ہیں۔

خاصا رابطہ ضبط تھا۔ بلکہ ان کی ایک تاریخ غالبؔ کی اصلاح شدہ بھی ہے جو درج ذیل ہے۔ اس طرح کسی حد تک ان کو غالبؔ کے تلمذ کی نسبت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

قطعہ تاریخ صحت کلام مجید کہ عزیز افتخار حسن بنا بر صحت براقم در مونگیر داده بودند و قطعہ ایں تاریخ اصلاحی[1] مرزا غالبؔ صاحب است۔

عزیز سعید افتخار حسن — ذکی و ذہین، عاقل و ہوشیار
کتاب خدا بہر صحت کنوں — بمن داد از فضل پروردگار
بگوشم چناں آمد آواز غیب — کہ تاریخ صحت بگو "افتخار"

۱۲۸۲ھ

سید آل محمد ۱۲۴۶ھ میں مارہرہ میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش خود اس طرح کہی ہے[2]

چو کردم از پئے میلاد خود فکر — کہ گویم مادہ حسب لیاقت
ولے ہاتف بطرز سلسلہ گفت — منور نیرے برج سیادت

۱۲۴۶ھ

عربی و فارسی کی مروجہ تعلیم حاصل کی ان کے اساتذہ میں مولوی فضل احمد مارہروی، افتخار علی بلگرامی سید محمد حافظ مارہروی اور حضرت صاحب عالم مارہروی کے نام نمایاں ہیں۔ شیخ صادق علی گڑھ مکیشری المتخلص بہ مداح سے ان کے خصوصی تعلقات تھے ان سے متعلق کئی تاریخیں "دیوان تواریخ" میں موجود ہیں۔ اسی طرح لکھنؤ کے مجتہد سید محمد (ف ۱۲۸۴ھ) سے بھی آل محمد گہری عقیدت و ارادت رکھتے تھے۔ ۲۰ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ کو سید آل محمد کا انتقال ہوا اور

---

[1] دیوان تاریخ ص ۶۳

[2] ایضاً ص ۵

باغ پختہ (مارہرہ) میں دفن ہوئے[1] ان کے بھتیجے عبدالجلیل (ف ۱۳۳۶ھ) نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔

زدنیائے دوں سوئے فردوس اعلیٰ — سفر کرد ناگاہ یکتا مورخ
جلیلؔ از پئے سال تاریخ فوتش — رقم ساخت "بود آہ یکتا مورخ"

۱۲۹۵ھ

اب ہم ذیل میں وہ تاریخیں نقل کر رہے ہیں جو سید آل محمد مارہروی نے غالب سے متعلق کہی ہیں۔

تاریخ الطباع رقعات مرزا غالبؔ مرحوم دہلوی

(۱)

نثر نثرہ نثار شد ترتیب — دل بوجد آمدہ چو گوش شنفت
عقل سال مسیح از پے طبع — رقعات از جناب غالبؔ گفت

۱۸۶۸ء

(۲)

لَقَدْ طُبِعَ الکَلامِ کَلَامَ غَالِبْ — بِفَضْلِ الْوَاحِدِ الْمتعال فِی الْحَال
تَسَلَّتْ العام عَنْ آلِ محمد — علیٰ کُلِّ کَلَامَ غالب" قال

۱۲۸۴ھ

تاریخ خلعت یابی نواب اسد اللہ خاں صاحب المتخلص بغالبؔ شاعر دہلی از سرکار گورنر جنرل بہادر دام اقبالہ

خلعت بیش بہا یافت جناب غالبؔ — آنکہ خلاق پئے معنی و مضموں آمد
شد چو سنجیدہ کلام شعرائے آفاق — لطف شعر و سخنش از ہمہ افزوں آمد
ہر کجا نقطہ از کلک گہر سلکش ریخت — غیرت و رشک فزائے دُرِ مکنوں آمد

---

[1] ملاحظہ ہو خاندانِ برکات ص ۲۸

شاعر فارسی و ریختہ استادِ زماں　　　ہمچو او نامدہ زیں پیش و نہ اکنوں آمد
خامۂ آل محمد سنۂ تاریخش　　　زد رقم "خلعت زیبا و ہمایوں آمد"

۱۲۸۳ھ

تاریخ کر شدن مرزا اسد اللہ خاں المتخلص بغالبؔ والمشہور بمرزا نوشہ دہلوی۔

کان بہرے میرزا نوشہ کے آہ　　　بیٹھے بیٹھے یک بیک کیونکر ہوئے
دوستو! تاریخ اوس کی غیب سے　　　یوں سنی میں نے کہ "غالب کر ہوئے"

۱۲۷۴ھ

مرزا غالبؔ کے خطوط میں مارہرہ کے چند اور حضرات میر امداد علی شاہ فیض علی خاں اور بخش الدین کے نام بھی آتے ہیں مگر ان حضرات کے متعلق کوئی معلومات فراہم نہ ہو سکی۔



غالب کے چند شاگرد

محقق شہیر جناب مالک رام ایم۔اے نے غالب کے شاگردوں کے حالات پر نہایت محنت اور تحقیق سے ایک جامع کتاب "تلامذۂ غالب" لکھی ہے۔ اس کتاب میں غالب کے ایک سو چھیالیس شاگردوں کے حالات اور اسماء شامل ہیں۔ جن لوگوں کے حالات نہیں مل سکے ان کے صرف نام لکھنے ہی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ ابھی اس سلسلے میں کام کی گنجائش ہے۔

ہم اس مضمون میں غالب کے صرف چار شاگرد (۱) مفتی سید احمد خاں سیدؔ۔ (۲) مولوی سلطان حسن خاں سلطانؔ (۳) مولوی محمد حسین تمناؔ اور (۴) خان بہادر منشی سخاوت حسین مدہوشؔ کے تفصیلی حالات پیش کر رہے ہیں۔[1]

مفتی سید احمد خاں سیدؔ تو مالک رام کی نظروں سے اوجھل رہے۔ خان بہادر منشی سخاوت حسین مدہوشؔ کے صرف نام لکھنے پر انہوں نے اکتفا کیا ہے۔ مولوی سلطان حسن خاں سلطانؔ اور مولوی محمد حسین تمناؔ کے متعلق وہ چند سطروں سے زیادہ نہ لکھ سکے۔

مفتی سید احمد خاں سیدؔ

ابن کرامت علی شہیدی، ضلع مرادآباد (یوپی) کے مشہور تاریخی قصبہ سنبھل کے رہنے والے تھے۔ کچھ دنوں بدایوں میں بھی رہے پھر بریلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ علوم متداولہ کی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ علم طب بھی پڑھا تھا۔ حسنِ ظاہری کے مالک تھے۔

شاعری میں مرزا غالب سے تلمذ تھا۔ سیدؔ تخلص کرتے تھے۔ مرزا غالب کے مشہور شاگرد قاضی عبدالجمیل جنونؔ بریلوی (ف ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء) کہ ان کی بھانجی منسوب تھیں، جب انہوں نے مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنا چاہا تو مرزا غالب نے اپنے

---

[1] بعد میں غالب کے تین اور شاگردوں (۵) مولوی عزیز الدین بدایونی (۶) شیخ صادق علی مداح اور (۷) مولانا عبدالسمیع بیدلؔ کے حالات بھی شامل کر دیے گئے ہیں۔

ایک فارسی مکتوب میں ان کو مشورہ دیا کہ وہ شاہ مذاق میاں بدایونی[1] سے رجوع کریں غالب کا یہ خط[2] ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔ کیونکہ اس خط کے مندرجات سے بعض دوسرے امور پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

بمقام شہر بریلی روہیل کھنڈ

بخدمت مولوی مفتی سید احمد خاں صاحب

سید عالی تبارا اگر دسر گردم و بہ ہنگامش روئے سیاہ خویش بر زمین سایم و ہر چند از شرم گناہ سخن نمی توانم کرد ہم بدیں اندیشہ کہ مبادا رفتہ رفتہ پیوند مہر از ہم گسلد ناچار بگفتار آیم، ورود نامہ نامی جان در تن و فسوں شادمانی بر من دمید رسیدن نامہ شفیقی مکرمی حضرت عبدالمجید خاں صاحب و بودن قدسی صحیفہ با مسودہ غزلیات در نورد، آں نامہ ہمانا فراموش کردہ بودم تا دریں نامہ کہ پاسخ آں می نویسم نگریستم و برسیدن آں فرارسیدم، صندوقچہ کہ ہر رنگ کاغذ در آں نگاہ می دارم و نامہ ہائے جواب طلب و مسودات نظم و نثر را گنجینہ جز آں نیست پیش نظر داشتم دو ورق ورق را نورد از ہم کشودم آں نامہ و آں فرد کہ

---

[1] شاہ دلدار علی مذاق ابن حافظ شیخ نثار علی ۱۲۳۵ھ/۱۸۱۹ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے شاعری میں شیخ محمد ابراہیم ذوق دہلوی کے شاگرد تھے۔ شاہ فضل غوث بریلوی اور شاہ جی عبدالرحیم شاہ جہاں پوری کے مرید و خلیفہ تھے تفضیلی عقائد رکھتے تھے۔ مذاق سلسلے کے بانی ہوئے دیوان طبع ہو چکا ہے۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ کو انتقال ہوا۔ (ملاحظہ ہو آئینہ دلدار از ابرار علی صدیقی طبع اول انجمن پریس کراچی ۱۹۵۶ء)

[2] ملفوظات، طیبات مذاق میاں۔ اخبار علی بدایونی ساامیرالاقبال پریس بدایوں سال طبع ندارد، اسی رسالے سے یہ خط ابرار علی صاحب صدیقی نے آئینہ دلدار میں نقل کیا ہے۔ ص ۹۱۔۹۳۔

مسودہ غزلیات داشت، بنا فتم سخن ایں است کہ خسرو انجم سپاہ دہلی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ نامہ نگار را بہ نگارش تواریخ فرمانروایان تیموریہ وکشور کشایان بابریہ گماشتہ است واز سہ ماہ بدیں کار ماموروم۔ روز شب خامہ از جنبش آرام ندارد۔ رسالہ ہائے وقائع وسوانح سلاطین سلف بروئے یک دگر نہادہ ودفتر اوراق پراگندہ ہر سو فتادہ، سرگذشتہ ہا را انتخاب زدن و باز بہ عبارتے روشن مسودہ کردن و

مسودہ را دگر بارہ دوبارہ لبسواد اندر آوردن یکے بہ نظر گاہ کار فرما فرستادن و یکے خود نگاہ داشتن و ایں ہمہ کارہا را بہ تنہائی انجام دادن من دانم و دل کہ چہ مایہ آشوب دارد۔ ندانم آں اوراق کجا رفت و چہ شد۔ بالجملہ ایں معذرت است ہم از برائے رفتہ و ہم از برائے آئندہ۔ دل بہ نثر آنچناں کہ بہ نظم توانم پرداخت مشفقی مولوی دلدار علی صاحب مذاق کہ بدالست بندہ در معنی آفرینی باسلطان الشعرا شیخ محمد ابراہیم ذوق برابر و بہ اعتقاد خویش شاگرداں دیرینہ سخور اند آفرینہ ہمدم و ہم نشین آں والا گہر اند چرا با ایشاں در سخن مشورت نزدو مشورت در سخن ننگ نیست، غلط کاراں استادی و شاگردی را دور بردہ اند نزد بندہ ہم زبانی و ہم نفسی پیش نیست۔ نامہ نگار شاگرداں خویش را ہمدم و ہم راز می شمرد و ہر گز بچشم کم در آناں نمی گرد د۔ استاد چرا با خود بالد و شاگرد چرا فروتنی کند ہر کہ در راہ دو گام از خود پیش است رہنما بودنش بجائے خویش است۔

عجب کہ اندریں نامہ از جانب والا تبار عبد المجید خاں سلامے و پیامے مرقوم نبود خود ندانستم کہ مخدوم من کجا است در روز گارش چوں می گزرد از مرگ بینو نشین قاضی فصیح الدین بردلش چہ گزشتہ باشد باللہ قاضی فصیح الدین یارے بود عزیز و دوستے بود مہر پیشہ ہے ہے کجا رفت

وچہ شد ہنوز ہنگام مردنش بنود مخدوم مرحوم خوئے آں درشت کرد در
وطن نیاسودے و ہمیشہ رہ پیمودے، یاد دارم کہ بارہا بوے گفتہ ام
کہ از بادیہ نوردی باز آئی وچوں گوشہ و توشہ داری در وطن بیاسائی گفتہ
مراخوار داشتی بلکہ خواستی کہ مرا از جائے برانگیزد و آئین آوارگی آموزہ
و دریں بار کہ ہمانا دیدار باز پسینش بود، بمن می فرمود کہ اے خاک زمین
گر برخیز و لسبوئے حیدر آباد خرام۔ من باتو ہم بہم۔ ببیں تا چہ می کنم و
گوہر کمال ترا بکدام بہامی فروشم۔ بیا تا برگ و سازہا فراہم آوریم و زرہا
اندوزیم، ہیہات ہیہات ؎

عرفی چہ نشستہ، کہ یاراں رفتند

داستاں ایں اندوہ بدفتر گراں نہ پذیرد تا دریں یک ورق چہ قدر
تواند گنجید خدا ایش بیامرزاد و بہ فردوس بریں جادہاد مشفقی مولوی محمد
ولدار علی صاحب مذاق سلمہ اللہ تعالیٰ سلام خوانند والسلام مع الاکرام۔
از اسد اللہ نگاشتہ پنج شنبہ سوم اکتوبر ۱۸۵۰ء

جنگ بہادر نظام
الملک اسد اللہ خاں
نجم الدولہ دبیر

مفتی سید احمد خاں نے تحصیل علوم کے بعد سرکار انگریزی کی ملازمت کی جب
جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا تو وہ تحصیل داری کے منصب پر فائز تھے انگریزی
نظم و نسق کے درہم برہم ہونے پر وہ اپنے وطن بریلی آگئے اور نواب خاں بہادر خاں ناظم
روہیل کھنڈ کی قومی حکومت میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے [۵] انہوں نے جنگ آزادی

---

۵ تاریخ روہیل کھنڈ۔ عبد العزیز خاں عاصی، مکتبہ علم و فکر کراچی ۱۹۶۳ء ص ۲۱۴
مولوی محمد سلیمان بدایونی، بدایوں، ۱۸۵۷ء میں۔ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۰ء ص ۹۲

۱۸۵۷ء میں باقاعدہ حصہ لیا۔ انگریزوں کے دوبارہ اقتدار قائم ہونے کے بعد مفتی سید احمد خاں کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور جزائر انڈمان و نکوبار بھیج دیئے گئے۔

مفتی سید احمد خاں نے جزائر انڈمان و نکوبار میں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک منظوم عرضداشت لکھی، جسے شرفِ قبولیت حاصل ہوا مگر ان کو خاکِ وطن نصیب نہ ہوئی۔ رہائی کے بعد وطن آنے میں چند روز باقی تھے کہ جزائر انڈمان ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کی یہ منظوم عرضداشت قاضی عبدالجمیل جنوں نے مرزا غالب کی خدمت میں بھی بھیجی تھی۔ جس کی رسید میں غالب نے ان کو خط لکھا۔[1]

"وہ خط جس میں اشعار سید مظلوم کے تھے، مجھ کو پہنچا اور میں نے اس خط کا جواب تم کو بھیجا اور ذکر اشعار قلم انداز کیا، فارسی کیا لکھوں یہاں ترکی تمام ہے۔ اخوان و احباب یا مقتول یا مفقود الخبر، ہزار آدمی کا ماتم دار ہوں، آپ غم زدہ اور آپ غم گسار ہوں اس سے قطع نظر کر تباہ اور خراب ہوں، مرنا سر پہ کھڑا ہے پابہ رکاب ہوں۔"

غالب نے یہ مکتوب ۸ ستمبر ۱۸۵۹ء کو لکھا۔ لہٰذا اس سے قبل سید احمد خاں کا انتقال ہوا۔ سید مظلوم کو وہ منظوم عرضداشت اور کچھ کلام جو دستیاب ہوا ہے۔ درج ذیل ہے۔

قسم ہے تجھے اے نسیم سحر — مری بیکسی پہ ذرا رحم کر
میسر نہیں کوئی پیغامبر — مدینے میں ہووے جو تیرا گزر
تو میری طرف سے زمیں چوم کر — یہ کہنا بدرگاہ خیر البشر

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حالِ ما یا نبی الوریٰ[2]

---

[1] خطوط غالب (حصہ دوم) مرتبہ غلام رسول مہر ص ۲۶۴۔

[2] یہ مصرعہ مولوی محمد سلیمان بدایونی (ف ۱۹۴۳ء) نے "حیات النبی یا حیات النبی" لکھا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

شہا تیرے محکوم ہیں بحر و بر — اشارے کے تابع قضا و قدر
جو آیا یم اعجاز کا موج پر — تو سورج کو پھیرا کیا شق قمر
کیا دم میں اعمیٰ کو صاحب نظر — کیا رحم اشتر کی فریاد پر

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

صفی نورِ اطہر سے آدم ہوئے — کہ اس سے وہ مسجودِ اعظم ہوئے
اسی سے وہ رحمت سے باہم ہوئے — اسی سے گنہ ان کے سب کم ہوئے
شہا کیا کہوں مجھ پہ جو غم ہوئے — جدا مجھ سے سب یار و ہمدم ہوئے

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

جہاں نام سے تیرے آباد ہے — ہر اک دل تری یاد سے شاد ہے
بہت مجھ پہ طوفان بیداد ہے — بہت تنگ ترا جان ناشاد ہے
شہ دادگر وقت امداد ہے — خبر لیجئے جلد فریاد ہے

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

(بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ)
(۱۸۹۸ء)، مگر ہم نے ۱۸۸۱ء کی ایک قلمی بیاض ملا قادر بخش مملوکہ حکیم عبدالغفور آنولوی
بریلوی (ف ۱۹۶۵ء) سے نقل کیا ہے۔ اس بیاض میں سید احمد خاں سید کے غالب کے شاگرد
ہونے کی بھی صراحت ہے۔ مولوی محمد عمر نعیمی مراد آبادی (ف ۱۹۶۶ء) کی بیاض میں بھی یہ
مصرعہ اسی طرح ہے۔ انہوں نے یہ مناجات مولانا نعیم الدین مراد آبادی مرحوم (ف ۱۳۶۷ھ
۱۹۴۸ء) کی بیاض سے نقل کی تھی۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی مفتی سید احمد خاں
بریلوی سے کچھ دور کی رشتہ داری بھی تھی۔

بندھے بند آہن سے سب دست و پا — رہا بند یک چند آب و غذا
نہ سننا تھا جو کچھ وہ سب کچھ سنا — نہ ہونا تھا جو کچھ وہ سب کچھ ہوا
لٹا گھر دیار وطن بھی چھٹا — چھٹے سب کے سب دوست اور آشنا

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

غضب ہے کہ سیّد پہ ہو یہ جفا — جو مشہور عالم میں ہو آپ کا
نہ ہو حال پہ اس کے فضل خدا — نہ اعداء کو ہو اس کے اب تک سزا
تعجب بہت ہے کہ ہے دیر کیا — رہا کیجئے جلد مولا رہا!!

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

جہاں پر عیاں حسن اخلاق ہے — ثنا گر ترا آپ خلاق ہے
ترے نام سے روشن آفاق ہے — تری ذات احسان میں طاق ہے
اسیری بہت اس پہ اب شاق ہے — یہ سیّد رہائی کا مشتاق ہے

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

تڑپتے ہیں مجروح تیغ جفا — خط سبز سے کیجئے مرہم عطا
جمال مبارک سے دیجئے شفا — چھپاتے نہیں ہیں رخ پر صفا
مریضوں کی کرتے سب اپنے دوا — اٹھا دیجئے سب یہ رنج و بلا

نبی الوریٰ یا نبی الوریٰ
ببیں حال ما یا نبی الوریٰ

سید مرحوم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں ایک دوسرے موقع پر یوں اظہار عقیدت پیش کیا ہے[1]

[1] یہ بند ہم نے مولوی محمد عمر نعیمی مرحوم کی بیاض سے نقل کئے ہیں۔

اس غم میں کہ اُس رشکِ قمر کو نہیں دیکھا — نالے کئے کیا کہ بہت خوب سا رو دیا
اتنے میں تصور کو ذرا رحم جو آیا — نقشے کئی تصویروں کے وہ سامنے لایا
کہنے لگا یوسفؑ ہیں یہ موسیٰؑ ہیں یہ عیسیٰؑ — میں نے کہا ان میں سے کسی پر نہیں شیدا
جب سامنے کی اس نے شبیہہ شہِ بطحیٰ — بے ساختہ اس وقت زباں سے مری نکلا

دل کو مرے تسخیر کیا اُس عربی نے
مکّی، مدنی ہاشمی و مطلبی نے!

جب حشر میں ہووے گا بپا عرصۂ محشر — اور لائیں گے تشریف وہاں سارے پیمبر
عشاق سے فرمائے گا یوں خالق داور — دنیا میں کہو کس کے لئے رہتے تھے مضطر
جو شخص کہ ہے بحرِ محبت کا شناور — محبوب کا نام لائے گا اس وقت زباں پر
میں عرض کروں گا مرے مولا مرے داور — بیٹھا ہے ترے پاس جو یہ بر سرِ منبر

دل کو میرے تسخیر کیا اُس عربی نے
مکّی، مدنی ہاشمی و مطلبی نے!

سید کو بہت مضطرب الحال جو دیکھا — یاروں نے رہِ الفتِ دیرینہ سے پوچھا
. . . . — کیا رنج ہے کیا ہے سببِ گریہ و نالا
وہ کون سا محبوب ہے ہاں غیرتِ لیلیٰ — یوں قیس کی صورت ہے جو دل ہاتھ سے کھویا
خوبی میں ہے کیا حضرت یوسفؑ سے زیادہ — بولا وہ مدینے کی طرف کرکے اشارا

دل کو مرے تسخیر کیا اُس عربی نے
مکّی، مدنی ہاشمی و مطلبی نے!

"غالب نے ایک دوسرے خط میں جو منشی نبی بخش حقیر کے نام ہے، مفتی سید احمد بریلوی کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[1]

"وہ مثنوی اور اعلام نامہ میں نے تمہارے پاس بھجوایا ہے، وجہ یہ کہ

---

[1] نادراتِ غالب، مرتبہ آفاق حسین آفاق۔ کراچی (۱۹۴۹ء) ص ۵۰ (متن)

جب حضور نے حکم دیا کہ عمائد اہلِ تسنن جو اطراف و جوانب میں ہیں۔ ایک ایک نقل ان کو بھیجی جائے۔ میں نے دفتر میں بقید علی گڑھ، کول، مفتی صدر الدین خاں صاحب کا اور تمہارا نام لکھوا دیا اور رکابی میں نواب انوار الدولہ اور بریلی میں سید احمد کا نام لکھوا دیا اور کوئی ایسا سنی گرامایہ میرے ہاتھ نہ آیا۔"

۲۔ مولوی سلطان حسن خاں سلطان

بدایوں کے مشہور عثمانی خاندان[۱] کے ایک رکن مفتی درویش محمد حافظ الملک (ف ۱۷۷۴ء) کے زمانے میں مفتی مقرر ہوئے[۲] ۱۸۲۳ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ مفتی درویش محمد کی زوجۂ اول سے پانچ فرزند مفتی عبد الغنی، قاضی امین الدین، مولوی حبیب الدین، مولوی وجیہ الدین اور مولوی محمد احمد پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے مولوی محمد انجب اور مفتی محمد عوض ہوئے آخر الذکر وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۸۱۶ء میں انگریزوں سے جہاد کیا[۳]۔

لہ خاندانی تذکروں کے مطابق اس خاندان کے پہلے بزرگ ننھیال قطری لاہور و دیوبند ہوتے ہوئے بدایوں پہنچے۔ یہ زمانہ شمس الدین التمش کا بیان کیا جاتا ہے (طوالع الانوار، مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۸۹ھ (از مولوی انوار الحق) ص ۵۔ حصہ اول

اکمل التاریخ۔ محمد یعقوب ضیا قادری۔ مطبع قادری بدایوں ۱۳۳۳ھ ۲۰۔۲۱)

ابو الکمال سید عبد الودود بریلوی کا یہ بیان درست نہیں ہے کہ اس خاندان کے بزرگ شاہانِ مغلیہ کے زمانے میں مصر سے ہندوستان (بریلی) پہنچے (گلدستۂ مشاعرہ بریلی، ماہنامہ کمال دہلی جنوری ۱۹۱۲ء) یہی بیان مانک رام نے (تلامذۂ غالب ص ۶۶) در مولانا غلام رسول مہر نے (خطوطِ غالب جلد دوم، ص ۴۵۷) دہرا دیا ہے۔

سہ مفتی ولی اللہ فرخ آبادی عہد بنگش کی سیاسی علمی اور ثقافتی تاریخ (مرتبہ محمد الیب قادری۔ ص ۲۰۹

۱۸۱۶ء میں انگریزوں سے جہاد کیا[۱] مفتی عبدالغنی کی اولاد میں مولوی سلطان حسن ' سلطان بریلوی تھے ، سلسلہ اس طرح ہے ۔ مولوی سلطان حسن ابن مولوی احمد حسن ابن مولوی ابوالمعانی ابن مفتی عبدالغنی ۔

منشی ودلیش کے صاحبزادے محمد امجد کی اولاد میں مرزا غالب کے دوسرے نامور شاگرد خان بہادر قاضی عبدالجمیل جنوں (ف ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء) تھے[۲]

مولوی سلطان حسن کے دادا مولوی ابوالحسن نامور عالم مفتی وقت اور شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی (ف ۱۲۳۵ھ) کے مرید و مجاز تھے شعر وشاعری کا ذوق تھا حسن تخلص کرتے تھے ۔ ان کی ایک فارسی غزل مؤلف اکمل التاریخ میں نقل کی ہے ، جس کا مطلع ہے[۳]

مژدہ یاراں کہ پری خانہ رواں خواہم شد ، شیشہ در دست حریفانہ رواں خواہم شد

مولوی سلطان حسن کے والد مولوی احمد حسن خاں صدر الصدور تھے ، جن کا انتقال یہاں ۱۲۷۳ھ میں ہوا[۴]

مولوی سلطان حسن کے حقیقی چچا مولوی محمد حسن خاں بھی عالم وفاضل تھے حکومت انگلشیہ کی طرف سے صدر الصدوری کے منصب پر فائز رہے ۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ رکھتے تھے ۔ ان کی تصانیف (۱) رسالہ اصل الاصول (نحو) (۲) غایۃ الکلام ۔ فی حقیقۃ التصدیق عندالحکماء والامام (۳) منہاج المواج شرح

---

[۱] مفتی محمد عوض کے لئے دیکھئے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از محمد ایوب قادری (پاک اکیڈمی ۱۹۷۶ء) ص ۵۰-۵۱

[۲] اکمل التاریخ ص ۴۲

[۳] اکمل التاریخ ص ۴۲

[۴] اکمل التاریخ ص ۴۲

معارج العلوم (عربی منطق) (۴) صلوٰۃ محمدیہ مع کلمات زکیہ (اوراد) (۵) زورق الزاہب فی بحر المذاہب (فارسی علم کلام) چمنستان چمن (مجموعہ کلام فارسی واردو) مطبوع ومشہور ہیں۔

محمد حسن خاں صدرالصدور کا تقریباً ۱۸۷۳ء میں انتقال ہوا[1] ان کو شعروشاعری کا بھی ذوق تھا۔ اسیر تخلص کرتے تھے[2] مرزا غالب سے تعلقات تھے۔ جب مرزا غالب دوسرے سفر میں رام پور سے دہلی واپس ہوئے تو بسبب علالت مولوی محمد حسن خاں بریلوی صدرالصدور مرادآباد کے یہاں پانچ دن (دسمبر ۱۸۶۵ء کے بالکل آخری دن اور جنوری ۱۸۶۶ء کے ابتدائی دن مقیم رہے جیسا کہ انہوں نے نواب کلب علی خاں والی رام پور (ف ۱۸۸۷ء) کو لکھا ہے[3]

"مولوی محمد حسن خان بہادر صدر الصدور آئے اور مجھے اپنے گھر لے گئے پانچ دن وہاں رہا۔ بھائی نواب مصطفیٰ خاں وہیں آکر مجھ سے ملے"

منشی ہرگوپال تفتہ کو لکھتے ہیں[4]

"بعد روانگی کے مرادآباد میں پہنچ کر بیمار ہو گیا۔ پانچ دن صدرالصدور

---

[1] مکاتیب غالب (متن) ص ۱۵۸ معلوم نہیں ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے کس بنیاد پر مفتی صاحب کا سال انتقال ۱۸۶۸ء لکھ دیا ہے (ملاحظہ ہو۔ بریلی کے خاندان مفتیاں کی شاعری کا مختصر جائزہ۔ از ڈاکٹر لطیف حسین ادیب۔ معارف اعظم گڑھ، اگست ۱۹۶۷ء ص ۱۰۸، ۱۰۹

[2] ملاحظہ ہو تذکرہ نادر از مرزا کلب حسین نادر (مرتبہ مسعود حسن رضوی لکھنؤ ۱۹۵۷ء) وسخن شعرا

[3] مکاتیب غالب (عرشی) متن ص ۸۴

[4] خطوط غالب (مہر) جلد اول ص ۲۱۷

صاحب کے یہاں بیمار پڑا رہا، انہوں نے بیمارداری اور غمخواری بہت کی۔"

مولوی سلطان حسن ۱۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے[1] بریلی کے عمائد و روساء میں تھے، حکومت انگلشیہ کی طرف سے اعلیٰ مناصب پر فائز رہے۔ مولانا فضل حق خیرآبادی (ف ۱۲۷۸ھ) کے سلسلۂ تلامذہ میں تھے[2] آگرہ میں سب جج رہے مولوی محمد یعقوب ضیاء قادری بدایونی لکھتے ہیں[3]

"مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی سے آپ سے علمی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی چنانچہ دونوں صاحبوں کا ایک زبردست مکالمہ رسالے کی صورت میں چھپا ہے۔"

ہمارے کتب خانے میں مولوی سلطان حسن کا یہ رسالہ مطبوعہ موجود ہے۔ اس کا سرورق غائب ہے "خاتمۃ الطبع" کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے جس سے پوری کیفیت واضح ہو جاتی ہے کہ مفتی سعد اللہ مرادآبادی نے مولانا فضل حق خیرآبادی کی مشہور کتاب ہدیہ سعیدیہ پر بعض اعتراضات کئے تھے، ان اعتراضات کے جواب میں مولوی سلطان حسن نے یہ رسالہ لکھا ہے، خاتمہ طبع کی عبارت یہ ہے[4]

وبعد فھذہ رسالۃ شیقۃ ومجالۃ انیقۃ حررھا الفاضل العلام الجر الزکی القمقام مولانا المولوی ..... سلطان حسن البریلوی لازال راشدا لکل غی وغوی مجیباً عما اورد العالم المتورع المتزھد المتبرع مولانا المولوی المفتی

---

[1] تاریخ روہیل کھنڈ ص ۲۰۳

[2] مولوی عبدالشاہد خاں شروانی نے ان کا نام "سلطان احمد" لکھ دیا ہے جو درست نہیں ہے (باغی ہندوستان بجنور ۱۳۸۷ھ ص ۲۳۴)

[3] اکمل التاریخ ص ۴۲

[4] رسالہ مولوی سلطان حسن، مطبوعہ مطبع شعلۂ طور کانپور ۱۲۸۸ھ ص ۱۸۰

محمد سعد اللہ المراد آبادی ایدہ اللہ بالایادی علی البعض عبائر الہدیۃ السعیدیہ فی الحکمۃ الطبیعیہ ولقد اصاب واجاد فیہا اجاب وافاد فللہ درہ من مجیب ارشد وافہم وسکت المورد وافہم بتحقیقات لائقہ وتدقیقات فائقہ جزاہ اللہ خیر الجزا وانعم علیہ بالاجزا قد طبعت فی المطبع الملقب بشعلۂ طور الواقع فی بلدہ کانفور فوافی طبعہ بالتمام فی شہر المحرام الحرام سنت الف ومائتین وثمان وثمانین من ہجرت ۔ سید النبین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام الی یوم الدین ۔ سعیدیہ

مولوی سلطان حسن ملازمت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی رکھتے تھے ان کے تلامذہ میں مولوی ہدایت علی بریلوی مولوی بشیر الدین قنوجی اور مولوی غلام بسم اللہ بسمل خاص طور سے قابل ذکر ہیں[۱]

منشی عبد العزیز خاں عاصی مؤلف تاریخ روہیل کھنڈ لکھتے ہیں[۱]

"قصیدہ بردہ اور بانت سعاد آپ سے یادگار ہیں"

مفتی سلطان حسن نے قصیدہ بردہ وقصیدہ بانت سعاد کی شروح لکھی ہیں ان کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ہمارے پاس محفوظ ہے جس کے دو شعر درج ذیل ہیں ۔

تمہارے فضل ہیں سب سے مرا تیری فائق ہے ۔۔۔ نہیں امت میں بدکردار مجھ سا یا رسول اللہ
مدینہ کی گدائی ہو کہیں سلطان کو حاصل ۔۔۔ ملے بہر حسن اس کو یہ حصہ یا رسول اللہ

۱۲۹۹ھ میں دہلی میں مولوی سلطان حسن کا انتقال ہوا اور حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمۃ کے جوار میں دفن ہوئے ۔ حافظ غلام رسول ویراں نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے ۔

---

[۱] تاریخ روہیل کھنڈ ص ۲۷۳

قطعہ

مولوی سلطان حسن خان عالم نیکو عمل | چوں سفر کردند از دنیا سوئے دار النعیم
بہر سال رحلت الیشاں بگوش دل رسید | این ندا آز عالم بالا " لہم اجر عظیم

(۱۲۹۹ھ)

مفتی سلطان حسن کی ایک صاحبزادی اور پانچ صاحبزادے تھے۔ صاحبزادی، قاضی محمد خلیل حیراں (ف ۷، جنوری ۱۹۳۹ء) ابن قاضی عبدالجلیل جنوں کو منسوب تھیں صاحبزادگان میں مفتی حبیب الحسن احسن اور مفتی عماد الحسن محو نے شہرت پائی۔ احسن علامہ بسم اللہ بسمل کے شاگرد تھے اور قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے تھے، وہیں انتقال ہوا۔ عماد الحسن محو ۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (۲۴ ستمبر ۱۹۲۶ء) کو فوت ہوئے ان کے صاحبزادے صابر حسن شیوا قیام پاکستان کے بعد بریلی کی سکونت ترک کر کے کراچی آ گئے تھے ۶ نومبر ۱۹۷۵ء کو ان کا انتقال ہوا[1]

مالک رام صاحب نے بلا حوالہ سلطان حسن مرحوم کا تخلص احسن لکھ دیا ہے۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر لطیف حسین نے بھی یہی بات دہرا دی ہے[2]

۲۔ مولوی محمد حسین تمنا

مراد آباد کے قدیم باشندے تھے۔ علوم مروجہ کی باقاعدہ تعلیم و تحصیل کی شعر و ادب میں اس زمانے کے مشہور شاعر شیخ مہدی علی خاں ذکی (ف ۱۲۸۳ھ) کے شاگرد تھے مراد آباد میں ذکی کے چار شاگرد محمد حسین تمنا، کفایت علی کافی[3] معین الدین

---

[1] شیوا بریلوی کے حالات کے لئے دیکھئے راقم کا مضمون "شیوا بریلوی" "العلم" کراچی ۱۹۸۰ء

[2] ڈاکٹر لطیف حسین ادیب ص ۱۱۲

[3] مراد آباد کے ساکن، عالم، شاعر اور مجاہد تھے جنگ آزادی میں ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا اور ۱۸۵۸ء میں شہید ہوئے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (محمد ایوب قادری ص ۵۶۱ - ۵۶۶۔

نزہت[1] اور شبیر علی خاں تنہا[2] "چار یار" مشہور تھے۔

ایک اندازے کے مطابق تمنا کی پیدائش ۱۲۲۷ھ کے قریب ہوئی۔ مولوی محمد حسین مراد آبادی لکھتے ہیں[3]

"شیخ محمد حسین تمنا در یں شہر ہستند تعلیم باطن شیخ را وسیلہ نجات خود دانستہ در ورزش آں مشغول اند و آزاد مجرد در گوشہ تنہائی زیست می کنند و اوقات مستعار خود را در تلاوت کلام اللہ و مطالعہ کتب فقہ وغیرہ می گزارند و در فن شاعری بزبان فارسی و اردو نظیرے ندارند و صاحب دیوان فارسی و اردو ہستند"

نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی لکھتے ہیں[4]

"شیخ محمد حسین متخلص بہ تمنا ساکن مراد آباد اند و نسبت تلمذ در شعر گوئی فارسی باستاد العصر مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی دارند کلام ایشاں در نثر فارسی رحیقے است سلسال و سخن ایشاں در نظم دری جوہری است بے مثال۔ چند سال شد کہ بحیدرآباد دکن بتلاش معاش رفتہ بودند در آنجا صورت روزگار نشد وزیر بار شدہ مراجعت بوطن نمودند وقتے کہ در بلدۂ بھوپال رسیدند فقیر صحبت چند ایشاں دریافت و از اخلاق حمیدہ و

---

[1] معین الدین نزہت ابن امین الدین راسخ مراد آباد کے قدیم باشندے ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں انتقال ہوا۔ ان کا دیوان نزہت الناظرین مطبوعہ ہے۔ ان کے نامور فرزند مولانا نعیم الدین مراد آبادی تھے۔

[2] مراد آباد کے مشہور فاروقی خاندان کے رکن تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔

[3] انوار العارفین۔ از مولوی محمد حسین مراد آبادی۔ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۹۰ھ ص ۵۰۷ - ۵۰۸

[4] تاریخ قنوج (قلمی) از نواب صدیق حسن خاں شروانی کلیکشن، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ص ۸۸

نیز دیکھئے ماہنامہ "سرحد" کراچی جولائی سنہ ۱۹۶۳ء

خصائل سنجیدہ ایشاں خیلے محظوظ گردید"۔

نواب صاحب نے شمع انجمن میں بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا ہے[۱]۔

مولوی محمد حسین تمنا، مشہور شیخ طریقت شاہ عبدالغنی مجددی[۲] سے نقش بندی سلسلے میں بیعت تھے۔ اپنا تمام وقت تذکرہ عبادت میں گزارتے تھے۔ محلہ رفعت پورہ (مراد آباد) میں ان کا قیام تھا۔ جس مسجد میں وہ وعظ کہتے تھے، وہ مسجد "مسجد مولوی محمد حسین تمنا" کے نام سے مشہور ہے۔

مولوی محمد حسین تمنا نے اپنے کلام میں اکثر جگہ اپنے شیخ کا ذکر کیا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں۔

حاصل نہ کیوں ہو مجھ کو تمنا غنائے دل — عبدالغنی ہے نام مرے دستگیر کا

مرض دور ہوتے ہیں واں جسم و جاں کے — مدینہ بھی کیا طرفہ دارالشفاء ہے
ملا ہے اسے گنج نعمت نبی ؐ کا — کہ عبدالغنی شاہ کا یہ گدا ہے

۱؎ شمع انجمن۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ ص ۱۰۰ - ۱۰۱

۲؎ شاہ عبدالغنی مجددی بن شاہ ابوسعید ۱۲۳۵ھ، ۲۰ - ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ نامور علما و مولانا مخصوص اللہ اور شاہ محمد اسحاق وغیرہ سے تکمیل علوم کی مجددی نقش بندی سلسلے کے مشہور شیخ طریقت تھے۔ سنن ابن ماجہ کا ایک ذیل انجاح الحاجہ لکھا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ فتویٰ جہاد پر دستخط کیے پھر سقوط دہلی کے بعد مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ۱۲۹۶ھ، ۱۸۷۸ء میں انتقال ہوا۔ یوسف الیان سرکیس نے ان کو شاہ عبدالغنی ابن شاہ ولی اللہ سمجھ لیا ہے (معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ جلد اول مصر ۱۳۴۶، ص ۱۸۸۰ میں ملاحظہ ہو۔ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص - ۳۱ -

عبدالغنی تو باشی و من بردرت فقیر　　محروم چوں روم زسر آستان تو
سرگرم رتبۂ نعلین اومی داشت می سودم　　بپائے حضرت عبدالغنی پاک دامانش

مولوی محمد حسین تمنا نے اپنے شیخ طریقت کی مدح میں فارسی میں کئی قصیدے لکھے ہیں اور ایک طویل قصیدہ (۹۳) اشعار کا اردو زبان میں لکھا ہے۔ اس قصیدے کے شروع اور آخر کے چار چار اشعار درج ذیل ہیں۔

میری ہشتاد سالہ عمر اور ضعف مرض اس پر　　کہاں یارا ہے میرے سر میں اس مدحت سرائی کا
دعا سے اک امام اولیاء کے ہے یہ مداحی!　　زمانے میں ہے روشن نام جن سے پارسائی کا
شہ عبدالغنی قطب زماں و عرف و اکمل　　انہیں پر خاتمہ اب ہے کمال رہنمائی کا
زخود فانی بحق باقی زخود غافل بحق شاغل　　وہاں تو نام بھی باقی منی کا تھا نہ مانی کا
وہ ایسے نقشبندی ہیں کہ نقش اسم ذات حق!　　ہزاروں دل پہ ہے لکھا ہوا، ان کی لکھائی کا
میں کیا لکھوں کہ واقف ہی نہیں انکے مراتب سے　　ثنا ان کی ہے منصب شبلی و داؤد طائی کا
مرے مرشد مرے ہادی مرے مولا مرے آقا　　مسلم جن کو منصب اولیاء کی پیشوائی کا
تمنا تجھ کو ان کے خاک پا سے بھی نہیں نسبت　　غلام ان کا بنا شیوہ لیا یہ خودستائی کا

تمنا کی تمام شاعری مدحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبارت ہے وہ نعت گوئی میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ سیدھے سادے الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ بندی الفاظ، سادہ تراکیب اور سامنے کے تشبیہات اور استعارے استعمال کرتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ اور متعلقات ذات اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے ان کے قلب و روح کو ایک خاص کیف حاصل ہوتا ہے۔

مولوی شاہ اسماعیل دہلوی (ف ۱۸۳۱ء) کی کتاب تقویت الایمان کی بعض عبارتوں پر مولانا فضل حق خیر آبادی نے اعتراضات کئے اور خاص طور سے اس عبارت "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ..... کی برابر کے پیدا کر ڈالے" پر امکان نظیر اور امتناع نظیر کی بحث شروع ہوگئی۔ پھر اس سلسلے میں طرفین سے بہت سے

رسالے لکھے گئے اور نصف صدی سے زیادہ یہ مسئلہ تازہ رہا۔ یہاں تک کہ مولانا
فضل حق خیرآبادی نے اس بحث میں مرزا غالب کو بھی گھسیٹ لیا اور اپنی تائید میں
ان سے ایک فارسی مثنوی لکھوائی[1]۔ اس مسئلے میں مولوی محمد حسین تمنا مولانا فضل حق
خیرآبادی کے ہم نوا اور مؤید تھے۔ انہوں نے اپنے اردو کلام میں امتناع نظیر کی
کھل کر وضاحت و حمایت کی ہے۔ ہمارے خیال سے شاید ہی کسی شاعر نے اردو
میں اس مسئلہ پہ اس بلند آہنگی سے اظہار خیال کیا ہو۔

اس زمانے کے کلامی مباحث میں حیات النبی اور علم غیب کا مسئلہ بھی
زیر بحث و گفتگو تھا۔ اگرچہ مذہبی حلقوں میں آج بھی کہیں کہیں ان مباحث کی
صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس سلسلے میں تمنا کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حیات النبیؐ

جب دوستوں نے ان کو حیات النبی کہا
جیتے ہی جی تمام بھر بد اندیش مرگئے!

علم غیب

ازل کا ماجرا ظاہر ابد کا حال روشن ہے نہ پوچھو علم آں اللہ کے شاگرد ارشد
تمنا نے اپنے کلام میں جابجا ہندی الفاظ استعمال کئے ہیں اور خوب کئے ہیں
اشعار ملاحظہ ہوں۔

کیا وصف لکھوں فرش حریم نبوی کا وہاں اطلس گردوں ہے ادھورا ٹکڑا

مشہور نام ہند میں جس کا اکاس ہے لنگر کا شاہ دین کے وہ چھوٹا سا طاق

وہ رحمت خدا ہے نہ ہو اس سے نا امید مومن نہیں جو رحمت حق سے نراس ہو

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ مثنوی غالب در تائید مسائل اختلافیہ العلم۔ کراچی غالب نمبر

گیسوئے مصطفیٰ کا غسالہ جہاں پڑے ۔۔۔ واں بوئے مشک ناب بھی لہسن کی باس ہے

وہ دو چار زخموں سے وقت ضرورت ۔۔۔ کئی دن کے بھونکے جھکادیں ہزاروں

مولوی محمد حسین تمنّا کا ۱۳۱۷ھ میں انتقال ہوا۔ مرزا نصیر الدین برلاس مرادآبادی (ف ۱۹۰۹ء) لکھتے ہیں [۱]

"اس سال (۱۳۱۷ھ میں) نوے سال کی عمر میں اُن (تمنّا) کا انتقال ہوا جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصائد اور غزل خوب کہتے ہیں۔"

منشی امیر احمد مینائیؒ (ف ۱۳۱۸ھ / ۱۹۰۰ء) نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا ہے۔

شوق دیدار الٰہی میں پڑھتی رہی روح ۔۔۔ آخر اس دھن میں سوئے خلد بریں جا نکلی

سال رحلت جو کہا ہاتف غیبی نے امیرؔ ۔۔۔ جان کیا نکلی تمنّا کی تمنّا نکلی

۱۳۱۷ھ

قصائد تمنّا

تمنّا کے فارسی قصیدے "قصائد تمنّا" کے نام سے مطبع منشی ہرنام سروپ (لکھنؤ) میں طبع ہو چکے ہیں۔ ہمیں اس کتاب کا ایک ناقص الآخر نسخہ ملا ہے اس لئے سنہ طباعت اور مقام طباعت کی وضاحت نہ ہو سکی۔ ان قصائد میں تین قصیدے تمنّا نے اپنے مرشد شاہ عبدالغنیؒ کی شان میں لکھے ہیں۔ اور بقیہ تمام قصائد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہیں۔ ان قصائد کے ملاحظے کے بعد شاہ عبدالغنیؒ نے تمنّا کو دعا دی [۲]

---

[۱] مرزا نصیر الدین، وقائع نصیر خانی (مترجمہ و مرتبہ محمد ایوب قادری) مشمولہ علم و عمل وقائع عبدالقادر خانی جلد دوم) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء ص ۹۹

[۲] مولوی محمد حسین تمنّا کا اردو کلام دو جلدوں میں خطی صورت میں ہمارے دوست مولوی محمد اطہر نعیمی صاحب کے پاس ہے۔ اس کے آخر میں یہ دونوں تحریریں شامل ہیں۔

" بہ بشارت " اللھم ایدہ بروح القدس " مبشر باشد ۔

یہ وہ دعا ہے ، جو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان رضؓ کو دی تھی ۔ مرزا غالب نے ان فارسی قصائد کو دیکھ کر اپنے ایک مکتوب میں تمنا کو لکھا کہ [1]

" نظم نظامی نظام را دیدم بسیار خوب خوش اسلوب است من نیز مداح ایں قصیدہ ام "

اردو دیوان تمنا کا اردو دیوان ۱۸۹۷ء میں طبع ہوا ہمیں ان کا اردو کلام دو جلدوں میں قلمی صورت میں مولوی محمد اطہر نعیمی صاحب سے ملا ہے جس کے لئے ہم ان کے شکر گذار ہیں ۔

۴ ۔ خان بہادر منشی سخاوت حسین مدہوش

بدایوں کے ایک انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے ، شروع دور اسلامی میں ان کے بزرگ یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے ، مدہوش کے دادا میاں جی عبدالملک انصاری مرحوم اپنے دور کے نامور شیخ طریقت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی (ف ۱۲۳۵ھ) کے مرید و خلیفہ تھے ، میاں جی عبدالملک کی زندگی زیادہ تر درس و تدریس اور تذکیر و سیاحت میں گزری ۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۵۸ھ کو میاں جی عبدالملک کا انتقال ہوا اور وہ اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے ۔ [2]

میاں جی عبدالملک کے تین صاحبزادے (۱) امان اللہ حسین عرف خلیفہ تلو (۲) امداد حسین اور (۳) شیخ عنایت حسین تھے ۔ آخر الذکر شیخ عنایت حسین خاں

---

[1] ایضاً

[2] تذکرۃ الواصلین ۔ از مولوی رضی الدین بسمل ۔ (طبع دوم نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء) ص ۲۴۵ ۔

بہادر منشی سخاوت حسین مدہوش کے والد تھے۔

سخاوت حسین مدہوش بدایوں میں ۱۸۲۶ء میں پیدا ہوئے[1] مدہوش نے مروجہ طریقے کے مطابق عربی و فارسی کی تحصیل کی۔ ان کی تعلیم و تحصیل کی تفصیلات نہیں ملتیں۔ قانون کا امتحان پاس کرنے کے لئے انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ مدہوش کے اساتذہ میں مولوی حکیم سعید الدین کامل (ف ۱۲۱۶ھ) کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ چنانچہ حکیم سعید الدین کے صاحبزادے مولوی رضی الدین بسمل (ف ۱۹۲۵ء) کی کتاب تذکرۃ الواصلین پر تقریظ لکھتے ہوئے مدہوش لکھتے ہیں[2]

"یہ سب کچھ میرے معظم و مکرم استادان (مولوی رضی الدین) کے والد ماجد حکیم مولوی محمد سعید الدین صاحب مرحوم و مغفور کا فیض و برکت ہے کہ جو باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب دولت ہونے کے نہایت منکسرانہ اور بزرگانہ روش پر زندگی بسر کرتے تھے۔ کبھی اظہار کبر و خودنمائی کو کام نہ فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ جناب حکیم صاحب موصوف خدا پرستی اور نیک مزاجی میں اپنی مثال آپ تھے۔"

جنگ آزادی ۵۸-۱۸۵۷ء کے بعد منشی سخاوت حسین مدہوش نے شاہجہانپور میں وکالت شروع کی۔ کیونکہ اس زمانے میں ضلع بدایوں، شاہجہان پور کے حلقہ ججی میں شامل تھا۔ وہ نہایت کامیاب وکیل ثابت ہوئے۔ "خان بہادر" کا خطاب پایا۔ بلکہ بدایوں کے سب سے پہلے خان بہادر وہی تھے۔ ان کے نواسے حاجی

---

[1] رقعات مدہوش۔ مرتبہ حاجی حامد سعید خاں نودتی۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۶۳ء ص ۵۴ غالب کی نادر تحریریں۔ از ڈاکٹر خلیق انجم۔ مکتبہ شاہراہ دہلی ۱۹۶۱ء، ص ۱۴۹) نے سال پیدائش ۱۸۲۰ء لکھ دیا ہے۔

[2] تذکرۃ الواصلین (طبع اول) مولوی رضی الدین بسمل منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پریس لکھنؤ ۱۳۱۸ھ ص ۲۶۶، ناشر طبع دوم نے یہ تقریظ شامل نہیں کی ہے۔

حامد سعید خاں صاحب لودی لکھتے ہیں ؎ [1]

"قبلہ مدہوش موصوف گو ایک متوسط طبقے کے فرد تھے لیکن آپ نے اپنی محنت، لیاقت، حسن اخلاق اور جوہر انسانیت کے باعث بندگان خدا میں ہر دل عزیزی حاصل کی۔ آپ برسوں میونسپلٹی شاہجہاں پور کے وائس چیئرمین رہے ہندو مسلم اتحادی بورڈ [2] اور تعلیم کے صدر رہے نیز اعزازی اسپیشل مجسٹریٹ رہے، ہر طبقے اور ہر مذہب کے ہندوستانی اور فرنگی معززین موصوف کی بڑی قدر اور عزت کرتے تھے، وہ ان مٹھی بھر لوگوں میں تھے، جنہوں نے کانگرس کی بنیاد ڈالی۔ [3]

مدہوش، محلہ چاہ میر (بدایوں) میں رہتے تھے انہوں نے اپنے جدی مکان کے سامنے ایک اور مکان نہایت مستحکم تعمیر کرایا۔ اور جدی مکان کی جانب شرق ایک کوٹھی بنوائی۔

مدہوش بدایونی سرسید احمد خان بہادر اور ان کی علی گڑھ تحریک سے بہت متاثر تھے اور وہ اس تحریک سے آخر وقت تک وابستہ رہے۔ آل انڈیا محمڈن اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس کے چودھویں اجلاس منعقدہ رام پور ۱۹۰۰ء میں بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۰۰ء کو تقریر کرتے ہوئے فرمایا [4]

---

[1] (تعارف) رقعات مدہوش، ص ۱۰-۱۱

[2] اس زمانے میں ہندو مسلم اتحادی بورڈ کا وجود سمجھ میں نہیں آیا۔

[3] کانگریس کی بنیاد ڈالنا بھی سمجھ میں نہیں آیا، خاں بہادر سخاوت حسین شروع سے سرسید احمد خاں کی تحریک کے حامی تھے۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے سرگرم کارکن تھے جو کانگریس کے توڑ پہ ۱۸۸۶ء میں قائم ہوئی تھی۔

[4] رپورٹ محمڈن اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس، چودھواں اجلاس منعقدہ رام پور ۱۹۰۰ء (مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۱ء) ص ۲۳۹ - ۲۴۰

"چونکہ سرسید احمد خاں کو میں نے دیکھا ہے۔ اس لئے میں کچھ کہنے کو کھڑا ہوں ۱۸۶۴ء سے میری اور سرسید احمد خاں کی ملاقات تھی۔ میرے خطوط کے جواب میں وہ اکثر مرحبا اور جزاک اللہ لکھا کرتے تھے۔"

آخر میں کہتے ہیں [1]

"باقی میں تو سید صاحب کا معتقد مثل ان لوگوں کے ہوں جیسے فتح مکہ کے قبل کے مسلمان تھے۔"

رام پور میں کانفرنس کے ایک غیر معمولی اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے جو کچھ فرمایا۔ اس کی تفصیل کے لئے کانفرنس کی رپورٹ کے متعلقہ صفحات دیدنی ہیں [2]

اس اجلاس میں ایک رزولیشن

"اس کانفرنس کی ایک رائے ہے کہ مسلمانوں میں تعلیم قانون بہت کم ہو گئی ہے۔ اس کو ترقی دینے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے۔"

پر تقریر کرتے ہوئے خان بہادر منشی سخاوت حسین مدہوش نے سر انیٹی میکڈانل کے ایک استفسار کے جواب کا حوالہ دیتے ہوئے پرانے وکلاء کی زبوں حالی کا ذکر کیا اور پھر فرمایا [3]

"لہٰذا ضرورت ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کو قانونی تعلیم دی جائے تاکہ لائق مسلمان آئندہ سربرآوردہ وکیل ہو سکیں۔ لہٰذا میں اس رزولیشن کی تائید کرتا ہوں اور دو سال کے لئے دس روپے ماہوار کا ایک اسکالرشپ دوں گا۔"

---

[1] رپورٹ محمڈن اورینٹل کانفرنس (اجلاس رام پور ۱۹۰۰ء) ص ۔ ۲۴۰

[2] رپورٹ محمڈن اورینٹل کانفرنس (اجلاس رام پور ۱۹۰۰ء) ص ۔ ۴۰

[3] رپورٹ محمڈن اورینٹل کانفرنس (اجلاس رام پور ۱۹۰۰ء) ص ۱۰۸

نواب محسن الملک مرحوم (ف ۱۹۰۷ء) کا ایک خط منشی سخاوت حسین مدہوش کے نام ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علی گڑھ تحریک سے گہری دلچسپی اور تعلق رکھتے تھے۔ نواب محسن الملک کا خط درج ذیل ہے [1]

جناب والا! آپ کی بے انتہا کوششوں کا میں بہت مشکور ہوں اگر قوم میں آپ جیسے لوگ موجود ہوں تو ہندوستانی موجودہ پستی کی حالت میں ہرگز نہ رہیں۔ میرا مقصد فروری کے مہینے میں روہیل کھنڈ میں دورہ کرنے کا ہے۔ بدایوں، مرادآباد وغیرہ میں بلا آپ کی امداد کے کامیابی ہونا محال ہے۔ مہربانی فرما کر تحریر فرمایئے کہ کون سی تاریخیں بدایوں کے جلسے کے لئے زیادہ مفید ہوں گی۔ امسال کانفرنس کلکتہ میں ہوگی اور اس کے فوراً ہی بعد میموریل فنڈ کا اجلاس ہوگا امید ہے کہ آپ اس کانفرنس میں شامل ہوں گے

آپ کا خادم

(محسن الملک)

قاضی سجاد حسین بسمل بدایونی کے مکتوب کے حوالے سے مالک رام صاحب نے "تلامذہ غالب" میں خاں بہادر منشی سخاوت حسن مدہوش بدایونی کا صرف نام لکھا ہے [2] ان کو حالات بالکل نہ مل سکے۔ مدہوش کے نواسے حاجی حامد سعید خاں صاحب لودی لکھتے ہیں [3]

خان بہادر منشی سخاوت حسین صاحب مدہوش (۱۸۲۷ء ، ۱۹۰۱ء) حضرت غالب فردوس مکانی کے، مولوی عزیز الدین عزیز بدایونی کی طرح

---

[1] رقعات مدہوش ص ۷۲

[2] تلامذہ غالب ص ۲۵۰

[3] تعارف رقعات مدہوش ص ۵۔

ایک نہایت صاحب تمیز تلمیذ تھے۔"

مدہوش کو اردو اساتذہ کے بہت سے اشعار یاد تھے اور اپنے استاد غالب کا تو بیشتر کلام یاد تھا بلکہ وہ اپنی صاحبزادی مسماۃ نیاز رسول کو اپنے استاد کا کلام یاد کرواتے تھے۔ نیاز رسول کے صاحبزادے حاجی حامد سعید خاں لودی لکھتے ہیں [1]

"اپنے استاد حضرت غالب کا اچھا شعر یاد کرنے پر اپنی بیٹی کو بغرض دل افزائی ہمیشہ روپے سے اشرفی تک انعام دیا کرتے تھے۔ اس طرح نیاز رسول غالب کے کلام کی حافظ ہوگئی تھیں۔"

مدہوش کے فارسی رقعات کا ایک مجموعہ شائع ہوا ہے۔ اس میں ایک خط حضرت غالب دہلوی کے نام ہے۔ اس سے اُن کے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے [2]

مہربان فصیح زبان والی ملک نظم و نثر۔

شعر

بیاں شوق چہ حاجت کہ سوز آتش دل
تواں شناخت بسوزے کہ در سخن باشد

نامہ محبت نگار بعین انتظار معہ غزلہائے اردو و قصیدہ فارسی و پنج آہنگ، خویش از مشرق تا بہ مغرب رسیدہ پر تو افروز وصول آورد، تارک تفاخر بر فرق فرقداں رسانیدہ بے تکلف می نگارم کہ در ریختہ ناسخ را نسخ ساختہ، سخن آتش در آتش انداختہ و لذت شعر ذوق را بے ذوق نمودہ، خوشا قسمت خاقانی و انوری و عرفی کہ در زمان حال موجود نیستند۔ اگر بودے مقابلہ نظم قصیدہ را بودے و در دبر وئے نثر نامہ پر نور را نثر ظہوری بے ظہور، اینکہ کلمہ چند بطور توصیف بلکہ مرزا صاحب اسد اللہ خاں غالب از زبان بندہ می گویند۔

---

[1] رقعات مدہوش ص ۱۵۔

[2] رقعات مدہوش ص ۴۶ ۔ ۴۷

مثنوی

طرز اندیشہ آفریدۂ اوست | در تن لفظ جان دمیدۂ اوست
پشت معنی قوی زپہلویش | خامہ لا فربہی زبانز ویش

نقول رقعات او زود تر مرزا صاحب عنایت فرمایند و یاد بندہ فراموش خاطر دارند" اسی طرح مرزا غالب کا بھی ایک خط ان کے نام ہے جو درج ذیل ہے [۱]

مشفقی مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

سبحان اللہ آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں اپنے کو لغزیں کروں اگر شتاب نہ لکھوں اس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمہارا خط دیا ادھر پڑھا ادھر جواب دینے کا قصد کیا میں ایک شخص گوشہ نشیں فلک زدہ اندوہ گیں نہ اہل دنیا نہ اہل دیں مجھ جیسے نکمے آدمی کا جو کوئی مشتاق ہو ظاہرا تم خود مجمع اخلاق ہو ورنہ کیوں تم کو یہ اس قدر اشتیاق ہو۔ ہاں ایک بُری بھلی شاعری۔ اس کا حال یہ کہ آگے جو کہا ہو کہا اب شاعر بھی نہیں رہا بہر حال تمہاری فقیر نوازی کا شکر گزار اور طالب دیدار ہوں۔

نجات کا طالب

غالب

چاشت گاہ دوشنبہ ۴ ہر فروری ۱۸۶۱ء

رقعاتِ مدہوش

مدہوش کے رقعات کا ایک مجموعہ "رقعات مدہوش مسمی بہ شراب الکوثر" کے نام سے مرتب ہوا [۲] یہ مجموعہ ان کے

---

[۱] رقعات مدہوش ص ۱۰۱

[۲] شراب الکوثر، اس کا تاریخی نام بتایا گیا ہے جس سے ۱۲۶۰ھ (م ۴۵-۱۸۴۴ء) نکلتے ہیں۔ اس میں خطوط اس کے بعد کے ہیں ممکن ہے کہ آغاز ترتیب کے وقت یہ نام رکھا ہو۔

دوست اور استاد چوہدری محمد سعید الدین حسین عرف میاں جان رئیس اعظم کھیڑہ بزرگ (بدایوں) ۱۸۷۹ء میں اپنے مطبع افضل المطابع وسعید الاخبار میں چھپوایا تھا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن احید الدین نظامی مالک نظامی پریس بدایوں کی تحریک سے ان کے نواسوں عابد سعید خاں لودی اور حافظ حامد سعید خاں لودی نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا تھا۔ حاجی حامد سعید خاں نے آغاز کتاب میں مدہوش کے حالات بھی شامل کر دیئے ہیں۔

حالات سررشتہ تعلیم جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ منشی سخاوت حسین مدہوش کو علی گڑھ تحریک سے گہرا تعلق تھا اور وہ سرسید احمد خاں کی تعلیمی کوششوں میں برابر دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ جب "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" کی طرف سے ایک اشتہار بعنوان "التماس بخدمت اہل اسلام و حکام ہند درباب ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان" شائع ہوا تو اس سلسلے میں ۳۲ مضامین موصول ہوئے جن میں سے بعض مستقل تالیف کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک رسالہ بعنوان "حالات سررشتہ تعلیم" مدہوش نے لکھا ہے۔

اس "کمیٹی خواستگار" کا ایک اجلاس ۱۲ مئی ۱۸۷۲ء کو بنارس میں ہوا۔ سرسید احمد خاں نے ان مضامین سے اکثر پر اپنی رائے بھی دی ہے۔ سخاوت حسین مدہوش کے مضمون پر دس صفحات میں سرسید احمد خاں نے تبصرہ کیا ہے۔[1]

اس رسالے کا ایک قلمی نسخہ "کتب خانہ سالار جنگ مرحوم" میں موجود ہے۔ اس کا سائز (۱۳ × ۸) ہے اس میں (۱۰۶) صفحات ہیں، ہر صفحے میں (۱۲) سطریں ہیں۔ کاغذ ولایتی ہے۔ خط نستعلیق ہے، کتابت ۱۳۰۰ھ میں ہوئی ہے۔ نمونہ ملاحظہ ہو۔

---

[1] رپورٹ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان (مرتبہ سرسید احمد خاں) بنارس ۱۸۷۲ء۔

آغاز

پہلے حصے میں گورنمنٹ کالجوں اور سکولوں کے متعلق بحث ہے جہاں تعلیم علوم بزبان انگریزی ہوتی ہے اور نیز دوسری زبان اردو، فارسی، عربی سنسکرت سکھائی جاتی ہے۔

اختتام

"غرضکہ گویا بالاتفاق و اکثر لوگ علماء اور عملاً اکثر اطباء ہندوستان سے بہت زیادہ ہیں۔ لیاقت میں مگر اطباء ہندو مسلمان بھی بعض بعض علماء اور تجربہ میں ان سے زیادہ ہیں"

خاتمہ

"نام مصنف سخاوت حسین ساکن بدایوں وکیل عدالت دیوانی ضلع شاہجہانپور وارد شاہجہانپور کمشنری روہیل کھنڈ"[1]

افسوس کہ مدہوش کا نمونہ کلام اردو یا فارسی دستیاب نہ ہوسکا۔

۵۔ مولوی عزیز الدین بدایونی المتخلص بہ عزیز و صادق

مرزا غالب کا ایک مکتوب مولوی عزیز الدین بدایونی کے نام ہے جو اردوئے معلیٰ[2] عود ہندی اور "خطوط غالب" مرتبہ مولانا غلام رسول مہر میں شامل ہے۔ مولانا مہر کو عزیز الدین بدایونی کا حال نہ مل سکا، البتہ مالک رام صاحب نے مختصر سا حال لکھا ہے۔[3]

غالب کے اس خط میں ایک محضر کا ذکر ہے جو ایک خاص واقعہ کے متعلق۔

---

[1] فہرست مخطوطات کتب خانہ سالارجنگ از نصیر الدین ہاشمی (حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء) ص ۸۱۷، ۸۱۸

[2] اردوئے معلیٰ، مطبع مجیدی، کانپور ۱۹۲۲ء ص ۱۷۰

[3] تلامذۂ غالب از مالک رام، نکودر ۱۹۵۷ء، ص ۱۹۲ - ۱۹۳

ہے جس کی یہاں وضاحت پیش کی جاتی ہے۔ پہلے مولوی عزیز الدین بدایونی کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

مولوی عزیز الدین بدایونی ابن مولوی اساس الدین صدیقی فرشوری بدایوں کے قدیم باشندے تھے۔ وہ ۱۷ صفر ۱۲۴۴ھ کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ باقاعدہ علم طب حاصل کیا۔ اور شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد ہوئے۔ خوش خطی میں میر پنجہ کش سے سیکھی۔ ۱۸۵۵ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۵۷ء تک دہلی میں وکالت کی۔ اس کے بعد اپنے وطن بدایوں چلے آئے کچھ دنوں شاہجہانپور میں وکالت کی وہیں وکیل سرکار مقرر ہوئے پھر منصف کے عہدے پر ترقی پائی۔ ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۱ھ کو انتقال ہوا۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو

اُس میں تا آئے نظر جلوہ خدا کے نور کا — بت بنانے کے لئے زیبا ہے پتھر طور کا

وہ ایک ہم ہیں کہ پرساں نہیں کوئی اپنا — اور ایک وہ ہیں کہ دل لیتے ہیں زمانے کا

جس خستہ حال سے بیٹھ کے اٹھنا محال تھا — کس طرح اب جہاں سے وہ ناتواں اٹھا

اُس مہروش کے حسن کا نظارہ کر سکے — اتنا نہیں ہے حوصلہ اپنی نگاہ کا
صادق جو ہے وہ شیفتہ روئے یار ہے — سنتا ہے کون حال کسی داد خواہ کا

گزر کیونکر ہو ایسے آستاں تک — تصور بھی نہیں جاتا جہاں تک
یہی گر آہ و نالہ ہے تو صادق — رہے گا دم نہ تاثیر فغاں تک

مولوی عزیز الدین کے ایک بڑے بھائی مولوی حکیم سعید الدین المتخلص بہ کامل

تھے جو ۱۲رمضان ۱۲۴۱ھ کو پیدا ہوئے، وہ علوم متداولہ میں دستگاہ کامل رکھتے تھے۔ علم طب میں حکیم صادق علی خاں دہلوی کے شاگرد تھے، خط نستعلیق خوب لکھتے تھے، ان کے لکھے ہوئے بعض رسالے ہماری نظر سے گزرے ہیں، حکیم سعادت علی خاں مدارالمہام ریاست رام پور رئیس آنولہ کے یہاں ملازم تھے، ۲۷ رجب ۱۳۱۶ھ کو ان کا انتقال ہوا۔[۱]

اتفاق سے جس زمانے میں دہلی میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ھ کا آغاز ہوا۔ اس وقت حکیم سعیدالدین بدایونی رام پور میں تھے۔ ہنگامے کے فرو ہونے کے بعد جب دہلی میں معافی و املاک کی بحالی کا سلسلہ شروع ہوا اور تحقیقات کا آغاز ہوا تو ان کی جو املاک و معافیات، دہلی اور اس کے مضافات میں تھیں، ان کی بحالی کے لئے وہ درخواست گزار ہوئے۔ بعض دستاویزوں میں دوسرے لوگوں کے ساتھ عزیزالدین کے بڑے بھائی حکیم سعیدالدین کا نام بھی شامل تھا اور اس تحقیقات کا انچارج ایک انگریز افسر تھا۔ ہوا یہ کہ دہلی میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر جہاد کا جو فتویٰ مرتب ہوا تھا، اس میں ایک صاحب مولوی سعیدالدین نامی کی بھی مہر تھی۔ اس انگریز کو خیال ہوا کہ یہ وہی مولوی سعیدالدین ہیں۔ لہٰذا اس نے ان کو اصالتاً طلب کر لیا اور اب حکیم سعیدالدین کی زندگی خطرے میں تھی۔ بدایوں اور رام پور کے عمائد و مشاہیر کی مواہیر سے حکیم سعیدالدین کی بدایوں میں موجودگی کا محضر مرتب ہوا اور دہلی کے مشاہیر کی مواہیر سے ان کی دہلی میں عدم موجودگی کا محضر مرتب ہوا۔ یہی وہ محضر ہے جس کا اس خط میں ذکر ہے۔ مولوی عزیزالدین نے اپنے استاد مرزا غالب کے ذریعے اس محضر پر دہلی کے مشاہیر کے دستخط اور مہریں کرائی تھیں۔

---

[۱] انساب شیوخ فرشوری بدایوں از رضی الدین۔ مل رکاکس پریس شاہ آباد' بغیر سال طباعت (ص ۹۰-۹۲

اب اس داستان کو مولوی عزیز الدین کے بھتیجے اور حکیم سعید الدین کے بیٹے خان بہادر مولوی رضی الدین وکیل بدایونی (ف ۱۹۲۵ء) کی زبانِ قلم سے سنیے [1]

"ان املاک کی تحقیقات میں ... ایک قضیۂ نامرضیہ پیش آیا، ایک مِلک میں ہمارے والد ماجد مرحوم حکیم محمد سعید الدین کا نام بشمول جد امجد و چچا وغیرہ کے داخل تھا اور تحقیقات معافی داروں کی شروع تھی کہ آیا معافی دار تو باغی نہیں ہوا۔ یہ تحقیقات ایک یورپین غصہ ناک شخص کے سپرد تھی اور اس نے ایامِ غدر میں جو اپنی ہم قوموں کو گرفتار ہوتے اور مارے جاتے دیکھا، اس کو ذرا ذرا بات پہ شبہ ہوتا تھا جب ہمارے والد کا نام آیا تو اس کو یہ شبہ ہوا کہ محمد سعید ایک شخص کی مہر فتوئ جہاد پہ جو دہلی کے رہنے والے تھے، دفتر میں برآمد ہوئی تھی۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ محمد سعید وہی شخص ہے، جس نے محضر پہ مہر کی تھی۔ میرے دادا صاحب وقت تحقیقات موجود تھے، انہوں نے عرض کی کہ حضور اس کا نام محمد سعید الدین ہے محمد سعید نہیں ہے [2] اور وہ ایامِ غدر میں دہلی میں نہ تھا بلکہ رام پور اور آنولہ میں تھا، لیکن صاحب نے حکم حاضری اصالتاً کا دیا۔ جب والد کو یہ خبر ہوئی تو والد مرحوم نے حکیم محمد سعادت علی خاں بہادر رئیس آنولہ جن کے ساتھ وہ ایامِ غدر میں رہے، ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے اپنی تصدیق لکھ کر اور نواب صاحب بہادر جنت آشیاں یوسف علی خاں بہادر مرحوم منفور والی ریاست رام پور کی مہر و دستخط مزین فرما کر وہ کاغذ روانہ کیا کہ حکیم محمد سعید الدین ہمارے یہاں

---

[1] کنز التاریخ از مولوی رضی الدین بسمل (نظامی پریس بدایوں، ۱۹۰۷ء) ص ۳۵۱-۳۵۲

[2] فتوے میں محمد سعید نہیں سعید الدین نام ہے، ملاحظہ ہو ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا ص ۹۴

ایام غدر میں رہے اور وہ خیر خواہ سرکار ہیں۔ جب یہ کاغذ پیش ہوا اس وقت بھی صاحب کو یقین نہ ہوا اور فرمایا کہ مسلمان مسلمان کو بچانے کی کوشش کرتا ہے، اس کو حاضر ہونا چاہیئے۔ تب تو مایوسی ہوئی کہ اتنی بڑی صفائی پہ کچھ خیال نہ ہوا، تو کیا امید جان بری ہے۔ پھر بدایوں سے مسٹر کارمیکل صاحب بہادر مجسٹریٹ ضلع بدایوں کے روبرو رؤسائے بدایوں نے محضر بنا کر پیش کیا اور انہوں نے تصدیق کر کے بھیج دیا کہ یہ شخص دہلی نہیں گیا تھا اور پھر بھی عذر غیر حاضری مسموع نہ ہوا۔ الغرض والد ماجد کو بدایوں سے جانا پڑا۔ جب جب والد یہاں سے گئے ہیں تب مایوسی ہم لوگوں کو تھی کہ اب دیکھیے سلامت آتے ہیں یا نہیں، پھر دہلی پہنچ کر یہ حاضر حضور صاحب مجسٹریٹ بہادر کے ہوئے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ تمہارا کیا نام ہے اپنا نام بتایا اور اپنی مہر کے کاغذات جو قبل غدر کے تھے اور ان پہ مہریں تھیں پیش کیے کہ میری مہر میں محمد سعید الدین ہے اور فتوے پر محمد سعید صرف مہر میں تھا۔ پھر تحقیقات کے لیئے یہ معاملہ تحصیلدار دہلی کے سپرد ہوا۔ ایک شخص کھتری یا بنئے تحصیلدار دہلی کے تھے، جب ان کے پاس والد و دادا صاحب گئے تو وہ دیکھ کر سروقد اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں جناب حافظ یعنی ہمارے والد کے جد امجد کا شاگرد ہوں، آپ کا کیا کام ہے۔ ان سے سب قصہ کہا گیا، انہوں نے تحقیقات کر کے خود جا کر صاحب سے کہا کہ یہ شخص اور ہیں اور یہ بمقام دہلی ایام غدر میں نہ تھے۔ تب صاحب کا شک رفع ہوا۔ اور اس بلائے ناگہانی سے نجات پائی اور معافی بدستور قائم رہی۔"

اس تشریح و توضیح کے بعد مرزا غالب کا اصل خط ملاحظہ فرمایئے۔

"صاحب!

کیسی صاحب زادوں کی سی باتیں کرتے ہو؟ دلی کو ویسا ہی آباد جانتے ہو جیسی آگے تھی۔ قاسم جان کی گلی، میر خیراتی کے پھاٹک سے فتح اللہ بیگ خاں کے پھاٹک تک بے چراغ ہے اور ہاں اگر آباد ہے تو یہ ہے کہ غلام حسین خاں کی حویلی اسپتال ہے اور ضیاء الدین خاں کے کمرے میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے مکانوں میں ایک اور صاحب عالی شان انگلستان تشریف رکھتے ہیں ضیاء الدین خاں اور ان کے بھائی مع قبائل و عشائر لوہارو میں۔ لال کنوئیں کے محلہ میں خاک اڑتی ہے۔ آدمی کا نام نہیں۔ تمہارے مکان میں جو چھوٹی بیگم رہتی تھی۔ اس کے پاس اور لکھمی کی دوکان پہ اسی اشتہار کو بھیجا۔ بیگم لاہور گئی ہوئی ہے۔ لکھمی کی دوکان میں کتے لوٹتے ہیں، مولوی صدر الدین صاحب لاہور، ایزد بخش، تراب علی ان لوگوں سے میری ملاقات نہیں۔ میں نے آپ مہر کردی۔ حکیم احسن اللہ خاں اور میاں غلام نجف اور بہادر بیگ اور نبی بخش ساکن دریبہ، ان کی مہریں ہوگئیں۔ محضر آپ کے پاس بھیجتا ہوں خط از روئے احتیاط بیرنگ بھیجا ہے۔ پوسٹ پیڈ خط اکثر تلف ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ قاضی عبدالجمیل صاحب کا خط، جس کا ذکر آپ نے لکھا ہے، آنکھیں پھوٹ جائیں۔ اگر میں نے دیکھا ہو۔ آپ ان سے میرا سلام نیاز کہئے۔ اور خط کے نہ پہنچنے کی ان کو خبر پہنچا دیجیے"۔

۷۔ شیخ صادق علی گڑھ مکٹیشری المتخلص بہ سوزاں و مداح

منشی صادق علی گڑھ مکٹیشر (ضلع میرٹھ یوپی (انڈیا) کے ایک ممتاز

خاندان کے رکن تھے۔ ان کے دادا منشی اکبر علی ولد شیخ فیض علی مرفہ الحال، خوش وضع خوش نویس شاعر اور نثر نگار تھے۔ ان کا ایک شعر ملا ہے ۔

خدا جانے موئے تھے کس قدر رعنا کی حسرت میں
کہ جو نخل اپنی تربت سے اُگا، شکل صنوبر تھا

عدالت سائر میں بریلی اور کانپور میں ملازم رہے ضعف بصارت کی بنا پر ملازمت سے مستعفی ہوئے عین جوانی میں بعمر ۳۲ سال ۹ ربیع جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ کو فوت ہوئے ان کے بیٹے منشی عرفان علی بھی سیاق و سباق میں مہارت کامل رکھتے تھے ۔ وہ بھی انگریزی سرکار کے ملازم رہے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں کلکٹری علی گڑھ میں سررشتہ دار تھے۔ منشی عرفان علی کے فرزند شیخ صادق علی تھے۔ انہوں نے مروجہ علوم کی باقاعدہ تحصیل کی تھی۔ عربی و فارسی میں اعلیٰ دسترس رکھتے تھے۔ وہ نہایت سعید اور لائق تھے اول عدالت دیوانی میرٹھ میں وکیل رہے۔ پھر باقاعدہ سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ دنوں مارہرہ (ضلع ایٹہ۔ یوپی) میں بسلسلہ ملازمت رہے۔ سید آل محمد مارہروی (ف ۱۲۹۵ھ) صاحب "دیوان تواریخ" سے صادق علی کے مخلصانہ دوستانہ تعلقات تھے۔

شیخ صادق علی، مرزا غالب کے شاگرد تھے، عاشقانہ کلام میں سوزاں اور نعتیہ کلام میں مداح تخلص کرتے تھے انہوں نے ۱۲۸۴ھ میں شعرائے اردو کا ایک تذکرہ مرتب کیا جس کی تاریخ تالیف سید آل محمد نے اس طرح کہی ہے۔[۲]

خوشا صادق علی مداح و سوزاں | بملک شاعری سردار اردو
زا جناس نفیس شعر ہایش | فزودہ رونق بازار اردو

---

[۱] یہ تمام حالات تشریح الانساب (خطی) مولفہ مولوی ضیاء اللہ بچھرایونی سے ماخوذ ہیں۔
[۲] دیوان تواریخ ص ۱۳۶

زفیض فکر رنگینش نماید | رگ گل، سبزۂ گلزار اردو
بجا، گر شاعران ریختہ گو | بیا موزند از و گفتار اردو
رقم زد تذکرہ کلکش ہمانا | چہ باشد گلشن بنجار اردو
بگو آل محمد، سال تجمیع | کہ نامی گلشن اشعار اردو

۱۲۸۴ھ

اسی سال شیخ صادق علی نے اپنا نعتیہ دیوان مرتب کیا۔ سید آل محمد نے کئی تاریخیں کہیں جن میں ایک ہجری اور ایک عیسوی دو تاریخیں درج ذیل ہیں۔

(۱)

جو منشی صادق علی نے یہ کی | فراہم کتاب جلالت مآب
تب آل محمد نے تاریخ جمع | لکھی ہے یہ نعت رسالتمآب

۱۲۸۴ھ

(۲)

سخن سنج مداح صادق علی | بجان و بدل آں فدائے رسول[1]
ہمانا کہ خاک خمیرش قضا | گرفتہ است از خاکپائے رسول
دل اوست مملو ز حب علی | دماغش پر است از ہوائے رسول
غزلہائے مطبوع و مرغوب و خوش | نمود است نظم از برائے رسول
غزلہائے مذکور را مجتمع | چو کرد آں ستایش سرائے رسول
مسیحی سن آل محمد چہ خوش | رقم زد ریاض ثنائے رسول

۱۸۶۸ء

۱۲۸۵ھ میں منشی صادق علی نے اپنے نعتیہ دیوان کا انتخاب کیا

---

[1] دیوان تواریخ ص۱۰۷۔

سید آل محمد نے اس انتخاب کی یہ تاریخ کہی ہے ۔ؔ[1]

منتخب اشعار زصادق علی | دید چو در نعت رسول عرب
باز بہ و بینید تاریخ گفت | آل محمد ، چہ زہے منتخب

۱۲۸۵ھ

سید آل محمد کو منشی صادق علی سے اس حد تک تعلق خاطر تھا کہ جب ان کے پاس اخبار آنے شروع ہوئے تو انہوں نے ان اخباروں کے آنے کی تاریخ کہی ۔ ۱۲۷۵ھ فصلی میں ایک اخبار آیا تو آل محمد نے یہ تاریخ کہی[2]

یار جانی مرے مداح کہ دنیا میں آج | کہیں جن کا نہیں ہمسر کوئی ہمپایا
اپنا اخبار گھر بار بصد لطف انہیں | بھیج کر خواجہ عبرت نے جو خوش فرمایا
فکر تاریخ جو کی دل نے کہا فصلی لکھ | ہجری و عیسوی گر یار نے حصہ پایا
خاطر دوست ہے تو آل محمد کہدو | سچ ہے اخبار ہمایوں و مبارک آیا

۱۲۷۵ فصلی

۱۲۸۵ھ میں منشی صادق علی کے پاس ایک اور اخبار "مقصود الاخبار" گوڑ گانوہ سے آیا ۔ اس کے آنے کی تاریخ اس طرح کہی[3]

بنام مخلصم اخبار آمد | کہ مثل او ندیدم نے شنفتم
بتاریخ ورود آل محمد | گرامی پرچہ اخبار آمد

۱۲۸۵ھ

۱۲۸۵ھ میں منشی صادق علی مداح مارہرہ سے تبدیل ہو کر علی گڑھ پہنچے اس موقع پر سید آل محمد نے مندرجہ ذیل تاریخ کہی[4]

---

[1] دیوان تواریخ ص۲۲
[2] ایضاً ص۱۱
[3] ایضاً (مکاشفہ متفرقہ) ص۳۰
[4] دیوان تاریخ ص۱۱۴

جدائی منشی صادق علی — کند آرہ غم رواں بردلم
سن فرقت آل محمد بگو — شدہ ہجر یارے گراں دلم

۱۲۸۵ھ

۱۲۸۶ھ میں منشی صادق علی نے اپنا دوسرا دیوان مرتب کیا۔ سید آل محمد نے تاریخ کہی [1]

شفیق و مخلص من صادق علی مداح — کہ وصف او نتوانم نوشت بالتشریح
نمود جمع چو دیوان خویش تاریخش — نگاشت آل محمد ہمہ بلیغ و فصیح

۱۲۸۶ھ میں شیخ صادق علی کی ترقی انسپکٹر درجہ اول پرمٹ کے عہدے پر ہوئی ان کے دوست سید آل محمد نے حسب معمول تاریخ کہی [2]

شیخ صادق علی ترقی یافت — دوست شاداں، ملول دشمن باد
گفت آل محمد سش تاریخ — بر مدارج ترقی احسن باد

۱۲۹۱ھ میں شیخ صادق علی کا عقد ثانی ہوا۔ سید آل محمد بھلا ایسے موقع پر کہاں چوکنے والے تھے انہوں نے فوراً تاریخ کہی [3]

منعقد چوں بزم عقد دوستی — شب بفضل خالق الاصباح شد
زد رقم آل محمد سال عقد — کہ خدا صادق علی مداح شد

۱۲۹۱ھ

۱۲۹۲ھ میں شیخ صاحب کے منصب میں مزید ترقی ہوئی۔ سید آل محمد نے حسب معمول تاریخ کہی [4]

---

[1] دیوان تواریخ ص ۴۱
[2] ایضاً ص ۵۲
[3] ایضاً ص ۵۷
[4] ایضاً ص ۳۷

بافضال خلاق روزی رساں	شنیدم شد اکنوں ترقی دوست
پے سالش آل محمد قلم	رقم زد، ہمایوں ترقیٔ دوست

۱۲۹۲ھ

شیخ صادق علی، معاشرتی زندگی میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کے صاحبزادے نثار علی شہرت تھے۔ جو نامی پریس میرٹھ میں ملازم تھے۔ مداح کا نمونہ کلام یہ ہے۔

اسکو بلوایا تو ہنے لطف تپ اے دل آئے	ساتھ تلوار بھی لائے جو وہ قاتل آئے [۱]
ضعف نے آہ وفغاں کی بھی نہ چھوڑی طاقت	لب پہ نالے بھی جو آئے تو بمشکل آئے
نہ ہی یاد رہ عشق غرض بھول گیا	ساتھ ہر چند خضر بھی کئی منزل آئے
شمع تھرانے لگی یار کی آمد سن کر	رنگ اڑ جائے جو وہ رونق محفل آئے
نہیں مداح کوئی حضرت غالب کا نظیر	کس کو دعویٰ ہے سخن کا جو مقابل آئے

نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں [۲]

نگینِ دل ہمارا ہے مزین	نقوش نام ختم المرسلیں ہے
صلہ مدحت کا لو مداح چل کر	حضور خسرو دنیا و دیں سے

شیخ صادق علی ۱۳۰۰ھ تک حیات تھے کیونکہ مولانا عبدالسمیع بیدل کی کتاب انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ کے طبع دوم (۱۳۰۰ھ) کے آخر میں ان کی تقریظ شامل ہے [۳] اس سے ان کے علمی مرتبہ کا بھی تعین ہوتا ہے ان کی کنیت ابو محمد تھی، انہیں تاریخ گوئی سے بھی دلچسپی تھی۔ مطبع مجتبائی میرٹھ کے مطبوعہ قرآن کریم باہتمام منشی ممتاز علی پر ان کا درج ذیل قطعہ تاریخ ہے۔

---

[۱] دیوان غریب (مطبع دلکشا فتح گڑھ ۱۲۸۳ھ) ص ۴۶۹

[۲] یادگار ضیغم ص ۲۸۷

[۳] انوار ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ از مولانا عبدالسمیع بیدل (مطبع نعیمی مرادآباد) ص ۲۸۷، ۲۸۸

شدہ مطبوع ایں صحیفۂ حق ۔۔۔ باہمہ جد و اہتمام بخیر
بہر تاریخ طبع اے مداح ۔۔۔ ختم کن زد رقم تمام بخیر ۱۲۹۳ھ

گڑھ مکتیسر میں شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ایک بزرگ شیخ اللہ بخش (ف ۱۰۰۲ھ)
گزرے ہیں ان کی کتاب مونس الذاکرین مطبع سوسائٹی بریلی سے ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۸ء میں شائع ہوئی ہے
اس پر صادق گڑھ مکتیسری نے تقریظ اور قطعہ تاریخ لکھا ہے ۔ قطعہ تاریخ ملاحظہ ہو

مونس الذاکرین انیس ببیں ۔۔۔ بہر عزلت گزین نیکو طبع
انس گیرند از رجان و دل ۔۔۔ جملہ گوشہ نشین نیکو طبع
زانکہ تکسیب علم و فضل کنند ۔۔۔ عالم و فاضلین نیکو طبع
طبع شد مصرعہ سنش گفتم ۔۔۔ مونس ذاکرین نیکو طبع
۱۳۰۶ھ

مولانا عبدالسمیع بیدل

مولانا عبدالسمیع بیدل ضلع سہارنپور (یو۔پی) کے قصبہ رام پور منہاران کے ساکن اور وہاں کے قدیم انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے ۔ پہلے قرآن کریم حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی پھر مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور ۱۲۷۰ھ میں دہلی پہنچے ۔ مفتی صدرالدین آزردہ سے علوم متداولہ کی تحصیل کی ۔ اسی زمانہ میں مرزا غالب سے فن شاعری میں استفادہ کیا حسب روایت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی وہ (۱) مولانا احمد علی سہارنپوری (۲) مولوی سعادت علی سہارنپوری (۳) مولانا شیخ محمد تھانوی اور (۴) مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بھی مستفید ہوئے [1]

بیدل اپنے زمانہ کے نامور عالم اور مصنف تھے مؤلف تفسیر ابر کرم لکھتے ہیں [2]

"عالم باعمل، مبرا از حرص دامن عشاق رسول اللہ اعلیٰ درجہ کے مصنف، حدیث و تفسیر و فقہ میں کمال رکھتے تھے زہد و تقویٰ بدرجہ غایت ہے

---

[1] البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ از مولانا خلیل احمد (مطبع بلالی ساڈھورہ) ص ۲
[2] تفسیر ابر کرم از مولوی امیرالدین (دہلی ۱۳۰۶ھ) ص ۸۹

دیانتدار، متقی، امین، خدا ترس، متین، کم گو، متواضع، بامروت آدمی ہیں... کلمۂ خیر کہنے سے درگذر نہیں کرتے، اخلاق بدرجہ غایت، سچ ہے ایسوں ہی کا ہونا زینت اسلام ہے"۔

مولانا عبدالسمیع کچھ دنوں رڑکی میں رہے پھر میرٹھ کے رئیس شیخ الٰہی بخ
(لال کرتی) نے اپنے بھتیجوں کی تعلیم کے لیے بلا لیا اور وہیں عمر گزار دی
تذکرۂ علمائے حال کے مؤلف رقم طراز ہیں[1]

"فی الحال آپ کا قیام کیمپ میرٹھ بازار لال کرتی میں ہے شیخ الٰہی بخش کے مدرسہ میں آپ درس دیتے ہیں بیدل تخلص کرتے ہیں انوار ساطعہ وغیرہ آپ کی تصانیف سے ہیں۔

شیخ الٰہی بخش کے پوتے شیخ شمس الدین میرٹھی لکھتے ہیں[2]

"میرٹھ تشریف آوری سے قبل کچھ عرصہ رڑکی میں قیام پذیر رہے وہاں سے بلدہ میرٹھ بسلسلہ ملازمت آنا ہوا۔ یہاں جناب شیخ الٰہی بخش مرحوم رئیس اعظم نے اپنے برادرزادگان شیخ غلام محی الدین صاحب، وحید الدین صاحب اور بشیر الدین صاحب کو پڑھانے کے واسطے حضرت کو متعین فرمایا۔ مولانا نے تقریباً چالیس سال اپنی عمر کا بقیہ حصہ یہیں ختم کر دیا... دوران قیام میرٹھ میں آپ کو کلکتہ کانپور اور ٹونک سے صدر مدرسی مدارس کے لئے وافر مشاہرہ پر بلایا گیا لیکن حضرت نے بوجہ محبت اس خاندان کے انکار کر دیا مولانا بڑے متبع شرع، متقی، عالم، فاضل اہل اللہ میں سے تھے"۔

مولانا عبدالسمیع، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید وخلیف

---

[1] تذکرہ علمائے حال از مولوی محمد ادریس نگرامی (نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء) صفحہ ۴۳
[2] مکتوب شیخ شمس الدین میرٹھی بنام راقم مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۵۹ء و ۱۹ مئی ۱۹۵۹ء

اور حب رسول سے سرشار تھے۔ مولوی امداد صابری لکھتے ہیں؎۱

"آپ عالم بے بدل جامع علوم و فنون تھے۔ اپنے پیر و مرشد حضرت حاجی (امداد اللہ) صاحب کے حکم کے پابند تھے۔ تمام عمر اشاعت علوم دینیہ اور تصانیف کتب مذہبی میں گزاری۔ نعت لکھنے میں لاثانی تھے شعرائے زمانہ آپ کو استاد وقت مانتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے سچے عاشق تھے مجلس مولود شریف بڑی عقیدت و اخلاص سے کیا کرتے تھے۔"

مولانا سادہ اور با اصول زندگی گزارتے تھے؎۲ یکم محرم الحرام ۱۳۱۹ھ مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۰۱ء بروز شنبہ مولانا عبدالسمیع بیدل کا میرٹھ میں انتقال اور شاہ ولایت میں دفن ہوئے۔ ان کے صاحبزادے حکیم مولوی محمد میاں (ف ۱۹۴۰ء) تھے جو علم طب میں ماہر کامل اور حکیم عبدالمجید خاں دہلوی کے شاگرد تھے۔ حکیم محمد میاں، میرٹھ کے حکماء میں ممتاز و معروف تھے۔

شروع شروع میں مولانا بیدل کا رجحان عاشقانہ شاعری کی طرف تھا اور غزل کہتے تھے۔ حاجی صاحب سے بیعت کے بعد نعت و منقبت میں کہنے لگے۔ ان کا جتنا کلام ملتا ہے نعت و منقبت ہی میں ملتا ہے۔ مولانا ایک اعلیٰ پایہ مصنف تھے۔ ان کی کئی کتابیں یادگار ہیں۔

حمد باری

فارسی کی ابتدائی نصابی کتابوں میں خالق باری مشہور ہے۔ مگر اس میں سنسکرت، ہندی اور پنجابی کے اکثر ثقیل الفاظ ہیں جن کے سمجھنے میں طلبہ کو دقت ہوتی ہے۔ مولانا عبدالسمیع نے اسی درسی ضرورت کے

؎۱ سیرت حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء از مولوی امداد صابری (دہلی ۱۹۵۱ء) ص ۱۲۶

؎۲ تذکرہ علمائے اہل سنت از مولوی محمود احمد قادری (خانقاہ قادریہ اسلام آباد بھوانی پور ۱۳۹۱ھ) ص ۱۶۷

خالق باری کے طرز پر ایک کتاب "حمد باری" لکھی۔ اس کتاب کے آغاز میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:[1]

"بعد حمد اور درود ختم الانبیاء کہتا ہے مدہوش شاعر بے شعوری عبدالسمیع رام پوری کہ جس وقت جناب ... شیخ الٰہی بخش صاحب کے چھوٹے بھائی ... حافظ عبدالکریم صاحب کے فرزند ارجمند سعادت گزیں وحید الدین سے فارسی پڑھنے کی طرف طبیعت رجوع کی خالق باری شروع کی۔ اس کتاب کے بعض الفاظ پنجابی اور سنسکرت وغیرہ اس کی سمجھ میں نہ آتے تھے بلکہ اور خلجان طبیعت بڑھاتے تھے۔ پھر دیکھا تو سب مکتبوں میں لڑکوں کا یہی حال ہے ان الفاظ متروک الاستعمال کا سمجھنا اشکال ہے۔ تب میں نے اس نظر سے کہ مبتدیوں کو فائدہ تام ہو رفاہ عام ہو بیان لغات میں یہ رسالہ منظوم مختصر لکھا اور ترجمہ میں الفاظ اردو مروجہ عام کا لکھنا مد نظر رکھا اور جو لفظ فارسی یا عربی ایسے تھے کہ بے تکلف ہر کسی کی سمجھ میں آتے تھے۔ میں نے ان الفاظ کا ترجمہ نہیں لکھا۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہوا ہے۔

حمد باری لکھ کے اور نعت رسول — جو لکھے بیدل کرو دل سے قبول
ہے خدا، اللہ، پیغمبر، رسول — ہے صحابی جس کو ہو صحبت حصول
ہے خلیفہ، نائب اور قائم مقام — اہل بیت اور آل ہے کنبا تمام
پیشوائے دین کو جانو امام — بوحنیفہ جیسے ہیں عالی مقام

خاتمہ کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

---

[1] حمد باری از مولوی عبدالسمیع بیدل (مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۵ء) ص۲

ان ضروری قاعدوں کو یاد کر — اور خدا کی یاد سے دل شاد کر
یہ رسالہ ہوگیا یارب تمام — شکر تیرا اور پیمبر پہ سلام

رسالہ حمد باری میں مندرجہ ذیل عناوین پہ لغات منظوم کی گئی ہیں۔

۱۔ دربیان آسمان و متعلقات آں
۲۔ دربیان سال و ماہ وغیرہ
۳۔ دربیان زمیں وآنچہ درآنست از معادن و بحار و اماکن
۴۔ دربیان اثاث البیت یعنی اسباب ضروری خانہ
۵۔ دربیان اجزا و اعضائے انسان
۶۔ دربیان آنچہ از جسم انسان تعلق دارد۔
۷۔ دربیان اہل قرابت
۸۔ دربیان اہل پیشہ
۹۔ دربیان اہل عیوب
۱۰۔ دربیان حبوب غلہ واشیائے خوردنی۔
۱۱۔ دربیان مصالح طعام
۱۲۔ دربیان کشت و باغ و آنچہ درآنست
۱۳۔ دربیان آلات جنگ وآلات اہل حرفہ
۱۴۔ دربیان جانوراں
۱۵۔ دربیان بعض آلات بازی طفلاں
۱۶۔ دربیان متفرقات

تتمہ میں افعال وکیفیت اشتقاق کا ذکر ہے۔

وسیلہ مغفرت | اس رسالہ میں نماز، ضروری سورتیں، ایمان مجمل و مفصل شش کلمات اور ادعیہ ماثورہ مع اردو ترجمہ درج

درج ہیں، سبب تالیف بیان کرتے ہوئے مولانا بیدل لکھتے ہیں [1]

"کہتا ہے امیدوار فضل باری عبد السمیع شیخ انصاری کہ جمع کی میں نے اس مختصر میں ہر وقت کی دعائیں تاکہ پڑھا کریں اہل ایمان اور پاویں ہر وقت میں یاد الٰہی کی نئی لذت اور نازل ہو ان پہ اللہ کی طرف سے خیر و برکت اور اکثر دعائیں اس میں بہت مشہور احادیث سے لی گئی ہیں اور جو کتب فقہ وغیرہ سے لکھی ہیں، وہاں اس کتاب کا نام لکھ دیا گیا ہے۔"

فیضان قدسی مولانا عبد السمیع نے یہ رسالہ آیۃ الکرسی کے فضائل میں ضروری تصریحات و تفصیلات کے ساتھ لکھا ہے، آخر میں ایک طویل نظم بھی شامل ہے ۱۹۲۷ء میں خواجہ بک ڈپو دہلی سے محمد انوار ہاشمی نے شائع کیا ہے۔

دافع الاوہام فی محفل خیر الانام مولانا عبد السمیع، محب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے انہوں نے محفل میلاد کی تائید میں یہ رسالہ لکھا ہے اور معترضین کے جواب دیئے ہیں یہ رسالہ نظم و نثر دونوں پر مشتمل ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوا ہے [2]

کر کے مالک کا شکر پڑھ کے درود کرتا ہوں ذکر محفل مولود
مومنو! یاں ادب سے آؤ تم عطر خلت بسا کے لاؤ تم
ذکر خیر الوریٰ کی محفل ہے مولد مصطفےٰ کی محفل ہے
محفل اس شاہ ذی حشم کی ہے محفل اس شافع امم کی ہے
پھیلا آفاق میں ہے جس کا نور اسی نور خدا کا ہے مذکور

---

[1] وسیلہ مغفرت از مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری (مطبوعہ) ص۱-۲

[2] دافع الاوہام فی محفل خیر الانام از مولانا عبد السمیع بیدل (مطبع گلشن فیض لکھنؤ) ص۲-۳

وصف حضرت کا جان سے دل سے — سنو اگر زبان بیدل سے
اختتام اس طرح ہوا ہے [1]

جو مری مثنوی کی سیر کریں — میرے حق میں دعائے خیر کریں
مجھ کو حق جس طرح ہوا معلوم — اس صحیفہ میں کر دیا مرقوم
کام اپنا ہے امر حق کہنا — گر معاند لڑے تو چپ رہنا
گر کوئی اس میں ردو قدح کرے — نہیں ہرگز ملال اس کا مجھے
اپنا شیوہ نہیں ہے جنگ و جدل — کس و ناکس سے کرنا رد و بدل
بس سلامت روی ہے کام اپنا — دوست دشمن کو ہے سلام اپنا
صلح کی حق نے دی ہے خو مجھ کو — مرحبا کہتے ہیں عدو مجھ کو
اب تمامی پہ آیا اپنا کلام — بھیجوں حضرت پہ میں درود و سلام

نور ایمان — ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں بیشتر نعتیہ کلام ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

دوستو ہے دار فانی چند روز — یاں کا عیش و کامرانی چند روز
ہیچ ہیں سب نغمۂ جنگ و رباب — لذت صوت اغانی چند روز
بس کوئی دن کی ہے یہ رنگین بہار — ہے چمن کی گل فشانی چند روز
چشم نرگس کا ہے غمزہ کوئی دن — ناز سرو بوستانی چند روز
ہے چہکتا طوطی شکر شکن — سن لو اس کی خوش بیانی چند روز
پھر جو ڈھونڈو گے تو یہ بیدل کہاں — کر لو اس کی میہمانی چند روز

راحت القلوب فی مولد المحبوب — مولانا عبدالسمیع بیدلؒ نے مولود شریف کے بیان میں یہ رسالہ نثر میں لکھا ہے۔ کہیں کہیں نظم ہے آغاز اس طرح سے ہوا

---

[1] دافع الاوہام فی محفل خیر الانام از مولانا عبدالسمیع بیدل (مطبع گلشن فیض لکھنؤ) ص ۲-۳

ہے یہ[1]

لے کے بیدل خدا کا اول نام — پھر پیمبر پہ اپنے بھیج سلام
آل و اصحاب ہیں جو اہل رشاد — رضی اللہ سے کر ان کو شاد
پھر کتابیں تو لے کے با تنقیح — معتبر معتبر صحیح صحیح
مولد اپنے نبی کا کر مرقوم — وہ نبی جس کی ہے جہاں میں دھوم
شہرہ عالم میں ہے تمام ان کا — عرش سے فرش تک ہے نام ان کا
بیدل اب شوق میں بڑھا نہ کلام — تجھ کو لکھنا ہے ذکر خیر الانام

دعا پہ اس کتاب کا اختتام ہوا ہے[2]

مومنو عجز و التجا کے ساتھ — اب دعا کے لئے اٹھاؤ ہاتھ
اے خدا صدقہ کبریائی کا — صدقہ اس نور مصطفائی کا
سیدھا رستہ چلائیو ہم کو — پیچ و خم سے بچائیو ہم کو
مرتے دم غیب سے مدد کیجو — صاف ایمان سے اٹھا لیجو
جب دم واپسیں ہو یا اللہ — لب پہ ہو لا الہ الا اللہ

۱۲۹۰ھ میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے جیسا کہ مندرجہ قطعات سے واضح ہے

قطعہ تاریخ نتیجہ فکر میاں سبحان بخش فصیح[3]

جبکہ چھاپا گیا بطرز جمیل — یہ رسالہ عجیب خوش اسلوب
سال اتمام طبع میں نے فصیح — کہا مولد شریف چھاپا خوب

۱۲۹۰ھ

تاریخ طبع از حافظ محمد نظام الدین جوش ساکن کول[4]

---

[1] راحت القلوب فی مولد المحبوب از مولوی عبدالسمیع بیدل مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۹۰ھ ص۲
[2] ایضاً ص۷۲
[3] ایضاً ص۱۱۳
[4] راحت القلوب ص۱۱۳

حامیِ دیں مولوی عبدالسمیع — کرد تالیف ایں کتاب جانفزا
طبع فرمودش جمیل الدین تجر — با ہزاراں خوبی و حسن و صفا
گفت تاریخش نظام الدین جوش — ذکر میلاد جناب مصطفٰے

۱۲۹۰ھ

انوار ساطعہ مولانا عبدالسمیع بیدل، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید وخلیفہ تھے اور حاجی صاحب کی محبت وعقیدت میں سرشار تھے حاجی صاحب کے خلفاء میں علمائے وقت کی اچھی خاصی تعداد تھی ان میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (ف ۱۲۹۷ھ) مولانا رشید احمد گنگوہی (ف ۱۳۲۳ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی (ف ۱۳۰۲ھ) اور مولانا اشرف علی تھانوی (ف ۱۳۶۲ھ) جیسے اساطین دیوبند بھی تھے اور مولانا عبدالسمیع بیدل، مولانا احمد حسن کانپوری (ف ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد حسین الہ آبادی (ف ۱۳۲۲ھ) مولانا کرامت اللہ دہلوی (ف ۱۹۲۸ھ) مولانا سید امیر حمزہ دہلوی (ف ۱۳۲۵ھ) جیسے نامور علماء بھی تھے جو افکار دیوبندیت سے اتفاق نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کا رجحان طبع آج کل کی اصطلاح میں بریلویت کی طرف تھا۔ حاجی صاحب دونوں جماعتوں کے شیخ طریقت تھے اور دونوں کی دلدہی فرماتے تھے۔ میلاد وقیام کے باب میں آخر الذکر جماعت کے ہم خیال تھے[1] ۱۳۰۲ھ میں بعض علمائے دیوبند وگنگوہ وسہارنپور وغیرہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے دو فتوے میلاد وفاتحہ وغیرہ کے رد میں شائع ہوئے[2] مولانا عبدالسمیع بیدل نے ان فتووں کے رد میں ایک مفصل کتاب "انوار ساطعہ دربیان مولود وفاتحہ" مدلل لکھی۔ مولانا بیدل کتاب کے آغاز میں لکھتے ہیں[3]

---

[1] ملاحظہ ہو ہفت مسئلہ از حاجی امداد اللہ

[2] فتویٰ مولود عرس وغیرہ مطبوعہ مطبع گلزار احمدی مراد آباد

[3] انوار ساطعہ از مولانا عبدالسمیع بیدل (مطبع نعیمی مراد آباد) ص ۳،۲

۱۳۰۲ھ میں دہلی کے تین علماء غیر مقلد اور علمائے دیوبند و گنگوہ و سہارنپور کی حسن توجہ سے اور مطبع ہاشمی میرٹھ کی سعی سے ایک فتویٰ چار ورق پہ چھپ کر اکثر اطراف میں تشہیر کیا گیا اس کی لوح سرنوشت یہ تھی (فتویٰ مولود و عرس وغیرہ) ... خلاصہ مضمون اس کا یہ ہے کہ محفل مولد شریف ... بدعت ضلالت اور اسی طرح اموات کی فاتحہ درود جو ہندوستان میں رائج ہے یہ سب حرام اور رسم بد اور معصیت ہے کچھ دن اس پہ نہ گزرے کہ فتویٰ دوسرا چوبیس صفحہ کا اسی مطبع ہاشمی میں چھپ کر مشتہر ہوا۔ اس کا نام لوح پر یہ لکھا (فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ) ... اس فتوے میں زیادہ تر مذمت میلاد شریف کی ہے اور وہ چو ورقہ جو پہلے چھپا تھا پھر دوبارہ اس میں چھپا مجھ سے بعض اخوانِ طریقت نے بتاکید تمام یہ فرمائش کی کہ اس فتوے کے سبب کچے دل کے آدمی تشکیکات میں پڑ جاتے ہیں اور معاندین اس فتوے کو جا بجا دکھاتے ہیں اور اس فتوے کو پڑھ پڑھ کر اپنے مسلمان بھائیوں کو بے دردی سے چڑاتے ہیں اور فتنہ کی آگ جو اس قسم کی تحریکات نفسانی سے بھڑکتی ہے بھڑکاتے رہیں اب تم کو چاہئے کہ تم خبر لو اور ایک قول حق افراط و تفریط سے خالی اس باب میں لکھ دو ورنہ عوام جگر خام گرداب ضلالت میں ڈوب جائیں گے اور پھر کبھی ساحل ہدایت کی طرف خروج نہ پائیں گے۔ تب حضرت ملہم الصدق والصواب نے جس کے قبضہ قدرت میں بنی آدم کا دل ہے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ بالضرور اس مقدمہ میں ایک حکم فیصل لکھنا چاہئے اور عوام کو تشکیکات رد و جدال میں نہ رکھنا چاہئے تب میں نے یہ رسالہ لکھا اور نام اس کا انوار ساطعہ

دربیان مولود و فاتحہ رکھا"

اس کتاب پر اس دور کے مشہور و مقتدر علماء مثلاً مفتی لطف اللہ علیگڑھی (ف ۱۹۱۶ء) مولانا فیض الحسن سہارنپوری (ف ۱۸۸۶ء) مولانا غلام دستگیر قصوری (ف ۱۳۱۵ھ) مولانا ارشاد حسین رام پوری (ف ۱۸۹۳ء) مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) مولانا عبد القادر بدایونی (ف ۱۹۰۱ء) اور مولانا وکیل احمد سکندرپوری (ف ۱۳۲۲ھ) مولانا محمد فاروق چریاکوٹی (ف ۱۹۰۸ء) اور مولانا عبد الحق حقانی (ف ۱۹۱۷ء) وغیرہ کی تقاریظ اور کتاب کے آخر میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ کی تصدیقات بھی ہیں۔

اس کتاب کا دوسرا اڈیشن ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوا۔ انوار ساطعہ کے رد میں ایک کتاب "البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار ساطعہ" مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سے شائع ہوئی جو دراصل مولانا رشید احمد گنگوہی کی تالیف ہے۔

ان کے علاوہ مولانا عبد السمیع بیدل کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں [۱]:

۱۔ سلسبیل (میلاد منظوم)
۲۔ بہار جنت (مولود شریف)
۳۔ مظہر الحق (مسائل دینیہ)
۴۔ جوہر لطیف (میلاد منظوم)
۵۔ طراز سخن (ابتدائی کلام)

مولانا عبد السمیع بیدل تاریخ گوئی کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ ان کا مندرجہ ذیل قطعہ دستیاب ہوا ہے، جو مطبع مجتبائی میرٹھ کے مطبوعہ قرآن کریم باہتمام منشی ممتاز علی کے لئے لکھا ہے۔

گرفتہ از رنگ حنا قرآں چہ شکل دلپذیر — ہر سطر او جوئے عسل السطور ش جوئے شیر
چوں منشی نزہت رقم فرمود بہر سال طبع — از فکر بیدل آمدہ زیبا کلام بے نظیر

۱۲۸۳ھ

الدر المنظم فی حکم عمل مولد النبی الاعظم مؤلفہ مولانا شاہ عبدالحق الہ آبادی،
(مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) پر مولانا عبدالسمیع بیدل کی ایک مفصل تقریظ ہے۔



لہ مکتوب شیخ شمس الدین میرٹھی بنام راقم مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۵۶ء

غالب اور روہیل کھنڈ

روہیل کھنڈ، شمالی ہند (یوپی) کا نہایت زرخیز اور اہم علاقہ ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے زمانے ہی سے لاہور اور دہلی کے بعد یہ علاقہ اسلامی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوا۔ بدایوں میں تو مسلم حکومت کے قیام سے پہلے ہی مسلمانوں کے نقش قدم پہنچ چکے تھے۔ سنبھل (ضلع مراد آباد، یوپی) اور بدایوں وغیرہ مسلمانوں کے قدیم مفتوحہ مقامات ہیں۔ قطب الدین ایبک اور شمس الدین التمش دہلی کی حکومت پر فائز ہونے سے پہلے بدایوں کے گورنر رہے۔ چنانچہ آج بھی قطبی و شمسی آثار وہاں موجود ہیں۔ خود علاء الدین بادشاہ دہلی نے دہلی چھوڑ کر بدایوں میں سکونت اختیار کی۔ سکندر لودی کئی سال تک سنبھل (ضلع مراد آباد) میں مقیم رہا۔

مغل متاخرین کے زمانے میں اس علاقے پر روہیلہ پٹھانوں کا غلبہ و استیلا قائم ہوگیا۔ دہلی کی مرکزی حکومت کی کمزوری پر انہوں نے اس علاقے میں نیم خودمختار حکومتیں قائم کرلیں، اس طرح روہیلوں کے غلبے کی وجہ سے یہ علاقہ "روہیل کھنڈ" مشہور ہوگیا۔ اس زمانے میں تو اس علاقے کی وسعت بہت تھی اور روہیلوں کی حکومت "از سنگ تا گنگ" مشہور تھی۔ مگر اب اس کے باقیات ایک کمشنری کی صورت میں باقی ہیں اور کمشنری روہیل کھنڈ میں سات اضلاع، بریلی، بدایوں، شاہجہانپور پیلی بھیت، مراد آباد، رام پور اور بجنور شامل ہیں۔ اس مضمون میں ہم اُن شعری ادبی، تہذیبی اور ثقافتی عوامل و آثار کا جائزہ لیں گے جو مرزا غالب کی شخصیت کے زیر اثر اس علاقے میں ظہور پذیر ہوئے۔

ریاست رام پور سے تو مرزا غالب کا خاصا تعلق تھا، والیٔ رام پور نواب یوسف علیخاں

ناظم (ف ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء) ان کے شاگرد تھے۔ فروری ۱۸۵۷ء میں وہ شاگرد ہوئے اس وقت سے مرزا غالب کے انتقال (۱۸۶۹ء) تک مرزا غالب کو وظیفہ ملتا رہا۔ مرزا دو مرتبہ رام پور گئے اور ریاست کے مہمان رہے پہلی مرتبہ (۱۸۶۰ء) دو مہینے اور دوسری مرتبہ (۱۸۶۵ء) ڈھائی مہینے قیام رہا۔ رام پور کے متعلق مرزا غالب لکھتے ہیں؎[1]

رام پور، اہل نظر کی ہے نظر میں وہ شہر
کہ جہاں ہشت بہشت آ کے ہوئے ہیں باہم

رام پور، آج ہے وہ بقعۂ معمور کہ ہے
مرجع و مجمع اشراف نژادِ آدم

رام پور، ایک بڑا باغ ہے از روئے مثال
دلکش و تازہ و شاداب و وسیع و خورم

جس طرح باغ میں ساون کی گھٹائیں برسیں
ہے اسی طرح یہ یہاں دجلہ فشاں دستِ کرم

دوسری جگہ لکھتے ہیں؎[2]

"یہ رام پور ہے دار السرور ہے، جو لطف یہاں ہے وہ اور کہاں ہے سبحان اللہ شہر سے تین سو قدم پر ایک دریا ہے اور "کوسی" اس کا نام ہے۔ بے شبہ چشمۂ آبِ حیات کی کوئی سوت اس میں ملی ہے خیر اگر یوں بھی ہے، تو بھائی، آبِ حیات عمر بڑھاتا ہے، لیکن اتنا شیریں کہاں ہوگا۔"

بریلی کے نامور رئیس قاضی عبد الجمیل جنون (ف ۱۹۰۰ء) مرزا غالب کے خاص شاگرد تھے وہ غالب کو اکثر روہیل کھنڈ کے آم بھیجا کرتے تھے۔ جن کا ذکر غالب نے اپنے خطوط میں کیا ہے؎[3]

---

[1] مکاتیب غالب ص ۷۵، ۷۶ (متن)

[2] خطوط غالب حصہ اول ص ۳۲۵

[3] خطوط غالب حصہ دوم ص ۱۷۷۔ ۱۷۸

"آج بریلی سے ایک بہنگی ایک دوست کی بھیجی ہوئی آئی، دو لوٹ کرے بڑے بڑے ہیں سو آم، کلو داروغہ نے میرے سامنے وہ ٹوکرے کھولے دو سو میں سے تراسی آم اچھے نکلے اور ایک سو سترہ آم بالکل سڑے ہوئے" [1]

غالب ایک دوسرے خط میں قاضی صاحب کو لکھتے ہیں: [2]

"ایک سو بیس آم پہنچے، خدا حضرت کو سلامت رکھے۔"

قاضی صاحب نے غالب کو بریلی آنے کی دعوت دی جس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں: [3]

"نمایش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں! خود اس نمائش گاہ کی سیر سے جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں۔"

بریلی میں غالب کے متعدد شاگرد تھے اسی طرح بدایوں، شاہجہاں پور، بجنور اور مراد آباد میں بھی مرزا کے شاگرد تھے۔ مرزا غالب جب پہلی مرتبہ رام پور آئے اور مراد آباد میں مرزا مدار بیگ کے مکان پہ منشی انوار حسین تسلیم سہسوانی (ف ۱۲ شوال ۱۳۱۹ھ) نے ان سے ملاقات کی تو تسلیم سہسوانی نے مرزا غالب کی آمد کی تاریخ "قادر سخنورے آمد" سے نکالی جس سے ۱۲۷۱ھ برآمد ہوتے ہیں۔ رام پور کے دوران سفر میں مرزا مراد آباد میں ٹھہرے تھے۔ مرزا لکھتے ہیں: [4]

"بعد روانگی کے مراد آباد پہنچ کر بیمار ہو گیا پانچ دن صدر الصدور صاحب کے یہاں پڑا رہا۔ انہوں نے تیمارداری اور غمخواری بہت کی۔"

یہ صدر الصدور مولوی محمد حسن خاں بریلوی المتخلص بہ اسیر (وفات تقریباً ۱۲۸۱ھ)

---

[1] خطوط غالب حصہ دوم ص ۲۷۲۔۲۷۳

[2] ایضاً ص ۲۷۶

[3] العلم کراچی اپریل ۱۹۷۱ء ص ۱۱۶

[4] خطوط غالب حصہ اول ص ۲۱۷

تھے جو اس زمانے میں وہاں صدر الصدور تھے[1] اسیر اور غالب سے خاص تعلقات تھے۔

تلامذہ غالب

روہیل کھنڈ میں مرزا غالب کے بہت سے شاگرد تھے۔ ذیل میں ہم ان حضرات کی ایک فہرست ضروری امور کی صراحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کیونکہ تفصیل حالات تو "تلامذۂ غالب"[2] میں مرقوم ہیں۔

۱۔ احسن، حکیم مظہر احسن خاں رام پوری (پیدائش ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء وفات ۱۸ مارچ ۱۸۹۱ء) صاحب دیوان، مدیر خورشید آفاق (ہفتہ وار) مالک مطبع مظہری پیلی بھیت (ص ۲۵)

۲۔ اخگر، حکیم فتح یاب خاں رام پوری (۱۸۳۰ء ۔ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴-۱۵ء) سیاح وطبیب (۲۸۴)۔

۳۔ بسمل، شاکر علی (غلام بسم اللہ) بریلوی (۱۲۳۹ھ ۔ ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء) مجموعۂ نعت "نالۂ بسمل" مطبوعہ (ص ۴۸ ۔ ۴۷)

۴۔ بیتاب، صاحبزادہ عباس علی خاں رام پوری (تقریباً ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء ۔ ۲۹ رجب ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء) دیوان "گلدستۂ خیال" مطبوعہ (ص ۵۰ ۔ ۵۲)

۵۔ تمنا، مولوی محمد حسین مراد آبادی (تقریباً ۱۲۳۰ھ ۔ ۱۳۱۰ھ) عالم، واعظ، نعت گو، دیوان اردو و قصائد فارسی مطبوعہ[3]

۶۔ جم، نواب جمشید علی خاں مراد آبادی[4] مالک جام جمشید، روہیل کھنڈ،

---

[1] بعض حضرات نے صدر الصدور سے مراد سر سید احمد خاں سمجھا ہے جو صحیح نہیں ہے (ملاحظہ ہو تلاش غالب از نثار احمد فاروقی (لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۴۷۔

[2] تلامذۂ غالب" از مالک رام کے صفحات کا حوالہ قوسین میں دیا گیا ہے۔

[3] تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "غالب کے چند شاگرد"۔

[4] نثار احمد فاروقی کو ان کی نسبت تلمذ میں کلام ہے، تلاش غالب ص ۱۱۴

بلند اختر (ص ۷۴ - ۷۵)

۷۔ جنون، خان بہادر قاضی عبدالجلیل بریلوی (۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء - ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء)
(ص ۷۶ - ۷۸)

۸۔ جوہر، معشوق علی خاں شاہجہاں پوری (۱۸۵۲ء - اگست ۱۹۲۸ء)[۱]
دیوان اردو دیوان فارسی موجود (ص ۸۰ - ۸۲)۔

۹۔ رشکی، عنایت حسین بدایونی (۱۵ شوال ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء - ۷ صفر ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء) (ص ۱۲۰)

۱۰۔ رضوان، رضوان علی خاں مرادآبادی (ف ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء) کلیات "تصویر خوبی"
مطبوعہ (ص ۱۲۳ - ۱۲۵)

۱۱۔ زکی، نواب محمد زکریا خاں دہلوی ثم بدایونی (۱۸۳۹ء - ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء) دیوان
مطبوعہ (ص ۱۳۷ - ۱۴۰)

۱۲۔ سروش، صاحبزادہ عبدالوہاب خاں رام پوری (پیدائش ۱۲۳۸ھ وفات نامعلوم)

۱۳۔ سلطان، مفتی سلطان حسن خاں بریلوی (۱۲۴۰ھ - ۱۲۹۹ھ) (ص ۱۵۲)[۲]

۱۴۔ سید، مفتی سید احمد بریلوی (وفات ۵۹-۱۸۵۸ء در جزائر انڈمان و نکوبار)[۳]

۱۵۔ شوخی، نادر شاہ خاں رام پوری (ص ۱۷۱ - ۱۷۲)

۱۶۔ شہاب، شہاب الدین خاں رام پوری (پیدائش ۱۲۵۰ھ - وفات نامعلوم) (ص ۱۷۳)

۱۷۔ شہیر، حافظ خاں محمد خاں رام پوری ثم بھوپالی (۱۲۶۱ھ - ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء) (ص ۱۷۴ - ۱۷۶)

۱۸۔ صاحب، محمد حسین بریلوی، (وفات ۱۳۱۷ھ) (ص ۱۹۲)

۱۹۔ صادق و عزیز، عزیز الدین بدایونی (۱۷ صفر ۱۲۴۴ھ - ۲۴ جمادی الآخر

---

[۱] نثار احمد فاروقی کو ان کی نسبت تلمذ میں شبہ ہے (تلاش غالب ص ۱۱۴) ظاہر ہے کہ غالب کے انتقال کے وقت جوہر کی عمر پندرہ سولہ سال تھی۔ (فاروقی)

[۲و۳] تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کا مضمون "غالب کے چند شاگرد"

سلسلہ[1] (ص ۱۹۲ تا ۱۹۳)

۲۰۔ صوفی، محمد علی نجیب آبادی ۔ (ص ۱۹۸)

۲۱۔ غلام نجف خاں، حکیم، نخوپوری ثم دہلوی (۲۴؍ شعبان ۱۲۲۴ھ ۔ ۱۸۸۹ء)[2]

۲۲۔ فدا، صاحبزادہ فدا علی خاں رام پوری (پیدائش ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء ۔ وفات نامعلوم) ص ۲۴۵ ۔ ۲۴۶)

۲۳۔ فنا و جمالی، حکیم احمد حسن سہسوانی (وفات ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) (ص ۲۴۵ ۔ ۲۴۷)

۲۴۔ مائل، میر عالم علی خاں سہسوانی (ص ۲۵۲)

۲۵۔ محشر، عبداللہ خاں رام پوری (ص ۲۵۶)

۲۶۔ مدہوش، خان بہادر منشی سخاوت حسین بدایونی (۱۸۲۶ء ۔ ۱۹۰۱ء)[3]

۲۷۔ مغلوب، افتخار الدین رام پوری (وفات ۱۸۶۵ء) (ص ۲۶۰)

۲۸۔ منشی، سیل چند رام پوری، میر منشی (تقریباً ۱۸۱۳ء ۔ ۲۹ دسمبر ۱۸۹۴ء)[4]

۲۹۔ نادم، فخر الدین رام پوری (ص ۲۶۹)

۳۰۔ ناظم، نواب یوسف علی خاں والی رام پور (۵ ربیع الثانی ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء ۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء) (ص ۲۷۱ ۔ ۲۷۸)

۳۱۔ نظام و رعنا ۔ نواب مردان علی خاں مراد آبادی (وفات ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء) مصنف کتب متعددہ کلیات مطبوعہ (ص ۲۸۱ ۔ ۲۸۴)

۳۲۔ نواب کلب علی خاں والی رام پور (۲۰ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ[5] ۔ ۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۴ھ ۔ ۱۸۸۷ء)

---

[1] ملاحظہ ہو: انساب شیوخ فرشوری بدایوں از مولوی رضی الدین بسمل مطبوعہ کاکس پریس شاہ آباد

[2] ملاحظہ ہو حکیم محمود احمد برکاتی کا مقالہ "حکیم غلام نجف خاں"۔ العلم غالب نمبر کراچی ۱۹۶۹ء

[3] ملاحظہ ہو: راقم کا مضمون "غالب کے چند شاگرد"

[4] ملاحظہ ہو مکاتیب غالب ص ۴۳ ۔ ۴۶ (مقدمہ) ص ۱۰۹ (متن)

[5] مکاتیب غالب ص ۳۵ (مقدمہ) ص ۳۴ ۔ ۳۵ ۔ متن ۔

۳۴۳۔ وفاد طالب، میر ابراہیم علی خاں سہسوانی رعرف (۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء–۱۸۸۵ء) ۴۹۶ (ص
مالک رام صاحب نے اپنی کتاب "تلامذۂ غالب" میں ایک سو چھیالیس شاگردوں کا حال لکھا ہے جن میں سے ۳۳ روہیلکھنڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر اس علاقہ میں غالب کے نامور شاگردوں کے شاگرد بھی ہوئے۔ ظاہر ہے کہ خانوادۂ غالب کا یہ سلسلہ وسیع تر ہوگا۔ صرف شہر بدایوں میں تین حضرات کی ہم نشاندہی کرتے ہیں جو ایک واسطے سے غالب کے شاگرد تھے۔

مولوی امام الدین [1] ولد شیخ نورالدین بدایونی عالم و فاضل تلمیذ شاہ عبدالعزیز و مولوی غیاث الدین صاحب غیاث اللغات و مرزا تفتہ، مولف انشائے گلزار ہند (مطبوعہ)

حکیم سعید الدین کامل بدایونی [2] حکیم سعید الدین ابن حافظ اساس الدین ۱۲ر رمضان ۱۲۴۰ھ کو پیدا ہوئے طب میں حکیم صادق علی خاں دہلوی کے شاگرد تھے ۲۷ رجب ۱۳۱۲ھ کو فوت ہوئے، نہایت خوشخط تھے۔ حکیم سعید الدین کے لکھے ہوئے چند رسالے راقم کی نظر سے گزرے۔ راقم کے پردادا مولوی حکیم سعید اللہ قادری (ف ۱۹۰۰ء) سے حکیم سعید الدین مرحوم کے بہت گہرے تعلقات تھے۔ حکیم سعید الدین کامل تخلص کرتے تھے اور مرزا زین العابدین عارف کے شاگرد تھے۔

مولوی انصار حسین زلالی بدایونی [3] بدایوں کے قدیم باشندے خلیق، ملنسار، قابل وکیل اور خواجہ الطاف حسین حالی کے شاگرد تھے نعت و منقبت میں خوب کہتے تھے سرسٹھ سال کی عمر میں ۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء کو انتقال ہوا۔

یہاں ہم ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ غالب کی مقبولیت اور

---

[1] ملاحظہ ہو مولوی محمد سلیمان بدایونی کا مضمون "بدایوں اور اہل حدیث" مطبوعہ الموتمر کراچی مارچ ۱۹۵۷ء ص ۳۹

[2] انساب شیوخ فرشوری بدایوں ص ۹۰–۹۲

[3] ذوالقرنین بدایوں (۲۸ر جولائی ۱۹۲۴ء)

غالب پسندی کا یہ اثر ہوا کہ بعض حضرات نے غالب سے تلمذ کا غلط انتساب کرنا شروع کر دیا۔ اس کی بعض مثالیں روہیل کھنڈ میں بھی ملتی ہیں ۔

مولوی علی احمد خاں اسیر بدایونی (ف ۱۹۲۰ء) نہایت عالم فاضل شخص تھے سینٹ جانس کالج آگرہ میں عربی و فارسی کے پروفیسر رہے۔ شاعری کا اچھا ذوق رکھتے تھے نعت و منقبت میں ان کا کلام ہے۔ شاعری میں مذاق بدایونی (ف ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۱۲ھ) کے سلسلے سے وابستہ تھے۔ جب ان کے ربیب مولوی محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی (ف ۱۵ اگست ۱۹۷۰ء) نے اسیر بدایونی کا کلام "منقبت خواجہ ولی ہند" (مطبوعہ عثمانی پریس بدایوں ۱۹۳۳ء) شائع کیا تو اس کے مقدمہ میں ان کا تلمذ موتمن و غالب سے ظاہر کیا جو صحیح نہیں تھا، اسیر بدایونی، مومن دہلوی کے انتقال سے دو سال بعد پیدا ہوئے۔ لہٰذا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح غالب سے تلمذ کا دعویٰ بھی محض باطل ہے ہم نے تفصیلی بحث اپنے مضمون "مولانا علی احمد خاں اسیر" (مطبوعہ العلم کراچی جنوری ۱۹۵۶ء) میں کی ہے۔

مرزا نصیر الدین برلاس علیش مراد آبادی (ف ۱۹۰۰ء) ولد مرزا عبدالباری مولوی عبدالقادر غمگین (ف ۱۸۴۹ء) کے پوتے تھے ان کے اہل خاندان بھی علیش کو تلامذۂ غالب میں محسوب کرتے ہیں[۱] ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں، انہوں نے اپنے تفصیلی حالات "نگینۂ انگشتری سلیمانی" کے نام سے فارسی میں لکھے تھے۔ جس کا اردو ترجمہ ہم نے وقائع نصیر خانی کے نام سے کیا ہے۔ یہ وقائع عبدالقادر خانی (علم و عمل) کی دوسری جلد میں شامل ہے۔ اس خود نوشت میں کہیں ذکر و اشارہ تک نہیں ہے[۲]

بریلی کے ایک خوش فکر شاعر عبدالرحمٰن وحشی تھے جو خاندان مفتیان بریلی کے ایک رکن تھے۔ اس خاندان میں غالب کا چرچا تھا۔ جب غالب کے براہ راست شاگرد

---

[۱] مکتوب وحید احمد مسعود بنام راقم مورخہ ۲ر اگست ۱۹۶۱ء۔

[۲] ملاحظہ ہو وقائع نصیر خانی کراچی ۱۹۶۱ء (مشمولہ علم و عمل جلد دوم کراچی ۱۹۶۱ء)

مفتی سلطان حسن خاں، قاضی عبدالجمیل جنوں اور غلام بسم اللہ بسمل وغیرہ رہگرائے عالم بقا ہو گئے تو وحشی نے بھی بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں غالب کے تلمذ کا ذکر و اعلان کر دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس تلمذ کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔[۱] جیسا کہ بریلی و بدایوں کے واقفان حال سے ہمیں معلوم ہوا ہے۔

اسی طرح بریلی میں ایک اور بزرگ حکیم جمشید علی خاں آختر (ف ۱۹۵۱ء) تھے وہ دراصل دہلی کے باشندے تھے، بریلی میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے وہ بھی اپنے کو غالب کا شاگرد بتاتے تھے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

شیخو پور: شہر بدایوں سے متصل ایک بستی شیخو پورہ ہے، جس میں فاروقی شیوخ کا قدیم خاندان آباد ہے۔ اس خاندان کے ایک نامور فرد حکیم غلام نجف خاں سے غالب کے تعلقات کا ذکر ہو چکا ہے وہ حکیم احسن اللہ خاں دہلوی (ف ۱۸۷۳ء) کے شاگرد اور بہنوئی تھے ان کے نام غالب کے متعدد خط ہیں۔ ان کے صاحبزادے حکیم ظہیر الدین بھی غالب کے مکتوب الیہ ہیں۔

ظہیر الدین کی طرف سے ایک خط کا جواب ان کے چچا ڈپٹی نجم الدین حیدر شیخو پوری کو خود غالب نے لکھا تھا۔[۲]

حکیم غلام نجف خاں کے ایک بھائی حمید الدین تھے وہ دہلی میں کسی اچھے عہدے پر ملازم تھے۔ مرزا غالب نے ان کے انتقال پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا ہے۔[۳]

رفت چوں مولوی حمید الدین! زیں جہاں کز فنا عمارت اوست
از خدا زد سہر رفت و دہر ہنوز پرز آوازۂ فضیلت اوست

---

[۱] ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے ان کو تلامذۂ غالب میں شمار کر لیا ہے معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۹ء

[۲] اردوئے معلی (مطبع مجیدی کانپور ۱۹۲۲ء) ص ۱۷۲

[۳] تلاش غالب ص ۵۷ - ۵۸

سید الانبیار شفیعش باد — کاں سعید ازل زعزت اوست
دخل راچوں فزوں کنی برخلد — سال فوتش ہمیں حقیقت اوست

۴۴۴+۶۲۴ = ۱۲۶۸ھ

داخل خلد گشت پنداری — دخل درخلد سالِ رحلت اوست

۶۲۴ + ۶۴۴ = ۱۲۶۸ھ

رمز دریاب تا غلط نہ کنی — زاں کہ تکرارِ خلد صورت اوست
"خلد خلد" است برلب غالب — نگر ہرکس بقدرِ ہمت اوست

۶۴۴ + ۶۲۴ = ۱۲۶۸ھ

مولانا فضل رسول بدایونی[1]

بدایوں کے ایک نامور عالم تھے، مولانا فضل حق خیرآبادی (ف ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء) سے ان کے خاص تعلقات اور فکری ہم آہنگی تھی۔ ردّ وہابیت میں مولانا فضل رسول بدایونی کا خاص شہرہ ہے۔ نواب محی الدولہ محمد یار خاں سورتی کی تحریک پر ۱۸۶۲ء میں حیدرآباد دکن گئے وہاں سترہ روپے یومیہ ان کا وظیفہ مقرر ہوا[2] محی الدولہ خوش عقیدہ مسلمان تھے انہوں نے ان ہی دنوں مولوی غلام امام شہید کو بھی بلایا تھا۔ اتفاق سے شاعری میں شہید کا تعلق قتیل سے تھا لہٰذا مرزا غالب کو کدہ ہوئی۔ انہوں نے حکیم غلام نجف خاں کو شیخوپور (بدایوں) دریافت حال کے لئے لکھا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں[3]

---

[1] ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۳۸۰

[2] اکمل التاریخ حصہ دوم از مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی (مطبع قادری۔ بدایوں ۱۹۱۰ء) ص ۵۲

[3] خطوط غالب جلد دوم ص ۷۹

"مولوی فضل رسول[1] صاحب حیدر آباد گئے ہیں، مولوی غلام امام شہید آگے سے وہاں ہیں۔ محی الدولہ محمد یار خاں موتی نے ان صورتوں کو وہاں بلایا ہے۔ پر یہ نہیں معلوم کہ وہاں ان کو کیا پیش آیا ہے اگر تم کو کچھ معلوم ہو تو مجھ کو ضرور لکھو۔"

مرزا غالب نے محی الدولہ کے مذہبی جذبات کے پیش نظر رد وہابیہ کی مشہور مثنوی بھیجی مگر کوئی فائدہ نہ ہوا چنانچہ مرزا غالب اپنے شاگرد ذکا کو لکھتے ہیں۔

"رد فرقۂ وہابیہ میں ایک مثنوی جو سابق میں لکھی تھی، وہ محی الدولہ کو بھیجی رسید بھی نہ آئی۔"

مولوی عبدالقادر رام پوری

مولوی عبدالقادر رام پوری (ف ۱۸۴۹ء) نہایت عالم و فاضل شخص تھے شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے غمگین[2] تخلص تھا ان کا روزنامچہ وقائع عبدالقادر خانی (علم و عمل) دو جلدوں میں ایجوکیشنل کانفرنس کراچی سے طبع ہوا ہے راقم نے ترتیب و تہذیب کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں مولوی عبدالقادر تقریباً ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں وکیل مطلق مقرر ہوئے۔ اسی زمانے میں اکابر و عمائد دہلی سے

---

[1] نثار احمد فاروقی صاحب نے مولوی فضل رسول بدایونی کی بجائے منشی فضل رسول واسطی (ف ۱۸۶۷ء) سے یہ واقعہ متعلق کر دیا ہے۔ (تلاش غالب ص ۸۴) جو صحیح نہیں ہے وہ کبھی حیدر آباد نہیں گئے ملاحظہ ہو بوستان اودھ از راجا درگاہ پرشاد (مطبوعہ ۱۸۸۶ء) ص ۱۶۷

[2] حالات کے لئے دیکھئے وقائع عبدالقادر خانی (علم و عمل) کا مقدمہ (جلد اول ص ۲۵۔۴۴ و جلد دوم ص ۲۴۔۲۶) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۰ء و ۱۹۶۱ء)

[3] یادگار غالب از خواجہ الطاف حسین حالی (لاہور ۱۹۶۳ء) ص ۱۰۲۔۱۰۹

ان کے تعلقات ہوئے اور علمی و ادبی اور شعری و تہذیبی حلقوں میں باریاب ہوئے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ اور مرزا غالب سے بھی تعلقات ہوئے مولوی عبدالقادر لغات اور اصطلاحات کی بھرمار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ انداز میں مرزا غالب کو سمجھایا کہ مشکل لغات اور پرشکوہ الفاظ کا استعمال کلام کی خوبی نہیں ہے اور یہ طرز و انداز صحت مندانہ فکر اور قبولیت عام کے عنصر سے خالی ہے چنانچہ خواجہ الطاف حسین حالی لکھتے ہیں۔

"ایک دفعہ مولوی عبدالقادر رام پوری نے جو نہایت ظریف الطبع تھے جن کو چند روز قلعۂ دہلی سے تعلق رہا تھا۔ مرزا غالب سے کسی موقعے پر کہا کہ آپ کا ایک شعر سمجھ میں نہیں آتا اور اسی وقت دو مصرعے خود موزوں کر کے مرزا کے سامنے پڑھے۔

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال　　پھر دوا جتنی ہے کل بھینس کے انڈے سے نکال

مرزا سخت حیران ہوئے اور کہا کہ حاشا یہ میرا شعر نہیں ہے مولوی عبدالقادر نے ازراہ مزاح کہا میں نے خود آپ کے دیوان میں دیکھا ہے اور دیوان ہو تو میں اب دکھا سکتا ہوں۔ آخر مرزا کو معلوم ہوا کہ مجھ پر اس پیرائے میں اعتراض کرتے ہیں اور گویا یہ جتلاتے ہیں کہ تمہارے دیوان میں اس قسم کے اشعار ہوتے ہیں"۔

مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے اس سلسلے میں یہ نشان دہی کی ہے کہ نواب مصطفےٰ خاں نے مرزا غالب سے کہا کہ مولوی عبدالقادر صاحب نے آپ کے کلام سے ظرافت کی ہے۔ حالی اس قسم کے واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ان نکتہ چینیوں اور تعریفوں سے مرزا غالب متنبہ ہوئے اور آہستہ آہستہ ان کی طبیعت راہ راست پر آ گئی مرزا غالب نے جب کلکتے میں مثنوی (باد مخالف) لکھی تو مولوی عبدالقادر رام پوری کو بھیجی مرزا لکھتے ہیں[1]

---

[1] مکاتیب غالب حصہ دوم ص ۲۱۲

"غرض اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رام پوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال اور نظائر کے پاس بھیج گئی۔ اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے۔"[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی نظر میں مولوی عبدالقادر رام پوری کا بڑا مقام تھا۔ مولوی عبدالقادر رام پوری کے روزنامچے میں مرزا غالب کا ذکر نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی عبدالقادر ۱۸۱۴ء میں بسلسلۂ ملازمت دہلی پہنچے اور ۱۸۱۵ء میں واپس آگئے اور ۱۸۱۷ء میں وہ دوبارہ گئے اور ۱۸۱۸ء میں ان کا تبادلہ اجمیر ہوگیا اور اسی زمانے کے لگ بھگ مرزا غالب کا مستقل قیام دہلی میں شروع ہوا۔ ۱۸۲۵ء میں وہ رخصت لے کر اپنے وطن رام پور آگئے اور ۱۸۳۱ء میں انہوں نے یہ روزنامچہ اپنے وطن رام پور میں مرتب کیا۔ پھر ایک مدت کے بعد ۱۸۴۰ء میں مولوی عبدالقادر کا قلعۂ معلی (دہلی) سے تعلق ہوا۔ ۱۸۳۱ء کے بعد کے حالات لکھے نہیں گئے اس وجہ سے اس میں مرزا غالب کا ذکر نہیں ہے۔

روہیل کھنڈ کے فارسی زبان کے بعض شعرا مثلاً خلیفہ احمد علی احمد رام پوری، مولوی علی بخش شرر بدایونی اور مولوی ہدایت علی تمکین (ساکن کندرکی ضلع مراد آباد) سے مرزا غالب کی ادبی چھیڑ چھاڑ رہی جس پر ہم نے مستقل اظہار خیال کیا ہے۔

مرزا غالب نے قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کے نام ایک خط لکھا ہے[2] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہسوان (ضلع بدایوں) کے کوئی صاحب بھی قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں مگر ان کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ کون صاحب تھے۔ ایسا گمان ہے کہ وہ غالباً انوار حسین تسلیم سہسوانی تھے۔[3]

---

[1] خطوط غالب جلد دوم ص ۲۷۱ [2] دید و دریافت ص ۲۳

غالب تذکروں میں

اب ہم یہاں ان تذکروں اور ادبی آثار کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جن میں غالب کے حالات درج ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح روہیل کھنڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔

ریاض الفردوس

مولوی محمد حسین خاں ولد غلام قادر خاں ۱۲۴۵ھ میں شاہجہان پور میں پیدا ہوئے اپنے وطن اور دہلی میں تعلیم حاصل کی سیر و سیاحت اور ملازمت میں زندگی گزاری صوفی مشرب بزرگ تھے انہوں نے ایک کتاب ریاض الفردوس لکھی ہے جو تین حصول عربی، فارسی اور اردو پر مشتمل ہے۔ فارسی اور اردو دونوں حصوں میں مرزا غالب کا ذکر اور ان کی شاعری اور نثر کا نمونہ شامل ہے۔ اردو حصے کا اقتباس "تذکرہ ریاض الفردوس" کے نام سے شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور نے اپریل ۱۹۶۸ء میں شائع کر دیا ہے ترتیب و تحشیہ کا کام مرتضیٰ حسین فاضل نے انجام دیا ہے۔

تذکرہ شمیم سخن (جلد اول)

مولوی عبدالحی صفا وکیل (ف ۱۹۱۴ء) بدایوں کے قدیم باشندے تھے تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ متعدد کتابیں ان سے یادگار ہیں ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں انہوں نے یہ تذکرہ مکمل کیا اور مطبع امداد الہند (مراد آباد) میں طبع ہوا۔ اس کی دوسری جلد شاعرات کے حالات پر مشتمل ہے۔ عبدالحی صفا نے یہ تذکرہ آب حیات (۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) مولفہ محمد حسین آزاد سے آٹھ سال قبل لکھا تھا اور محمد حسین آزاد نے تذکرہ شمیم سخن کے مقدمے سے استفادہ بھی کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔ تذکرہ شمیم سخن میں غالب کا حال و انتخاب کلام ص ۵۵ تا ۶۳ موجود ہے۔

انتخاب یادگار

منشی امیر احمد مینائی نے ۱۲۹۰ھ میں انتخاب یادگار کے نام سے ایک تذکرہ شعراء نواب کلب علی خاں والی رام پور کے زمانے میں لکھا نام تاریخی ہے یہ تذکرہ ۱۲۹۶ھ میں

تاج المطابع رام پور میں طبع ہوا ہے یہ تذکرہ دو طبقات پر مشتمل ہے پہلے حصے میں والیان ریاست یا ارکان خاندانِ ریاست کا تذکرہ ہے اور دوسرے حصے میں رام پور کے دیگر شعراء یا متوسل شعرائے دربار رام پور کا ذکر ہے انتخاب یادگار میں مرزا غالب کا حال و انتخاب کلام ص ۲۴۰ تا ۲۶۴ موجود ہے ۔ امیر مینائی نے غالب کی تصانیف میں قادر نامہ کا بھی ذکر کیا ہے ۔

قاموس المشاہیر

مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی (ف ۱۹۴۷ء) نے اکابر و مشاہیر کے حالات "قاموس المشاہیر" کے نام سے دو جلدوں میں لکھے ہیں۔ اس کی پہلی جلد ۱۹۱۵ء میں اور دوسری جلد ۱۹۲۶ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوئی قاموس المشاہیر جلد دوم (ص ۱۰۹) میں مرزا غالب کے حالات مندرج ہیں ۔

انتخاب زریں

سراس مسعود نے اردو شعراء کے کلام کا انتخاب مع حالات شعراء "انتخاب زریں" کے نام سے مرتب کیا جو ۱۹۲۱ء میں نظامی پریس بدایوں سے شائع ہوا ۔ نظامی نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اس میں ۹۹ شعراء کا کلام اور حالات شامل ہیں ۔ مرزا غالب کا حال اور انتخاب کلام ص ۸۳ تا ۹۱ موجود ہے ۔

داستان تاریخ اردو

پروفیسر حامد حسین (ف مئی ۱۹۶۴ء) قصبہ کچھراؤں ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے ، ادیب ، نقاد اور مورخ تھے ، ان کی مشہور کتاب "داستانِ تاریخ اردو" ۱۹۳۸ء میں تالیف ہوئی جس میں اردو نثر نگاروں کے کام کا تفصیلی اور تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے ۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۴۱ء میں آگرہ سے اور دوسرا ایڈیشن کراچی سے شائع ہوا ہے ۔ پروفیسر قادری نے اس کتاب میں غالب کو نثر نگار اور صاحب طرز ادیب کی حیثیت سے پیش کیا ہے ملاحظہ ہو کتاب مذا صفحہ ۲۱۱ تا ۲۴۶ (طبع اول)

اعمال نامہ

سر رضا علی (ف ۱۹۴۹ء) کندرکی ضلع مراد آباد کے باشندے تھے انہوں نے اپنے خود نوشت حالات نہایت دلچسپ انداز میں "اعمال نامہ" کے نام سے لکھے ہیں جس میں انہوں نے غالب سے متعلق اپنے ناقدانہ تاثرات پیش کئے ہیں اور یہ خیالات بعض اعتبار سے نہایت اہم ہیں اعمال نامہ ۱۹۴۳ء میں دہلی سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب کے صفحات ۲۵ تا ۲۶، ۴۸ تا ۴۹ اور ۴۰۴ پر غالب کا ذکر ملتا ہے۔

مومن

کلب علی خاں فائق رام پوری نے مومن دہلوی کے حالات پر ایک تفصیلی کتاب لکھی ہے جس میں مومن کے حالات اور ان کے کلام کا تنقیدی جائزہ لیا گیا یہ کتاب مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ فائق رام پوری صاحب نے غالب اور مومن کے معاصرانہ تعلقات کا جائزہ اس کتاب کے دس صفحات میں لیا ہے ملاحظہ ہو ص ۲۳۵ تا ۲۴۴۔

غالب شناسی

نظامی بدایونی

آج غالب شناسی کے نغموں سے تمام عالم گونج رہا ہے اور برصغیر پاک و ہند کی تو فضائے بسیط پورے طور سے اس نوا سے معمور ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے شروع میں غالب شناسی کا آغاز ہوا۔ یہاں ہم ان غالب شناسوں کے کام کا جائزہ لیں گے۔ جن کا تعلق روہیل کھنڈ سے ہے غالب شناسی کی خشت اول نظامی پریس بدایوں کے مالک و بانی اور اخبار ذوالقرنین (بدایوں)، کے مدیر مولوی نظام الدین

---

[1] غالب کی یادگار قائم کرنے کی اولین تجویز بھی مرزا ن علی رعنا و نظام مراد آبادی نے پیش کی تھی ملاحظہ ہو غالب شاعر امروز و فردا از ڈاکٹر فرمان فتح پوری (لاہور ۱۹۷۰ء) ۲۰۲۔

حسین نظامی بدایونی نے رکھی۔ محمد احمد کاظمی لکھتے ہیں[1]

"بیان کیا جاتا ہے کہ سر راس مسعود مرحوم ایک مغربی سیاح کے ساتھ دلّی کی سیر کر رہے تھے۔ سیاح کی فرمائش پر کہ ہندوستان کی قومی زبان کے سب سے بڑے شاعر کا کلام اسے دکھایا جائے۔ نواب صاحب نے دیوانِ غالب کا ایک نسخہ خرید کر اسے پیش کیا جس پر اسے حیرت اور نواب صاحب کو شرمندگی ہوئی۔ چنانچہ اس کے بعد نواب صاحب کی تحریک پر نظامی صاحب نے مرزا غالب کے دیوان کا ایک صحیح نسخہ عمدہ کتابت اور طباعت کے اہتمام سے شائع کیا اس کے بعد مرزا غالب کے کلام کے سینکڑوں اڈیشن نکلے لیکن ان میں پہلا قدم نظامی صاحب ہی کا اڈیشن ہے۔"

ڈاکٹر سید محمود سابق وزیر تعلیم صوبہ بہار رقم طراز ہیں[2]

"ان سر راس مسعود کی تحریک پر مولانا نظامی بدایونی نے دیوان غالب کا پہلا اڈیشن نفیس کاغذ اور صاف ستھری چھپائی کے ساتھ ملک میں پہلی بار پیش کیا۔ دوسرا اڈیشن اور زیادہ عمدگی اور صحت کے ساتھ نکلا، پتا چلا کہ اہل ملک غالب کی عظمت کو پہچاننے اور اس ترجمان حقیقت کے فلسفیانہ خیالات کو سمجھنے لگے ہیں۔ ان دونوں اشاعتوں کے بعد اس ہیچ میرز نے نظامی صاحب کے ایک خط کا جواب دیتے ہوئے تحریک کی کہ اب تیسرا اڈیشن پاکٹ اڈیشن کی صورت میں ہونا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی اور تجاویز پیش کیں۔ مولانا نظامی نے ان تجاویز کو منظور کر لیا لیکن اس تصور کے ساتھ ہی میری سزا بھی تجویز کر دی کہ مجھ سے فرمائش

---

[1] نظامی بدایونی از محمد احمد کاظمی (بدایوں ۱۹۴۹ء) ص ۳۲ - ۳۳

[2] مقدمہ دیوان غالب نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۳ء

کی کہ تیسرے اڈیشن کا مقدمہ تم لکھو۔"

امتیاز علی عرشی رام پوری لکھتے ہیں؎۔

"(نظامی بدایونی) نے دیوان غالب سادہ اور باشرح کے متعدد بہترین نسخے شائع فرما کر ملک پر بہت بڑا ادبی احسان کیا تھا۔ سب سے پہلے آپ ہی نے غالب کے اردو دیوان کے فارسی دیباچہ کی تاریخ ایک رام پوری نسخے کی مدد سے (جو احمد علی شوق قدوائی مرحوم کے پاس تھا) ۱۲۴۸ھ متعین کی نیز نامی پریس کانپور کے بعد حسن طباعت کا جو اعلیٰ معیار آپ نے قائم کیا تھا وہ آج بھی قابل داد و ستائش ہے"۔

نظامی بدایونی نے دیوان غالب کا پہلا اڈیشن $\frac{۲۶ \times ۱۷}{۸}$ سائز پر ۱۹۱۵ء میں شائع کیا۔ ۱۹۱۸ء میں دوسرا اڈیشن اور پھر تیسرا اڈیشن شائع ہوا جس میں ڈاکٹر محمود کا فاضلانہ مقدمہ شامل ہے۔ اس اڈیشن کے ساتھ نظامی بدایونی نے مختصر شرح بھی شائع کی جو مرزا کے خطوط کی روشنی میں مرتب کی گئی، جس کی وجہ سے اس شرح کی ایک امتیازی صورت پیدا ہو گئی۔ ۱۹۴۹ء تک نظامی پریس بدایوں سے دیوان غالب کے سات اڈیشن شائع، جن میں بعض اڈیشن کئی کئی ہزار کی تعداد میں چھپے۔

نظامی بدایونی نے غالب کے حالات میں ایک کتاب "نکات غالب" مرتب کی جس کا پہلا اڈیشن جنوری ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں غالب کی خود نوشت، دوسرے میں ادبی نکات اور تیسرے حصے میں لطائف و ظرائف ہیں۔ یہ سارا مواد غالب کے خطوط سے لیا گیا ہے۔

نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایوں سے ایک ہفتہ وار اخبار "ذوالقرنین" شائع کرتے تھے۔ یہ نہایت سنجیدہ علمی و تہذیبی اخبار تھا، یہ اخبار ۱۹۰۳ء سے جاری ہوا

؎ نقوش لاہور جون ۱۹۶۰ء۔

اس اخبار[1] میں مرزا غالب کا کلام اور ان سے متعلق اکثر مضامین شائع ہوئے۔ اگست سنہ ۱۹۰۰ء میں اس قابل قدر اخبار کے مکمل فائل از سنہ ۱۹۰۳ء تا سنہ ۱۹۰۷ء مولوی احید الدین نظامی صاحب کی عنایت سے دیکھنے کو مل گئے، جس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

اخبار "ذوالقرنین" بدایوں میں جو مضامین مرزا غالب سے متعلق شائع ہوئے ہیں ان کا ایک اشاریہ درج ذیل ہے:

۱۔ تربت غالب مظلوم و مرحوم۔ معین الدین شاہجہانپوری (۲۸ جون سنہ ۱۹۱۱ء)

۲۔ مرزا غالب کے مزار کی مرمت (۷ اگست سنہ ۱۹۱۶ء)

۳۔ مرزا غالب سے للّٰہی بغض (اودھ کی بیجا تنقید) نظامی بدایونی۔ (۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء)

۴۔ مرزا غالب کا اردو کلام۔ محمد یحییٰ تنہا۔ (۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۸ء)

۵۔ غالب کے عیب جو اور مداح۔ نظامی بدایونی۔ (۲۱ اگست سنہ ۱۹۲۹ء)

۶۔ مرزا غالب کے مزار کی تعمیر۔ (۲۸ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء)

۷۔ حضرت غالب دہلوی کے قدر شناسوں کی خدمت میں۔ مولوی مہیش پرشاد (۲۲ نومبر سنہ ۱۹۳۳ء)
(مکتوب الہیم کے حالات کی بابت)

۸۔ دو ادیبوں کی علمی چھیڑ چھاڑ اور ان کا مقدمہ (مرزا غالب اور امین الدین) (۱۲ اگست سنہ ۱۹۴۳ء)

۹۔ غالب اردو زبان کے سب سے بڑے شاعر تھے۔ (۲۸ فروری سنہ ۱۹۵۴ء)

۱۰۔ غالب کی یادگار۔ ایک مشورہ۔ (اداریہ) (۷ ستمبر سنہ ۱۹۵۶ء)

۱۱۔ غالب۔ وقار رضوی۔ (۱۴ مارچ سنہ ۱۹۵۸ء)

۱۲۔ دیوان غالب (اردو) کا ایک اور نادر مخطوطہ۔ (۱ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء)

۱۳۔ غالب پر آج تک جو کچھ لکھا گیا (اداریہ) (۱۲ ستمبر سنہ ۱۹۶۵ء)

---

[1] ذوالقرنین اخبار اب بھی نظامی بدایونی کے بیٹے جمال الدین مونس نظامی اور لد مولوی احمد الدین نظامی) کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

۱۴۔ غالب کی کہانی خود ان کی زبانی ۔ (۱۴ر نومبر ۱۹۶۸ء)

۱۵۔ غالب۔ شخصیت اور شاعری۔ مالک رام قسط اول (۱۲ر فروری ۱۹۶۹ء)

۱۶۔ غالب کو گمنام خطوط کے ذریعے گالیاں بھیجی جاتی تھیں۔ اداریہ۔ (۷ر مارچ ۱۹۶۹ء)

۱۷۔ غالب کی شخصیت۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۲ر مارچ ۱۹۶۹ء)

۱۸۔ غالب کے کلام میں طنز و ظرافت۔ (۱۲ر مئی ۱۹۶۹ء)

۱۹۔ غالب نما ۔ (۲۸ر مئی ۱۹۶۹ء)

۲۰۔ غالب کے مغلوبوں کو جواب۔ ابرار حسین فاروقی (۱۴ر جون ۱۹۶۹ء)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری

دیوان غالب کے نظامی اڈیشن کے بعد اس کا شہرہ آفاق اڈیشن ۱۹۲۱ء میں "نسخۂ حمیدیہ" شائع ہوا جس میں نواب بھوپال حمید اللہ خاں کا سرنامہ شامل ہے ترتیب و تہذیب کے فرائض مفتی انوار الحق نے انجام دیئے ہیں اس پر معرکہ آرا مقدمہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے لکھا ہے یہ مقدمہ مستغنی عن التبصرہ ہے۔ اس کا مندرجہ ذیل پہلا جملہ زبان زد ارباب شعر و ادب ہے۔

"ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں۔ مقدس وید اور دیوان غالب۔"

ڈاکٹر بجنوری مرحوم کا یہ مقدمہ ۱۹۲۱ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے رسالہ اردو (اورنگ آباد) میں شائع کر دیا تھا۔ اس کے بعد کتابی شکل میں شائع ہوتا رہا

امتیاز علی عرشی

روہیل کھنڈ کے ارباب علم و فضل میں بحیثیت غالب شناس مولانا امتیاز علی عرشی کا اسم گرامی سرفہرست ہے اور انہوں نے غالب شناسی کے میدان میں بلاشبہ عظیم کارنامے انجام دیئے ہیں اور مسرت کی یہ بات ہے کہ ان کی سرپرستی میں یہ روایت اور آگے بڑھ رہی ہے اس سلسلے میں ان کے مندرجہ ذیل کارنامے نہایت اہم ہیں۔

مکاتیب غالب

عرشی صاحب نے ۱۹۳۹ء میں نہایت فاضلانہ مقدمہ و حواشی کے ساتھ غالب کے وہ خطوط مرتب کیے جو غالب نے والیان ریاست رام پور نواب یوسف علی ناظم، نواب کلب علی خاں اور دوسرے رام پوری حضرات کو لکھے تھے۔ اس کی اشاعت کے بعد سوانح غالب کے بعض نئے گوشے روشنی میں آئے۔ اس کا چھٹا ایڈیشن ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا جو ہمارے پیش نظر ہے۔

انتخاب غالب

یہ غالب کے اردو اور فارسی کلام کا وہ انتخاب ہے، جو انہوں نے نواب کلب علی خاں کی فرمائش پر ۱۸۶۶ء میں کیا تھا۔ امتیاز علی عرشی صاحب نے اس پر ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے اور مرزا کی شاعری پر پُرمغز تبصرہ فرمایا ہے۔ پہلے فارسی کا اور پھر اردو کا انتخاب ہے۔ عرشی صاحب نے شرح بھی شامل کی ہے۔

دیوانِ غالب (نسخہ عرشی)

۱۹۵۸ء میں انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے یہ دیوان شائع ہوا ہے تقریب پروفیسر آل احمد سرور نے لکھی ہے۔ عرشی صاحب نے ۱۲۰ صفحات کا مقدمہ لکھا ہے اس نسخے میں مرزا غالب کے اردو کلام کو تاریخی ترتیب سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ حصہ تین حصوں میں منقسم ہے۔

گنجینۂ معنی

اس میں وہ تمام اشعار شامل ہیں جو نسخۂ حمیدیہ اور نسخۂ شیرانی میں تو موجود ہیں مگر ۱۲۴۸ھ کے مرتب کئے ہوئے دیوان سے مرزا غالب نے خارج کر دیے ہیں۔

نوائے سروش

یہ حصہ اس کلام پر مشتمل ہے جو مرزا غالب نے اپنی زندگی میں چھپوا کر تقسیم کیا۔ یہ متداول نسخہ ہے۔

یادگار نالا

اس حصے میں وہ سارا متفرق کلام شامل کر دیا گیا جو ادھر ادھر سے ملا۔

مثنوی دعائے صباح

مرزا غالب نے حضرت علیؓ سے منسوب ایک دعا کا فارسی منظوم ترجمہ کیا ہے۔ امتیاز علی عرشی صاحب نے قلمی نسخے کے مطابق اس کا متن مرتب کیا جو نگار لکھنؤ (مئی ۱۹۴۱ء) میں طبع ہوا ہے۔

فرہنگ غالب

غالب نے فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت، ہندی اور اردو لغات کی تحقیق و تشریح جو وقتاً فوقتاً خطوط وغیرہ میں کی ہے۔ اس کو اس کتاب میں عرشی صاحب نے جمع کر دیا ہے یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں رام پور سے شائع ہوئی ہے۔

سبد باغ دودر

غالب کی یہ کتاب ۱۲۸۳ھ میں مرتب ہوئی جیسا کہ اس کے تاریخی نام سے ظاہر ہوتا ہے۔ امتیاز علی عرشی صاحب نے سبد باغ دودر کی تلخیص و حواشی نگاری کا کام انجام دیا تھا۔ یہ مواد مشہور علمی مجلہ اردو، کراچی جنوری تا مارچ ۱۹۶۹ء غالب نمبر میں شائع ہوا ہے۔

مسودہ قاطع برہان

غالب نے برہان قاطع کے جس نسخے کے حاشیے پر اپنے اعتراضات لکھے تھے وہ اب رضا لائبریری رام پور میں آگیا ہے۔

اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے "قاطع برہان" میں اپنے تمام اعتراضات شامل نہیں کئے ہیں بلکہ زبان وغیرہ میں تبدیلی کی ہے۔ عرشی صاحب نے اس کتاب میں ان تمام حواشی کو جمع کر دیا ہے اور ان پر تبصرہ او محاکمہ کیا ہے [1]

---

[1] نذر عرشی (دہلی ۱۹۶۵ء) ص ۴۸

مکاتیب غالب (فارسی)

اس مجموعہ میں عرشی صاحب نے غالبؔ کے تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کو تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے۔ اور مختلف ماخذ کی روشنی میں ان کے متن کی تصحیح کی ہے یہ قابل قدر مجموعہ ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوا ہے[۱]

اکبر علی خاں

پدر تمام نکند پسر تمام کند کے مصداق حضرت عرشی رام پوری کے فرزند اکبر علی خاں نے بھی مرزا غالب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے اور وہ اس سلسلے میں خاصا کام کر رہے ہیں اور غالبؔ سے متعلق بہت سی چیزیں جو کنج خمول میں پڑی تھیں تلاش کر کے وقف عام کر رہے ہیں۔

نسخۂ عرشی زادہ

غالب کے سلسلے میں ان کا سب سے زیادہ چونکا دینے والا کام نسخۂ امروہہ (خطی) مملوکہ توفیق احمد قادری مالک نیشنل بک ڈپو امروہہ کی اشاعت ہے لیکن معاصرانہ چشمک اور علمی آنکھ مچولی کی شاید یہ بدترین مثال قائم ہوئی کہ اس کی اشاعت کے بعد وہ غیر پسندیدہ منزلوں سے گزر رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ انہیں غالب شناسی بلکہ غالب پرستی کی وجہ سے بھگتنا پڑ رہا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بے چارے غالبؔ پر بھی تو ایسے سخت مقام آئے تھے۔

نکات غالب (اردو) و رقعات غالبؔ (فارسی)

یہ مجموعہ درس و تدریس کے پیش نظر تیار ہوا تھا اور اسی کام میں آیا بھی' اس کا پہلا اڈیشن مطبع سراجی (لاہور) میں ۱۸۶۷ء میں طبع ہوا اور اس کا دوسرا اڈیشن جموں اینڈ کشمیر اکیڈمی آف آرٹس، کلچر اینڈ لینگویج، سری نگر کی طرف سے اکتوبر ۱۹۶۲ء میں طبع ہوا جس کی ترتیب و تحشیہ کے فرائض اکبر علی خاں نے انجام

---

[۱] نذر عرشی (دہلی ۱۹۶۵ء) ص ۸۴

دیئے ہیں۔[1]

بخط غالب

اکبر علی خاں ایک ایسا مرقع ترتیب دے رہے ہیں، جس میں غالب کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی تحریروں کے عکس شامل ہوں گے۔ ایسی بہت سی تحریریں مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، یا ان کے عکس مختلف اوقات میں اخبارات رسائل اور کتابوں میں شائع ہوتے رہے ہیں[2]۔

غالبیہ

غالب سے متعلق جو بکھرا ہوا مواد مختلف کتابوں، رسالوں، یادداشتوں وغیرہ میں ادھر اُدھر پڑا ہے۔ اکبر علی خاں اس کو بڑی محنت سے جمع کر رہے ہیں جو "غالبیہ" کے عنوان سے شائع کیا جائے گا۔

اکبر علی خاں نے غالب سے متعلق بہت سے قابل قدر مضامین بھی لکھے ہیں۔

نثار احمد فاروقی

امروہہ مراد آباد ان کا مولد و منشا ہے ایک علمی خاندان کے رکن ہیں، غالب پر انہوں نے پچھلے پندرہ برس میں تقریباً دو درجن مضمون لکھے ہیں جن میں سے دس مضمون "تلک عشرۃ کاملہ" کے پیش نظر "تلاش غالب" کے نام سے مئی ۱۹۶۹ء میں "کتابیات لاہور" سے شائع ہوئے ہیں۔ یہ کتاب لطیف عارف صاحب کے نام معنون کی گئی ہے۔

تلاش غالب

اسی کتاب کا ایک ایڈیشن مئی ۱۹۶۹ء ہی میں ہندوستان سے اسی نام "تلاش غالب" سے شائع ہوا ہے۔ جو مکتبہ کوہ نور پریس دہلی میں چھپا ہے اور اس کے ناشر خلیل عباس عباسی (مکتبہ شاہراہ اردو بازار دہلی) ہیں یہ کتاب لطیف الزماں خاں کے نام معنون کی گئی ہے۔ ہندوستانی ایڈیشن پہلے چھپا ہے، مگر پاکستان ایڈیشن میں اس کا کوئی حوالہ نہیں ہے، ہندوستانی ایڈیشن میں گیارہ مضمون شامل ہیں۔ دونوں ایڈیشنوں میں دو دو مضمون مختلف ہیں۔

---

[1] اشاریہ غالب، سید معین الرحمٰن (لاہور) ۱۹۶۹ء، ص ۹۱

[2] اشاریہ غالب، سید معین الرحمٰن (لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۱۵۴۔

غالب کی آپ بیتی

غالب کے مکاتیب کی مدد سے نہایت حسن وسلیقہ کے ساتھ یہ کتاب چار ابواب میں مرتب کی گئی ہے پہلی مرتبہ نقوش آپ بیتی نمبر لاہور (جون ۱۹۶۴ء) میں طبع ہوئی۔
نسخہ امروہہ کا عکس "بیاض غالب بخط غالب" کے عنوان سے نقوش لاہور (غالب نمبر (حصہ دوم) (اکتوبر ۱۹۶۹ء) میں محمد طفیل صاحب مدیر نقوش نے شائع کیا ہے اور اس کی اشاعت بلاشبہ عظیم بالشان کام ہے اس میں بیاض غالب کے علاوہ بھی غالب سے متعلق قیمتی مضامین شامل ہیں۔ نسخہ امروہہ یعنی بیاض غالب کی دریافت کی کہانی کے عنوان سے نثار احمد فاروقی نے ایک مقدمہ لکھا ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ فاروقی صاحب کے بھرپور تعاون کی بدولت پاکستان میں یہ نسخہ شائع ہو سکا۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا آبائی وطن بریلی (روہیل کھنڈ) ہے ایک علمی خاندان کے رکن ہیں۔ اردو زبان کے نامور استاد، ادیب اور مصنف ہیں، انہوں نے غالب سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں تحقیق سے زیادہ ان کا میدان تنقید ہے۔

غالب کا فن

اس کتاب میں ڈاکٹر عبادت بریلوی نے غالب کے فن اور جمالیاتی پہلو کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے اس سلسلے میں وہ خود رقم طراز ہیں [۱]

"میں غالب کی تخلیق جمال کے عوامل اور محرکات کا سراغ لگاؤں اور اس کے مختلف عناصر کا تنقیدی تجزیہ کروں یہ کتاب "غالب کا فن" ان کی اسی تخلیق جمال کے عوامل ومحرکات کی تلاش وجستجو کی ایک داستان اور اس کے مختلف عناصر کے تنقیدی تجزیے کی ایک کہانی ہے۔"

انتخاب خطوط غالب

ڈاکٹر عبادت بریلوی اور مشرف انصاری نے غالب کے خطوط کا انتخاب ایسے

۱؎ غالب کا فن از ڈاکٹر عبادت بریلوی (لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۸ - ۹

ایسے عنوانات کے تحت پیش کیا ہے کہ غالب کی خود نوشت سوانح عمری مرتب ہو گئی ہے شروع میں ایک قابلِ قدر مقدمہ تحریر فرمایا ہے یہ انتخاب نصابی ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔

غالب اور مطالعۂ غالب

ڈاکٹر عبادت بریلوی کی ایک اور قابل قدر کتاب (غالب اور مطالعہ غالب) ہے جس میں انہوں نے غالب معجز بیان کے سواد نظم و نثر کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ یہ کتاب رائٹرز اکیڈمی لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

پروفیسر آل احمد سرور

بدایوں (روہیل کھنڈ) وطن ہے' اردو زبان کے مشہور استاد' ادیب اور نقاد ہیں غالب سے متعلق انہوں نے بہت سے تنقیدی مضامین لکھے ہیں۔ غالب پہ ایک مضمون ان کے مجموعۂ مضامین "نئے اور پرانے چراغ" میں بھی شامل ہے[1] ان کے علاوہ ہم مندرجہ ذیل مضامین کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔

غالب	اردو' اورنگ آباد اپریل ۱۹۴۱ء
غالب کا ذہنی ارتقاء	روح ادب' کراچی شمارہ ۱۹
غالب کی عظمت	اردو ادب' غالب نمبر ۱۹۶۹ء
غالب اپنی شخصیت کے آئینے میں	ادب لطیف' جولائی ۱۹۵۵ء
غالب اور جدید ذہن	علی گڑھ میگزین' غالب نمبر جنوری ۱۹۶۹ء
غالب کی زبان	"روزمرہ و محاورہ غالب" مرتبہ پریم پال اشک
نسخۂ عرشی زادہ	قومی زبان' کراچی دسمبر ۱۹۶۹ء
غالب صدی کی تقریبات	ہماری زبان علی گڑھ ۸ فروری ۱۹۶۹ء
غالب اردو اور ہندوستان	" " " ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء

---

[1] نئے اور پرانے چراغ از آل احمد سرور (اردو اکیڈیمی سندھ کراچی ۱۹۵۱ء) ص ۱۵۸-۱۹۱

پروفیسر حامد حسن قادری

حامد حسن قادری علمی و ادبی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں وہ اردو زبان کے مشہور مورخ و محقق ہیں۔ اگرچہ غالب پر ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے لیکن انہوں نے غالب پر جو کچھ لکھا ہے وہ غالب شناسی میں قابل قدر اضافہ ہے

انتخاب غالب (اردو)

حامد حسن قادری مرحوم نے ۱۹۱۴ء میں غالب کے اردو دیوان کا انتخاب کیا تھا[1] اس کا خطی نسخہ ان کے خاندان میں موجود ہے۔

انتخاب غالب (فارسی)

قادری صاحب نے غالب کے فارسی کلام کا بھی انتخاب کیا ہے اور خاصی دقت نظر کا ثبوت دیا ہے اس کے ساتھ شرح بھی شامل ہے۔ اس کا خطی نسخہ بھی ان کے خاندان میں موجود ہے۔

نقد و نظر

حامد حسن قادری کی مشہور کتاب "نقد و نظر" میں غالب پر مندرجہ ذیل تین مستقل مضمون شامل ہیں۔

۱۔ غالب کی شرحیں
۲۔ مزاحیہ شرح غالب پر ایک نظر
۳۔ کلام غالب کی تضمین۔

اس کے علاوہ قادری صاحب کے مندرجہ ذیل مضمون بھی ملتے ہیں۔

غالب کے دو شعر	سب رس، حیدرآباد دکن	مارچ ۱۹۴۲ء
افکار غالب	اردو، کراچی	اکتوبر ۱۹۵۵ء
غالب مومن ذوق	نگار، کراچی	جنوری فروری ۱۹۶۹ء

---

[1] معین الرحمن صاحب نے اس کی اشاعت کا ذکر کیا ہے۔ مگر مطبع وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے (اشاریہ غالب ص ۲۶۸)

خطوط غالب　　　آج کل غالب نمبر　　　۱۹۶۹ء

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

بچھرایوں (ضلع مراد آباد) کے رہنے والے ہیں۔ دہلی یونیورسٹی میں صدر شعبۂ اردو ہیں انہوں نے بھی غالب پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اردوئے معلیٰ (دہلی یونی ورسٹی) کا ایک خاص شمارہ فروری ۱۹۶۰ء "غالب نمبر" کے عنوان سے شائع کیا جس ادارت کے فرائض خود انہوں نے انجام دیئے۔ اس میں ان کے بھی کئی مضمون شامل ہیں۔

۱۔ غالب کے ایک شاگرد مولانا بیدل (عبدالسمیع بیدل رام پوری)

۲۔ غالب اور بے صبر

۳۔ غالب کے چند غیر مطبوعہ فارسی رقعات حضرت غمگین کے نام

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مقالوں کی ہم اور نشاندہی کر سکتے ہیں۔

۴۔ چند نادر... ۔ آج کل دہلی۔ اپریل ۱۹۵۴ء

۵۔ غالب کی عظمت ۔ فروغ اردو لکھنؤ غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۶۔ غالب کا سکہ شعر ۔ صحیفہ لاہور غالب نمبر ا جنوری ۱۹۶۹ء

۷۔ اردو شعر و ادب میں غالب کا مقام ۔ "اعتمادیہ" دہلی یاد غالب ۱۹۶۹ء

۸۔ غالب کی شخصیت اور شاعری میں ترکی و ایرانی عنصر ۔ میگزین اسلامیہ کالج، بریلی غالب نمبر ۱۹۷۰ء

۹۔ غالب کا مقدمہ پنشن ۔ نقوش لاہور غالب نمبر ۱۹۶۹ء

ڈاکٹر عابد رضا بیدار

ڈاکٹر عابد رضا بیدار مشہور ادیب و مصنف ہیں۔ انہوں نے رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز (کلاں محل دہلی) کی طرف سے "غالب اسٹڈیز" کے عنوان سے ایک سلسلہ اشاعت شروع کیا ہے ہر سال اس سلسلے کے چھ شمارے شائع ہوں گے ان کا خیال ہے کہ اس سلسلۂ اشاعت کے ذریعے غالب سے متعلق تمام ضروری مواد

شائع ہو جائے گا اس کے ایڈیٹر خود ڈاکٹر عابد رضا بیدار ہیں۔ پہلے سال کے چھ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے [1]

غالبیات نو۔	ڈاکٹر عابد رضا بیدار
غالب کی عظمت	علی گڑھ اور دہلی کے سیمیناروں کی مکمل روداد۔
انتخاب غالب (اردو)	جو غالب نے رام پور بھیجا تھا۔
غالب کے اہم معاصر تسکین کا دیوان۔	
غالبیات نو۔	
شریک غالب۔	نواب یوسف علی خاں ناظم کے دیوان کا انتخاب۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے غالب سے متعلق مندرجہ ذیل مقالے بھی شائع ہوئے ہیں۔

لخت لخت	ماہ نو، کراچی۔ فروری ۱۹۶۲ء
کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو	۔ شبستان دہلی۔ فروری ۱۹۶۹ء
غالب کی تفہیم	صحیفہ لاہور غالب نمبر ۳ اکتوبر ۱۹۶۹ء۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ بریلی (روہیل کھنڈ) کے قدیم باشندے ہیں لاہور میں سکونت پذیر ہیں علمی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انہوں نے دیوان غالب (اردو) کی ایک ضخیم اور مفصل شرح لکھی ہے۔ جو عشرت پبلشنگ ہاؤس (لاہور) سے پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔ اس شرح کی تقریب کے متعلق چشتی صاحب لکھتے ہیں۔

"ہندوستان اور پاکستان میں جس قدر شروح شائع ہو چکی ہیں میں نے ان سب کا مطالعہ بالاستیعاب کیا مگر مشکل ترین اشعار کا مطلب کسی شرح سے بھی مجھ پہ واضح نہ ہو سکا۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں ہرگز

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب لاہور (غالبیات نمبر) فروری و مارچ ۱۹۷۰ء ص ۱۰۸ ۔ ۱۵۱

شرح لکھنے کی جسارت نہ کرتا"۔

کتاب کے شروع میں یوسف سلیم چشتی صاحب نے ایک طویل مقدمہ لکھا ہے جس میں وحدت الوجود کے مسئلے پر خاص طور سے روشنی ڈالی ہے اور کلام غالب میں اس کے اثرات کو واضح کیا ہے غرض کہ "غالبیات" کے سلسلے میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

کوثر چاند پوری

کوثر چاند پوری، حکیم علی کوثر، چاند پور ضلع بجنور کے رہنے والے اور اردو کے مشہور ادیب ہیں انہوں نے ایک کتاب "جہان غالب" لکھی ہے جو جون ۱۹۶۶ء میں مکتبہ کائنات لاہور سے شائع ہوئی ہے۔ سبب تالیف کے سلسلے میں کوثر چاند پوری صاحب لکھتے ہیں[1]:

"جہان غالب" وقت اور خود کلام غالب کے بہت سے مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور غالب کے ماحول سے لے کر اس کے فلسفہ زندگی تک تحقیق اور تنقید کی سیدھی شاہراہ پر چلتی ہے۔ اس میں نہ بالکل مخالفانہ نقطہ نظر ہے نہ غالب پرستی کا غیر معتدل رجحان، بلکہ تحقیق اور تنقید کا ایسا تال میل ہے جس میں غالب کی سیرت، کردار اور فکر و خیال کی بلندی نیز اسلوب بیان کے تمام نقوش واضح ہو جاتے ہیں"۔

صادقین

صادقین، امروہہ (ضلع مراد آباد) کے قدیم باشندے اور پاکستان کے مشہور فن کار نامور مصور اور با ذوق شاعر ہیں۔ ان کے موقلم نے غالب کے جذبات و افکار کو تصویر کے آئینے میں جس فنکاری سے پیش کیا ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ان کے ان مصورانہ شاہکاروں کو ملک میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ غالب سے متعلق ایک تک ان کے تین مرقعے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

---

[1] جہان غالب، از کوثر چاند پوری (لاہور ۱۹۶۶ء) ص ۸

(۱) ۱۹۶۹ء میں یونائٹڈ بینک (کراچی) نے ایک نہایت قیمتی ڈائری شائع کی جس میں صادقین نے بارہ تصاویر پیش کی ہیں۔ جو ان کے ندرت خیال کا اچھوتا نمونہ ہیں۔

(۲) محمد طفیل صاحب مدیر نقوش لاہور نے ۱۹۷۰ء میں جو بیاض غالب (نسخہ امروہہ) شائع کی ہے اس میں صادقین کے بارہ شاہکار شامل ہیں۔

(۳) صادقین نے ۱۹۶۹ء میں غالب سے متعلق مستقل ایک مرقع پیش کیا ہے جس میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔ غالب اور صادقین کی ہم آہنگی کے لئے صادقین کے مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں۔

> "رفعت تخیل اور جدت طرازی غالب اور صادقین کے فن کی فطرت اور اور ندرت تخلیق ان کی طلب ہے اسی مقام سے دونوں کا فن ہم آہنگ ہوکر عصر نو کی اس منزل کی جانب رخ کرتا ہے جس کی حدیں تلب فردا میں پیوست ہیں"

باندازِ غالب

غالب نے اپنے زمانے اور مابعد زمانے پر دیرپا اثرات چھوڑے لوگ اس کے افکار اور خیالات سے متاثر ہوئے۔ بعض نے تحسین و تقلید کا رویہ اختیار کیا تو کچھ ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے تنقید و تنقیص کو شعار بنایا۔ اس موضوع کے اعتبار سے اگر ہم شعرائے روہیل کھنڈ کا جائزہ لیں تو اس میں بہت وسعت ہے مگر یہاں ہماری تنگ دامانی اس کی اجازت نہیں دیتی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ اہل روہیل کھنڈ نے غالب سے خاصا اعتنا کیا۔ ایک بزرگ مولوی احمد حسن رسوا ولد محمد حسن، بجنور کے رہنے والے تھے، وہ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کا فارسی دیوان مطبوعہ مطبع نول کشور ۱۸۹۸ء اس وقت پیش نظر ہے۔ رسوا نے ۳۸ غزلیں غالب کی زمین میں کہی ہیں۔ مولوی علی بخش شرر بدایونی کے بیان میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ انہوں نے بھی غالب کی غزلوں پہ ہم طرح غزلیں کہی ہیں، کتنے ایسے شعرا

ہوں گے کہ جنہوں نے غالب کے کلام کو تضمین کیا ہوگا۔ بہت سے حضرات نے غالب کا کامیاب تتبع کیا۔ اس سلسلے میں سرفہرست فانی بدایونی کا نام ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذکر جب چھڑ گیا قیامت کا — بات پہنچی تری جوانی تک

نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم — رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم
اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا — زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا
دنیا کی بلاؤں کو جب جمع کیا میں نے — دھندلی سی مجھے دل کی تصویر نظر آئی

اسی طرح بدایوں کے ایک دوسرے خوش فکر شاعر امیر احمد امیر بدایونی (ٹونک والے) تھے ان کا ذوق شعری بڑی بلند تھا وہ بھی غالب کے رنگ میں کہتے تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

امتیاز ہوس جور و ستم بھی نہ رہا — کثرت غم سے اب اندازۂ غم بھی نہ رہا
اتنے غم کوش ہوگئے ہم — بیگانۂ ہوش ہوگئے ہم
ہے آج عبث جنوں نگاہی — جو ہونا تھا دوش ہوگئے ہم
ہے شکوہ فزا جنوں نوردی — کیوں خانہ بدوش ہوگئے ہم
ہم نے بخشا بخیۂ دامان حسرت کے لیے — وہ جو اک تار نفس ہستی کے پیراہن میں تھا

بریلی کے ایک نوجوان شاعر اعتماد الدین عرشی (۱۹۰۵ء۔ ۱۹۲۹ء) تلمیذ مفتی عماد الحسن محو تھے وہ غالب کے رنگ میں خوب کہتے تھے۔ افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔ ان کا مکمل دیوان سید الطاف علی بریلوی کے پاس محفوظ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

بندگی کا حق ادا نہ ہوا — خیر گزری کہ میں خدا نہ ہوا
حسن کا اعتبار اور بڑھا — میں جو شرمندۂ وفا نہ ہوا
لوٹتا کیوں نہیں عدم سے کوئی — کچھ کسی کی خبر نہیں آتی

---

[1] ملاحظہ ہو العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء ۲۵۸ - ۲۵۹

ہر قدم پہ رہ محبت میں　　سجدۂ نقش پا کیا میں نے
زندگی کیا ہے ایک دھوکا ہے　　اور اس پہ مٹا ہوا ہوں میں

عرش بریلوی مرحوم تو خاندان غالب ہی کے ایک رکن تھے کیونکہ محو بریلوی غلام بسم اللہ بسمل کے شاگرد تھے اور بسمل غالب کے مشہور شاگرد تھے۔

روہیل کھنڈ کے مرکز بریلی میں غالب کی مقبولیت کے سلسلے میں ڈاکٹر لطیف حسین ادیب لکھتے ہیں [1]

"مفتی عماد الحسن محو (ف ۱۹۲۶ء) تلمیذ غلام بسم اللہ اپنے خاندان کے ادبی ورثے کو لے کر اپنے مکان واقع پھاٹک برکات احمد میں گوشہ نشین ہوگئے۔ انہوں نے ایک ادبی انجمن مسمی "بزم ادب" کی ۱۹۱۲ء میں تشکیل کی۔ ان کی حیات میں اور ان کے صاحبزادگان کے زمانے میں ۱۹۴۷ء تک بزم ادب کے مشاعرے اسی مکان میں ہوتے رہے اور اسی طرح دبستان غالب کا چراغ کافی عرصے تک روشن رہا اس خاندان کے بہت کم شعرا نے خارجی اثرات کو قبول کیا ورنہ تمام شعرا اور ان کے متوسلین غالب سے نسبت پر ہی فخر کرتے رہے"۔

آخر میں ہم بریلی کے نامور عالم مولانا احمد رضا خاں رضا بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) کی ایک نعت کے چند شعر نقل کر رہے ہیں جو انہوں نے غالب کی غزل

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

کے تتبع میں کہی ہے۔

---

[1] میگزین اسلامیہ کالج بریلی ۱۹۶۹ء (غالب نمبر) ص ۱۲۴

[2] حدائق بخشش حصہ اول از مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ازہر بکڈپو، کراچی

پھر کے گلی گلی تباہ، ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا، تیری گلی سے جائے کیوں

یاد حضور کی قسم غفلتِ عیش ہے ستم
خوب ہیں قیدِ غم میں ہم، کوئی ہمیں چھڑائے کیوں

جان ہے عشق مصطفیٰ، روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا، نازِ دوا اٹھائے کیوں

خوش رہے گل پہ عندلیب، خارِ حرم مجھے نصیب
میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں

ہے تو رضا نرا ستم جرم پہ گر لجائیں ہم
کوئی بجائے سوزِ غم ساز طرب بجائے کیوں

جس طرح شعرائے روہیل کھنڈ نے غالب کی تقلید و پیروی اور ان سے انتساب کو فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھا اسی طرح اکثر شعرائے روہیل کھنڈ نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ اس وقت جن شعرا کی ہم نشان دہی کر سکے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ اسعد شاہجہاں پوری "مقام غالب"۔ اعتمادیہ (بیاد غالب) دہلی ۱۹۶۹ء
۲۔ حیرت بدایونی، علامہ " "رہنمائے دکن حیدر آباد (روزنامہ) ۸ مارچ ۱۹۶۹ء۔
۳۔ خورشید خاور امروہوی "غالب" العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء
۴۔ دلاور فگار (بدایونی) "غالب کو برا کیوں کہوں" ادب لطیف لاہور نومبر دسمبر ۱۹۶۹ء۔
۵۔ رئیس امروہوی "غالب کی صد سالہ یادگار کی تقریب میں"۔ العلم کراچی۔ غالب نمبر ۱۹۶۹ء
۶۔ رشید جعفری آنولوی "غالب"۔ فروغ اردو لکھنؤ غالب نمبر ۱۹۶۹ء
۷۔ گوہر امروہوی "روح غالب کو سلام" حیات نئی دہلی ۲۳ فروری ۱۹۶۹ء

۸۔ محشر بدایونی (۱) ع روشن ان کا نام رہے گا" ستارہ کراچی ۱۹۶۹ء
محشر بدایونی (۲) "اے دبیر الملک" اعتمادیہ' دہلی بیاد غالب
۹۔ واحد القادری رام پوری "جشن غالب" ہماری آواز یکم جولائی ۱۹۶۹ء
۱۰۔ علی احمد عباسی "تضمین" بہار نو کراچی ستمبر ۱۹۷۱ء

مخطوطات غالب

غالب کے متعلق آج جتنی تحقیق و تلاش ہو رہی ہے بلا شبہ برصغیر پاک و ہند کے کسی شاعر کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے متعلق ہر قسم کی معلومات فراہم کی جا رہی ہیں۔ اس کی تصنیفات کو جمع و شائع کیا جا رہا ہے اسی طرح اس کی تحریرات و مخطوطات کو تلاش و جمع کیا جا رہا ہے۔ اس اعتبار سے جب ہم علاقہ روہیل کھنڈ پر نظر ڈالتے ہیں تو سب سے اہم مرکز رام پور کا سرکاری کتب خانہ ہے۔ اس میں غالب کے نادر آثار و نقوش محفوظ و موجود ہیں۔

(۱) دیوانِ غالب نسخہ رام پور (قدیم)

اس دیوان پر کوئی تاریخ ترقیمہ وغیرہ درج نہیں ہے مگر اندازہ لگایا گیا ہے کہ نسخہ ۱۲۴۸ھ / ۱۸۳۳ء میں لکھا گیا ہے اشعار کی تعداد ۱۰۶۷ ہے۔

(۲) دیوان غالب رام پور (جدید)

اس میں بھی تاریخ کتابت درج نہیں ہے مگر اندازہ ہے کہ ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵ء میں نقل کیا گیا ہے، غالب نے خود تصحیح کی ہے۔ غالب نے یہ دیوان نواب یوسف علی خاں کو بھیجا تھا۔

(۳) انتخاب غالب

مرزا غالب نے نواب کلب علی خاں والی رام پور کی فرمائش پر ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں اپنے فارسی اور اردو کلام کا انتخاب کیا تھا۔ یہ انتخاب شائع بھی ہو چکا ہے۔

(۴) مکاتیب غالب

دربار رام پور سے مرزا غالب کے خاص روابط تھے، نواب یوسف علی خاں ناظم اور نواب کلب علی خاں وغیرہ سے مرزا غالب کی خط وکتابت رہی۔ ان میں سے اکثر خطوط دار الانشاء رام پور میں محفوظ تھے یہ ذخیرہ مولانا عرشی نے شائع کر دیا ہے۔

دستنبو

دستنبو کا ایک خطی نسخہ رام پور کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور اسی کاتب کا لکھا ہوا ہے جس نے دیوان اردو (قدیم) لکھا ہے[۱]

دیوان بیتاب مع اصلاحات غالب

صاحبزادہ عباس علی خاں بیتاب رام پوری کا وہ قلمی دیوان کتب خانے میں محفوظ ہے جس پر غالب کی اصلاحیں ہیں[۲]

مسودات غزلیات ناظم مع اصلاحات غالب

نواب یوسف علی خاں ناظم کی غزلیات کے مسودے کتب خانہ رام پور میں موجود ہیں جن پر غالب کی اصلاحیں ہیں[۳]

برہان قاطع مع تصحیح غالب

مرزا غالب نے برہان قاطع کے جس نسخے پر اپنے قلم سے تصحیح کی تھی، وہ نسخہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے[۴]

انتخاب دیوان غالب (اردو)

رضا لائبریری رام پور میں دیوان مومن کا ایک قیمتی دیوان ہے جو مومن کا دیکھا ہوا

---

[۱] مکاتیب غالب
[۲] " " ص ۸۸
[۳] " " ص ۱۵۳
[۴] نذر عرشی دہلی ۱۹۶۵ء ص ۴۸

ہے۔ جس میں ساڑھے پانچ صفحات پر مشتمل غالبؔ کے اردو دیوان کا انتخاب بھی شامل ہے۔ یہ انتخاب شکستہ آمیز خط میں ہے اور کاتب نامعلوم ہے۔ [۱]

نسخہ بدایوں (نیشنل میوزیم کراچی)

مولوی نظامی بدایونی مرحوم کے صاحبزادے مولوی احید الدین بدایونی کو دیوان غالب (اردو) کا ایک خطی نسخہ ہاتھ لگا جو نسخہ بدایوں کے نام سے موسوم ہوا [۲] یہ نسخہ ۸ ۳/۴ × ۵ ۱/۲ " ناپ کا ہے روشنائی کالی، جدول شنجرفی اور باریک لاجوردی ہے تخلص بھی شنجرفی روشنائی سے لکھا گیا ہے کاغذ بانس کا دیسی ساخت کا ہے، ہر ورق میں رکاب بھی ہے خط شکستہ نستعلیق ہے، معمولی کرم خوردہ ہے۔ اب یہ نسخہ نیشنل میوزیم (کراچی) کی ملکیت ہے۔

اس نسخے کے بارے میں ایک بات خاص طور سے عرض کرنی ہے کہ اس کے سرورق پر ایک مہر ہے جس میں "محمد ذوالفقار الدین" ١٢٥٢ھ ثبت ہے اور اس سے امتیاز علی عرشی صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ نسخہ حسین مرزا کا نقل کرایا ہوا ہے۔ کیوں کہ حسین مرزا کا بڑا نام یہی تھا [۳] اور عرشی صاحب نے یہ بھی رائے ظاہر کی ہے کہ اس نسخے کا تعلق غالبؔ کے کسی قریب دوست یا عزیز سے تھا [۴]

حسین مرزا، نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے داماد مبارز الدولہ ممتاز الملک حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ کے فرزند نامدار تھے، مذہباً اثنا عشری تھے بلکہ کہا جاتا ہے کہ حسام الدین حیدر خاں کے اثر ہی سے مرزا غالبؔ نے اپنے خاندانی مسلک و روایت کے خلاف امامیہ مسلک اختیار کیا تھا۔ حسین مرزا کا پورا نام سید

۱؎ نقوش غالب نمبر حصہ دوم اکتوبر ١٩٦٩ء ص ٣١٣ - ٣٢٦

۲؎ ملاحظہ ہو نقوش لاہور جون ١٩٦٠ء۔

۳؎ و ۴؎ نقوش لاہور جون ١٩٦٠ء

ذو الفقار الدین حیدر الموسوی تھا۔ یہ نام خود غالب نے اپنے قلم سے لکھا ہے[1] اور ہمارے خیال سے لفظ "سید" اور "حیدر" حسین مرزا کے نام کے اہم جزو ہیں جو مہر میں حذف کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ مہر میں "محمد ذو الفقار الدین" ہے لہٰذا یہ مہر حسین مرزا (سید ذو الفقار الدین حیدر الموسوی) کے علاوہ کسی دوسرے شخص کی ہے اور اس شخص کا تعلق بدایوں یا نواح بدایوں سے ہونا چاہئے۔ دراصل یہ بزرگ محمد ذو الفقار الدین، حکیم غلام نجف خاں شیخو پوری ثم دہلوی کے حقیقی چچازاد بھائی تھے، محمد ذو الفقار الدین شیخو پور (بدایوں) کے سربرآوردہ اور علم دوست شخص تھے اور یہ ان ہی کی مہر ہے۔ یہ نسخہ حکیم غلام نجف خاں کے توسط سے محمد ذو الفقار الدین کو پہنچا ہوگا۔ لہٰذا اس مہر اور نسخہ کا تعلق سید ذو الفقار الدین حیدر الموسوی عرف حسین مرزا سے مطلق نہیں ہے۔

نسخہ امروہہ

ابھی حال ہی میں ایک خطی نسخہ امروہہ کے تاجر کتب توفیق احمد قادری چشتی مالک نیشنل بک ڈپو (امروہہ) کو بھوپال سے بخط غالب کے عنوان سے ملا اور یہی "نسخہ امروہہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اتفاق سے اکبر علی خاں رام پوری اور نثار احمد فاروقی ہر دو حضرات نے اس نسخے سے دلچسپی لی۔ اکبر علی خاں نے نسخہ عرشی زادہ کے نام سے اور نثار احمد فاروقی نے "بیاض غالب بخط غالب" (نسخہ لاہور) کے نام سے شائع کرا دیا۔ اس نسخے کی دریافت سے غالب شناسوں میں تحقیق و تدقیق کی مزید راہیں کھل گئیں۔

---

[1] خطاب کے ساتھ یہ نام معین الدولہ ذو الفقار الدین حیدر خاں ذو الفقار جنگ تھا خطوط غالب (مہر) جلد دوم ص ۸۷

[2] ملاحظہ ہو دیوان غالب نسخہ طاہر (ماہنامہ کتاب لاہور فروری ۱۹۶۹ء۔ (عکسی تحریر غالب)، ص ۱۰۴

غزلیات معروف

مرزا غالب کے خسر نواب الٰہی بخش معروف کی غزلیات تقطیع ن تا تقطیع ی راقم کے کتب خانے میں موجود ہیں، ن اور ی کی ردیف کی پوری غزلیات نہیں ہیں البتہ و اور ہ کی پوری غزلیات ہیں۔ صرف ان غزلیات میں ۲۳ غزلیں ایسی ہیں جو دیوان معروف مطبوعہ (بدایوں ۱۹۳۵ء) میں شامل نہیں ہیں [1]

مطبوعات غالب

مخطوطات کے بعد یہاں ہم روہیل کھنڈ کی ان مطبوعات کا جائزہ لیتے ہیں جو غالب شناسی کے سلسلے میں ہماری توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہیں۔

دستنبو

دستنبو کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۸۵۸ء میں مطبع مفید الخلائق آگرہ سے شائع ہوا اور اس کا دوسرا ایڈیشن غالب کے شاگرد قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی کی نگرانی میں مطبع روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی بریلی میں طبع ہوا۔ اس میں ساٹھ صفحات تھے اور پندرہ سطری مسطر تھا۔ اس کتاب کا تیسرا ایڈیشن بھی طبع دوم کے مطابق مطبع روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ [2]

دیوان معروف

مرزا غالب کے خسر نواب الٰہی بخش معروف کا دیوان ۱۹۳۵ء میں مولوی عبدالحامد قادری بدایونی (ف ۲۰ جولائی ۱۹۷۰ء) کی زیر نگرانی شائع ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قادری صاحب نے بہت سا کلام حذف کر کے چھاپا ہے۔

---

[1] یہ غیر مطبوعہ غزلیات "نقوش" لاہور کے تیسرے غالب نمبر میں شائع ہو چکی ہیں ۔۔۔ اور اب اس مجموعہ میں شامل ہیں۔

[2] اشاریہ غالب ص ۵۶-۵۷

روح کلام غالب

مرزا غالب کے شاگرد مرزا حبیب الدین انصاری سہارنپوری (ف ۱۸۸۹ء)
کے ایک شاگرد مرزا عزیز بیگ سہارنپوری المتخلص بہ مرزا تھے وہ بڑے باکمال
شاعر تھے۔ انداز بیان، اسلوب زبان اور طرز تخیل اگرچہ قدیم ہے مگر نہایت موزوں
اور مناسب اور استادانہ ہے انہوں نے مرزا غالب کے پورے دیوان کو تضمین کر ڈالا
اپریل ۱۹۲۰ء میں اس کام سے فارغ ہو گئے اور اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔
ان کی یہ تضمین پہلی مرتبہ نظامی پریس بدایوں سے طبع ہوئی۔ مولوی نظامی بدایونی نے
روح کلام غالب پر مقدمہ لکھا ہے[۱] اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن بھی نظامی پریس
ہی سے شائع ہوا۔ نمونہ تضمین ملاحظہ ہو:[۲]

یوں تو میرا علاج کیا نہ ہوا | کم مرض ہی مگر ذرا نہ ہوا
مجھ پہ احسان طبیب کا نہ ہوا | درد منت کش دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

سخن تلخ ہے کب ان کے قریب | ان سے باتیں سنے یہ کس کے نصیب
ہے حلاوت ہی کچھ سخن میں عجیب | کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب

گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

ان دونوں شعروں کو پروفیسر حامد حسن قادری نے بھی تضمین کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

نام بدنام عشق کا نہ ہوا | میں بھی شرمندۂ وفا نہ ہوا
یہ برا کیوں ہوا، بھلا نہ ہوا | درد منت کش دوا نہ ہوا

میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

ڈھونڈتا تھا وہ اک نہ اک ترکیب | کہ مزے ہوں ترے لبوں سے نصیب

۱۔ نقد و نظر از حامد حسن قادری، آگرہ ۱۹۴۲ء، ص ۷۵ - ۷۶۔
۲۔ نقد و نظر ص ۸۰ - ۸۲

تو نہ سمجھے تو ہے یہ بات عجیب   کتنے شیریں ہیں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہوا

انتخاب غزلیات غالب

نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۲۵ء میں سر شاہ سلیمان نے بھی غالب کی غزلیات کا ایک انتخاب شائع کیا تھا[۱]۔

مثنوی دعائے صباح

مرزا غالب کی یہ مثنوی ۱۹۵۰ء میں نظامی پریس بدایوں سے بھی شائع ہوئی ہے[۲]

میگزین اسلامیہ کالج بریلی (غالب نمبر)

اسلامیہ کالج بریلی ایک ممتاز درس گاہ ہے ۱۹۶۱ء میں اسلامیہ کالج بریلی میں زیر صدارت مولانا امتیاز علی عرشی "یوم غالب" کی شاندار تقریب منائی گئی ۱۹۷۰ء میں میگزین اسلامیہ کالج کا شاندار غالب نمبر شائع ہوا ہے۔ جس کی ترتیب کے فرائض ڈاکٹر شکیل احمد صدیقی نے انجام دیئے ہیں۔ کاغذ، کتابت، طباعت، سرورق، مضامین کی ترتیب وغیرہ ہر اعتبار سے یہ میگزین قابل تعریف ہے سائز ۱۸×۲۲/۸ اور ضخامت ۳۳۵ + ۵، (۴۱۰) صفحات ہے ۷۵ صفحات ایک ہندی کا حصہ ہے اس نمبر میں ملک کے مشہور ادیبوں اور مصنفوں نے حصہ لیا ہے۔ طلبہ کے مضامین بھی نہایت معیاری ہیں۔ امتیاز علی عرشی، پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، پروفیسر عبد الشکور، حکیم رشید احمد معتصم، آفتاب احمد جوہر بدایونی۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، وجاہت علی سندیلوی، ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی، ڈاکٹر لطیف حسین ادیب جیسے اکابر و مشاہیر کے رشحات قلم اور تحقیقات اس نمبر کی زینت

---

[۱] کتاب لاہور، غالبیات نمبر فروری مارچ ۱۹۶۹ء ص ۴۲
[۲] کتاب لاہور غالبیات نمبر ص ۴۴

ہیں۔ کالج کے اساتذہ نے بھی قابل قدر مضامین لکھے ہیں۔ غرض میگزین اسلامیہ کالج بریلی کی اشاعت غالب صدی کے موقع پر ایک شاندار تحفہ ہے۔ اظہر کمالی بدایونی افسر امروہوی، ایم اے حامد بریلوی۔ ڈاکٹر حسین نقوی امروہوی، رشید احمد معتصم بریلوی، ساجد امروہوی، سحر بریلوی، ضیاء احمد بدایونی، عبادت کلیم نقوی امروہوی قیصر مبین نقوی، محو، مفتی عماد الحسن بریلوی، ناظم بریلوی اور وسیم بریلوی نے غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

قاضی عبد الجمیل جنون بریلوی، نواب زکریا خاں زکی بدایونی، مفتی سید احمد خاں بریلوی[۱] عزیز الدین بدایونی، منشی سخاوت حسین مدہوش بدایونی، نواب یوسف علی خاں ناظم، نواب کلب علی خاں، نواب مردان علی خاں رعنا، حکیم غلام نجف خاں شیخوپوری حکیم ظہیر الدین احمد خاں، نواب ابراہیم علی خاں سہسوانی، غلام بسم اللہ بسمل بریلوی[۲] عباس علی خاں بیتاب رام پوری، منشی بہل چند رام پوری[۳] روہیل کھنڈ کے وہ حضرات ہیں غالب سے تلمذ کا رشتہ بھی رکھتے ہیں۔ اور غالب کے "مکتوب الیہم" بھی ہیں۔ ان کے علاوہ روہیل کھنڈ کے مندرجہ ذیل حضرات کے نام بھی غالب کے خطوط ملتے ہیں[۴]

۱۔ نواب عبد اللہ خاں رام پوری (ولد نواب غلام محمد خاں) (ف ۱۱ اگست ۱۸۵۶ء)

---

[۱] ان کے نام غالب کا ایک فارسی خط ہے جو سب سے پہلے ملفوظات وطیبات از اخیار علی بدایونی (اسرار اقبال پریس بدایوں، سال طبع ندارد) میں شائع ہوا پھر اس کو ابلاد علی نے آئینہ دلدار (کراچی ۱۹۵۶ء) میں شائع کر دیا۔

[۲] ان حضرات کے نام "خطوط غالب مرتبہ غلام رسول مہر" میں خطوط شامل ہیں۔

[۳] دیکھیے مکاتیب غالب (عرشی)

[۴] ایضاً

۲۔ خلیفہ احمد علی رام پوری۔

۳۔ مولوی محمد حسین خاں ۔

۴۔ زین العابدین خاں عرف کلن میاں (ف ۱۸۹۲ء)

ہمیں خطوط غالب کے مطالعے کے دوران مندرجہ ذیل حضرات ایسے نظر آئے کہ جن کا تعلق یقیناً روہیل کھنڈ سے ہے ۔ ممکن ہے ان کے علاوہ بھی لوگ ہوں لیکن ہم ان کی نشاندہی نہ کر سکے ہوں ۔

۱۔ نجم الدین حیدر شیخو پوری بدایونی برادر حکیم غلام نجف خاں ۔

۲۔ مولوی فضل رسول بدایونی (ف ۱۸۷۲ء)

۳۔ ملا غیاث الدین مؤلف غیاث اللغات

۴۔ مولوی عبدالقادر رام پوری (ف ۱۸۵۹ء)

۵۔ مولوی ہدایت علی تمکین ساکن کندرکی ضلع مراد آباد ۔

۶۔ مولوی اللہ یار خاں بریلوی

۷۔ مولوی درویش حسن بریلوی ۔

۸۔ مولوی احمد حسن عرشی ۔

۹۔ خلیفہ حسن علی رام پوری ۔

۱۰۔ مولوی اساس الدین بریلوی

۱۱۔ کشفی مولوی سلامت اللہ بدایونی ثم کانپوری (ف ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء)

۱۲۔ علی بخش خاں خانساماں (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۷ء) ۔

۱۳۔ مولوی وجیہہ الزماں ۔

۱۴۔ مولوی محمد حسن خاں صدر الصدور (ف تقریباً ۱۸۶۳ء)

۱۵۔ مفتی سید احمد خاں بریلوی ۔

۱۶۔ اصغر علی خاں ابن عبداللہ خاں صدر الصدور ۔

۱۷۔ نواب عبدالرحمٰن خاں (ف ۱۸۵۷ء)

۱۸۔ نواب سعید الدین خان (ف ۱۸۸۰ء)

۱۹۔ مہدی علی خاں (ف ۱۸۶۲ء)

۲۰۔ صاحبزادہ محمد حسن خاں (ف ۱۸۶۱ء)

۲۱۔ ممتاز علی خاں۔

۲۲۔ شاہ کبیر الدین۔

مقالہ نگاران غالب

آخر میں ان مقالہ نگاروں کی ایک فہرست شامل کی جا رہی ہے کہ جن کا رومیل کھنڈ سے تعلق رہا ہے اور جنہوں نے غالب کے سلسلے میں مضامین اور مقالے لکھے ہیں۔

۱۔ آفتاب احمد جوہر بدایونی "غالب"۔ میگزین اسلامیہ کالج بریلی غالب نمبر ۰۰ء۔

۲۔ ابراہیم خلیل (سہسوانی) "مرزا غالب اور علم نجوم"۔ العلم کراچی۔ غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔

۳۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری "یونی ورسٹیوں میں غالب پر تحقیقی کام" قومی زبان کراچی غالب نمبر فروری ۶۹ء۔

۴۔ ابو سلمان شاہجہاں پوری "اشاریۂ غالب" قومی زبان کراچی مئی ۱۹۶۹ء و دسمبر ۱۹۶۹ء۔

۵۔ ابو سلمان شاہجہانپوری "غالب اور ابو الکلام" اردو نامہ کراچی غالب نمبر ۱۹۶۶ء۔

۶۔ ابو سلیمان شاہجہانپوری "غالب پر رسائل کے خصوصی نمبر"۔ قومی زبان کراچی ۱۹۶۹ء۔

۷۔ ابو سلیمان شاہجہانپوری "غالب اور ۱۸۵۷ء کے مصائب"۔ العلم کراچی غالب نمبر ۶۹ء۔

۸۔ ابوسلمان شاہجہانپوری "شاعر امروز و فردا (تبصرہ)"۔ قومی زبان کراچی فروری ۱۹۷۰ء۔

۹۔ اختر اقبال کمال (بدایونی) "غالب در غالب اور مطالعہ غالب" پنجاب یونیورسٹی ریسرچ جرنل لاہور۔

۱۰۔ اختر اقبال کمال (بدایونی) "غالب کی شاعری میں طنز" فاران اسلامیہ کالج لاہور جولائی ۶۹ء۔

۱۱۔ اخلاق اختر حمیدی (بدایونی) "بارے غالب کا کچھ بیان ہو جائے" ستارہ کراچی فروری ۶۹ء۔

۱۲۔ افسر امروہوی "غالب اور مصحفی" نگار لکھنؤ ۱۹۴۳ء۔

۱۳۔ افسر امروہوی "غالب اور مصحفی" نگار لکھنؤ ۱۹۴۳ء۔

۱۴۔ افسر امروہوی "غالب کا ایک دکنی شاگرد" صحیفہ لاہور۔

۱۵۔ افسر امروہوی "غالب کے چھ نئے اشعار کی نشاندہی" قومی زبان کراچی مارچ ۱۹۶۴ء۔

۱۶۔ افسر امروہوی "شارحین غالب" قومی زبان کراچی اپریل و مئی ۶۹ء۔

۱۷۔ اکبر علی خاں (رام پوری) "رگ سنگ" ماہ نو کراچی فروری ۶۴ء

۱۸۔ اکبر علی خاں (رام پوری) "ضمیمہ نسخہ عرشی" نقوش لاہور نومبر ۶۴ء۔

۱۹۔ ایوب قادری، محمد "غالب اور سر سید احمد خاں" ہمدرد صحت، کراچی مارچ ۶۹ء

۲۰۔ ایوب قادری، محمد "کچھ غالب کے متعلق" اردو کراچی اپریل ۱۹۶۹ء

۲۱۔ ایوب قادری، محمد "مرزا غالب سے معاصرین کی ادبی چھیڑ چھاڑ" العلم کراچی غالب نمبر ۶۹ء

۲۲۔ ایوب قادری، محمد "غالب اور غیاث اللغات" نقوش لاہور۔ غالب نمبر حصہ اول اپریل ۶۹ء

۲۳۔ ایوب قادری، محمد "غالب اور مارہرہ" صحیفہ لاہور، غالب نمبر ۳ جولائی ۶۹ء۔

۲۴۔ ایوب قادری، محمد " غالب کے چند شاگرد " ادب لطیف لاہور نومبر و دسمبر ۶۹ء

۲۵۔ ایوب قادری، محمد " مطائبات غالب " قومی زبان کراچی فروری ۷۱ء

۲۶۔ توفیق احمد چشتی امروہوی " دیوان غالب نسخہ امروہہ کے مالک کا بیان "
ہماری زبان علی گڑھ ۶۹ء/۱۵

۲۷۔ توفیق احمد چشتی امروہوی " مالک نسخہ امروہہ کا بیان " ہماری زبان،
علی گڑھ ۶۹ء/۸

۲۸۔ توفیق احمد چشتی امروہوی۔ " مالک نسخہ امروہہ کا بیان " ہماری زبان
علی گڑھ ۶۹ء/۱۵

۲۹۔ جمیل نقوی امروہی " غالب اور سرسید " ماہ نو کراچی ۔

۳۰۔ جوہر، محمد علی، مولانا " غالب کا غیر مطبوعہ شعر " نقوش لاہور، آپ بیتی نمبر ۱۹۶۴ء

۳۱۔ ذاکر حسین نقوی امروہوی " موازنۂ مومن و غالب " میگزین اسلامیہ کالج بریلی
غالب نمبر ۶۹ء۔

۳۲۔ رشید احمد معتصم بریلوی، حکیم " غالب کی حقیقت پسندی " بصائر کراچی ۔
غالب نمبر ۱۹۶۴ء۔

۳۳۔ یحییٰ حسن نقوی " دلی کی سماجی زندگی خطوط غالب کے آئینے میں " آج کل دہلی
غالب نمبر ۶۹ء

۳۴۔ سردار احمد خاں (شاہجہاں پوری) " مرزا غالب اور علم نفسیات " العلم کراچی
غالب نمبر ۶۹ء

۳۵۔ شمس بریلوی " غالب کا ایک غیر مطبوعہ ادبی خط " آجکل دہلی ۱۵ اگست ۴۷ء

۳۶۔ شمشاد حسین بریلوی " غالب گردش ایام کے آئینے میں " میگزین اسلامیہ
کالج بریلی ۶۹ء ۔

۳۷۔ ضیا احمد بدایونی پروفیسر " غالب کی ایک غزل کا تجزیہ " میگزین اسلامیہ
کالج بریلی ۶۹ء ۔

۳۸۔ ضیاء احمد بدایونی پروفیسر " غالب کا نعتیہ کلام " در غبار غالب

۳۹۔ ضیاء احمد بدایونی پروفیسر " محاورات غالب " آج کل دہلی غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۴۰۔ ضیاء اللہ خاں رام پوری " منظوم رقعہ غالب بنام علوی " معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۲ء

۴۱۔ ظہیر احمد صدیقی بدایونی ڈاکٹر " غالب اور خاقانی کی فکر کا موازنہ " امروز لاہور ۱۶ فروری ۱۹۶۹ء

۴۲۔ ظہیر احمد صدیقی بدایونی ڈاکٹر " مثنوی چراغ دیر " میگزین اسلامیہ کالج بریلی غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔

۴۳۔ ظہیر احمد صدیقی بدایونی ڈاکٹر " مثنوی سرمۂ بینش " فروغ اردو لکھنؤ غالب نمبر ۱۹۶۹ء۔

۴۴۔ عبادت کلیم نقوی امروہوی " ترقی پسندی اور مرزا غالب " میگزین اسلامیہ کالج غالب نمبر ۷۰ء

۴۵۔ عبدالشکور بریلوی پروفیسر " غالب کی انسان دوستی " میگزین اسلامیہ کالج غالب نمبر ۷۰ء

۴۶۔ عزیز حسن مراد آبادی " غالب کا تصور دہرانی " در غبار غالب۔

۴۷۔ عشرت رحمانی رام پوری " غالب کی اداشناسی اور نواسنجی " صحیفہ لاہور غالب نمبر ۴ ۱۹۶۹ء

۴۸۔ غضنفر حبیب اللہ خاں پروفیسر " غالب میری نظر میں " العلم کراچی غالب نمبر ۶۹ء۔

۴۹۔ فرخ جلالی بدایونی " مدہوش بدایونی کے نام غالب کا ایک غیر معروف خط " آج کل دہلی فروری ۱۹۶۹ء۔

۵۰۔ فرخ جلالی بدایونی " غالب اور سرسید "

۵۱۔ قیصر مبین امروہوی " غم عشق اور غالب " میگزین اسلامیہ کالج بریلی

غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۵۲۔ کلب علی خاں فائق "کچھ تلامذہ غالب کے بارے میں" اردو کراچی غالب نمبر جنوری ۱۹۶۹ء

۵۳۔ لطیف حسین ڈاکٹر "بریلی میں غالب کے تلامذہ" معارف گرلو فروری ۱۹۶۹ء

۵۴۔ لطیف حسین ڈاکٹر "شعرائے بریلی اور غالب" میگزین اسلامیہ کالج بریلی غالب نمبر ۱۹۷۰ء

۵۵۔ محمد تقی سید امروہوی "غالب کا فکری جائزہ" اردو کراچی غالب نمبر جنوری ۶۹ء

۵۶۔ محمد تقی سید امروہوی "غالب کی ادبی تخلیقات مابعد الطبیعاتی پس منظر" ہم قلم کراچی ۔ جولائی ۱۹۶۳ء

۵۷۔ محمد طاہر فاروقی ۔ غالب کی کہانی ان کی اپنی زبانی" خیابان پشاور فروری ۱۹۶۹ء

۵۸۔ محمود الحسن بدایونی "غالب کا گھر اور برسات کا موسم" مومن بدایوں جولائی ۶۹

۵۹۔ مصطفےٰ علی بریلوی "غالب اخبارات کے آئینے میں" العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۶۰۔ مصطفےٰ علی بریلوی "غالب کا ایک پرستار، عرش بریلوی" العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۶۱۔ مصطفےٰ علی بریلوی "کتابیات غالب" العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۶۲۔ م۔م فرشوری "غالب کی ایک پیشین گوئی" نئی قدریں، حیدر آباد پاک غالب نمبر ۶۹ء

۶۳۔ نصیب اختر مراد آبادی "غالب کے آباؤ اجداد" العلم کراچی غالب نمبر ۱۹۶۹ء

۶۴۔ نصیب اختر مراد آبادی "غالب کا قیام دلی میں" العلم کراچی

غالب نمبر ۶۹ء

۶۵۔ نصیر احمد صدیقی بدایونی، ڈاکٹر "غالب کا محبوب" میگزین اسلامیہ کالج بریلی غالب نمبر ۶۸ء

۶۶۔ نور الصباح بیگم "رام پور اور غالب" اخبار جہاں۔ کراچی ۲۶ فروری ۶۹ء

۶۷۔ وحید احمد مسعود "غالب خستہ حال" العلم کراچی غالب نمبر ۶۹ء

۶۸۔ ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی "منشی بالمکند بے صبر" العلم کراچی غالب نمبر ۶۹ء

۶۹۔ ویریندر پرشاد سکسینہ بدایونی "غالب کے ایک شاگرد۔ عزیز بدایونی" ہماری زبان علی گڑھ ۲۲ فروری ۶۹ء

اضافہ

شمس بدایونی نوجوان ادیب اور قلم کار ہیں ان کے مضامین کا مجموعہ "دید و دریافت" (حصہ اول) اگست ۱۹۸۱ء میں (روشن پبلیکیشنز بدایوں) سے شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے بدایوں کے چند شاعروں اور ادیبوں کو متعارف کرایا ہے گویا یہ کتاب بدایوں کے ماضی قریب کی ادبی و شعری تاریخ ہے اس میں ایک مضمون "غالب بدایوں میں" کے عنوان سے بھی شامل ہے جو ۳۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نہایت تلاش و تحقیق سے غالب اور بدایوں کے تعلق کو اجاگر کیا گیا ہے۔ شمس بدایونی کے اس مضمون میں جو چیزیں ہمیں نئی معلوم ہوئیں ان کو یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

کتابیں

۱۔ مرزا غالب۔ قادر نامہ، مطبع صبح بدایوں، باہتمام حکیم تارث علی ۱۸۸۳ء (ص ۲۶)[1]

۲۔ اعجاز احمد معجز سہسوانی، مومن و غالب

اس کتاب میں مومن و غالب کے کلام پر محققانہ تبصرہ اور موازنہ

---

[1] یہ "دید و دریافت" کے صفحات ہیں۔

کیا گیا ہے ۔ اور مومن کو غالب پر فوقیت دی ہے ۔ اس کتاب کا پہلا اڈیشن ۱۹۳۱ء میں فیض آباد سے اور دوسرا اڈیشن ۱۹۳۳ء میں سرفراز پریس لکھنؤ سے شائع ہوا ۔ (ص ۲۹)

۳۔ قاضی غلام امیر بدایونی، بہترین غزل گو (ذوق)
اس کتاب میں ذوق و غالب کا موازنہ کیا گیا ہے اور ذوق کو غالب پر ترجیح دی ہے ۔ یہ کتاب الناظر پریس لکھنؤ سے ۱۹۴۱ء میں بار دوم طبع ہوئی ہے ۔ (ص ۲۹)

مقالے

۴۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر
نقش ہائے رنگ رنگ — ماہ نو (کراچی) نومبر ۱۹۵۵ء (ص ۳۴)

۵۔ آل احمد سرور، پروفیسر
غالب کی شاعری میں معنویت — مسرت سے بصیرت تک
پورے غالب — عرفان غالب
غالب عہد اور شاعری — اردو (اورنگ آباد) اپریل ۱۹۴۱ء
غالب اور اس کے نقاد — جامعہ (دہلی) دسمبر ۱۹۵۰ء
غالب کی یاد میں — ہماری زبان (علی گڑھ) ۱۵ فروری ۱۹۵۹ء
دیوان غالب — فروغ اردو (لکھنؤ) اکتوبر ۱۹۶۱ء
کتابیں جو زندہ ہیں ۔ دیوان غالب — ہماری زبان (علی گڑھ) ۸ نومبر ۱۹۶۱ء
غالب کی زندگی اور شاعری پر ایک تبصرہ — فروغ اردو (لکھنؤ) ستمبر اکتوبر ۱۹۶۵ء
نسخۂ حمیدیہ کا انتخاب — فکر و نظر (علی گڑھ) غالب نمبر ۱۹۶۹ء
غالب کے تیس بہترین اشعار — ہماری زبان (علی گڑھ) ۱۵ فروری ۱۹۶۹ء (ص ۳۱-۳۲)

۶۔ حنیف نقوی سہسوانی، ڈاکٹر

غالب کے خطوط کی نفسیات	شاعر (بمبئی) مارچ ۱۹۵۶ء
غالب خطوط کے آئینہ میں	معیار (علی گڑھ) مارچ ۱۹۵۶ء
غالب کے ایک باکمال شاگرد (ولایت علی خاں ولایت)	آج کل (دہلی) اپریل ۱۹۶۲ء
غالب سے منسوب ایک شعر	آج کل (دہلی) دسمبر ۱۹۸۰ء
منشی نولکشور اور غالب	نیا دور (لکھنؤ) دسمبر ۱۹۸۰ء
غالب کا سفر کلکتہ	غالب نامہ (دہلی) جنوری ۱۹۸۱ء (ص ۳۴)

۷۔ زلیخا خانم بدایونی

مرزا غالب	ہماری زبان (علی گڑھ) یکم اپریل ۱۹۴۷ء (ص ۳۵)

۸۔ ضیاء احمد بدایونی پروفیسر

غالب کے کلام پر ناقدانہ نظر	علی گڑھ میگزین اکتوبر ۱۹۳۲ء
فارسی غزل اور غالب	اردوئے معلیٰ (دہلی) فروری ۱۹۶۹ء
امام بخش صہبائی معاصر غالب	" " "
دیوان غالب بخط غالب	" " "
مشکلات غالب (نیاز فتح پوری کی کتاب پر جامع تبصرہ)	کتابی دنیا کراچی فروری ۱۹۶۳ء ص ۳۰

۹۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر

نقش ہائے رنگ رنگ	(انتخاب فارسی غزلیات و مثنویات) دہلی ۱۹۷۰ء
مومن و غالب	دلی کالج میگزین ۱۹۶۱ء
غالب اور نفسیاتی کشمکش	نئے ادب بمبئی اپریل ۱۹۶۳ء

غالب اور فانی — آج کل دہلی — فروری سنہ ۱۹۶۸ء

غالب کی فارسی شاعری — فروغ اردو لکھنؤ غالب نمبر سنہ ۱۹۶۸ء

غالب کا محبوب فارسی غزل کے آئینہ میں — میگزین اسلامیہ کالج بریلی غالب نمبر سنہ ۶۹ء ص ۳۴

۱۰۔ قاضی غلام سجاد بسمل بدایونی

تعبیرات غالب — علی گڑھ میگزین دسمبر سنہ ۱۹۳۹ء ص ۳۰

۱۱۔ فرخ جلالی

کچھ غالب کے بارے میں — آج کل دہلی — فروری سنہ ۱۹۵۹ء

کچھ غالب کے بارے میں — آجکل دہلی — فروری سنہ ۱۹۶۰ء ص ۳۵

۱۲۔ مبشر علی صدیقی

دیوان غالب کے نظامی اڈیشن — جامعہ (دہلی) — جون سنہ ۱۹۶۳ء

غالب اور اردو خطوط نویسی — جامعہ (دہلی) — فروری سنہ ۱۹۶۵ء

ڈاکٹر سید محمود کا مقدمہ دیوان غالب پر — معارف (اعظم گڑھ) مارچ سنہ ۶۵ء ص ۳۵

۱۳۔ ویریندر پرشاد سکسینہ

منشی بالمکند بے صبر — العلم (کراچی) غالب نمبر سنہ ۱۹۶۹ء

دیوان جانی بہاری لال راضی — ہماری زبان (علی گڑھ) ۲۲ ستمبر سنہ ۱۹۶۱ء

بالو ہرگوبند سہائے نشاط — ہماری زبان ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۶۷ء

مرزا غالب کی ایک اردو تقریظ — ہماری زبان ۲۲ اپریل سنہ ۱۹۶۷ء

مرزا غالب کی وفات پر تین ہندو اساتذہ سخن کے قطعات تاریخ وفات — ہماری زبان یکم جون سنہ ۱۹۶۷ء

مرزا غالب کی اصلاحیں منشی حبیب الدین سوزاں کے کلام پر — یکم دسمبر سنہ ۱۹۶۸ء

غالب کے ہندو تلامذہ — شیرازہ (سری نگر) جنوری سنہ ۱۹۶۸ء ص ۳۲-۳۳

غالب کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر ۱۹۶۹ء میں بدایوں ٹاؤن ہال میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس میں تقریریں بھی ہوئیں اور تحقیقی و تنقیدی مقالے بھی پڑھے گئے۔ ایک شاندار مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مقامی شعراء کے علاوہ نشور واحدی، معین احسن جذبی، روشن صدیقی، ابر گنوری، حفیظ میرٹھی اور شہباز صدیقی وغیرہ وغیرہ نے شرکت کی۔

سحر انصاری (مراد آبادی)

واقعات غالب	افکار (کراچی) غالب نمبر ۱۹۶۹ء
غالب معلوم سے محسوس تک	افکار کراچی۔
غالب کے تین نقاد (حالی۔ بجنوری، لطیف)	افکار کراچی
عندلیب گلشن ناآفریدہ	مشرق۔ کراچی
غالب کی انقلابی رومانیت	ماہ نو۔ کراچی
ذکر غالب ذکر عبد الحق (کتابچہ)	ادارہ یادگار غالب کراچی

مطائبات غالب

مرزا غالب کی طبیعت میں مزاح وظرافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ جس کا واضح ثبوت ان کے خطوط ہیں۔ مرزا غم روزگار کو ظرافت کے سہارے ہلکا کر لیتے تھے۔ حالی نے مرزا غالب کو حیوان ناطق کی بجائے حیوان ظریف کہا ہے۔ مرزا کے لطائف کا مجموعہ "غالب کے لطیفے" کے عنوان سے شائع بھی ہو چکا ہے [1]

مرزا غالب کے چند مطائبات ہمیں جناب صابر حسین شیوا بریلوی کے ذریعے ملے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے والد مفتی عماد الحسن (ف ۱۹۲۶ء) سے سنے ہیں اور ان کو یہ روایات مرزا غالب کے شاگرد مفتی سلطان حسن بریلوی (ف ۱۲۹۹ھ) اور مولوی غلام بسم اللہ بسمل (ف ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء) سے براہ راست ملیں جن میں اول الذکر ممدوح کے والد اور ثانی الذکر ان کے استاد ہیں۔

پینے پلانے کا کوئی سامان نہیں

حضرت قبلہ دادا صاحب [2] مفتی سلطان حسن خان علیہ الرحمۃ ایک زمانے میں میرٹھ میں منصف تھے اور غالباً یہی وہ زمانہ ہے جب دادا صاحب قبلہ مرزا سے اصلاح لیتے تھے۔ مولوی غلام بسم اللہ صاحب بسمل ناظر عدالت تھے۔ مرزا غالب حضرت شیفتہ کے پاس جہانگیر آباد آئے ہوئے تھے، ناظر صاحب اور دادا صاحب نے طے کیا کہ اجلاس

---

[1] مرتبہ مفتی انتظام اللہ شہابی، حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۴۰ء
[2] ہم نے یہ لطائف حضرت شیوا بریلوی کے الفاظ میں نقل کئے ہیں۔

برخاست کر کے بذریعہ ڈاک پالکی نواب صاحب کے یہاں مرزا سے ملنے کے لئے چلنا چاہئے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات جہانگیر آباد روانہ ہو گئے۔ مسافت کافی تھی باوجود کوشش، پہنچنے میں تاخیر ہو گئی اور مرزا اپنے کھانے کے کمرے میں جا چکے تھے۔ نواب صاحب کو ان حضرات کے آنے کی اطلاع ملی تو موصوف فوراً باہر تشریف لے آئے۔ سلام و دعا اور رسمی مزاج پرسی کے بعد نواب صاحب نے فرمایا کہ اب تو مرزا سے ملاقات نہ ہو سکے گی کہ وہ کھانے پر چلے گئے۔ یہ بات مشہور تھی کہ مرزا رات کو کھانے کے بعد پیتے ہیں اور پھر کسی سے نہیں ملتے۔ ان حضرات کے لئے یہ دشواری تھی کہ بغیر رخصت لئے گئے تھے اور صبح پھر اجلاس کرنا تھا۔ آخر طے پایا کہ مرزا کے کمرے کے پاس بیٹھ کر بات چیت کرنی چاہئے۔ اگر انہوں نے سن لیا۔ اور بلا لیا تو سبحان اللہ ورنہ محرومی تو ہے ہی۔

حسن اتفاق کہ ان حضرات نے جو کچھ سوچا تھا وہی ہوا۔ یہ سب غیر معمولی آواز میں بات چیت کر رہے تھے کہ مرزا نے نواب صاحب سے دریافت کیا کہ نواب صاحب کون صاحب ہیں؟ انہوں نے جواباً کہا کہ مولانا سلطان حسن خاں صاحب ہیں اور سکندر شاہ خاں (یہ مولوی غلام بسم اللہ صاحب بسمل کو مرزا کا دیا ہوا خطاب تھا)

مرزا نے اپنے ملازم خاص سے بآواز بلند کہا بلاؤ۔ ان حضرات کو قدرے توقف سے دروازہ کھلا۔ (ان حضرات نے فرمایا کہ غالباً یہ توقف پینے پلانے کا سامان سمیٹنے کی وجہ سے ہوا)

سلام و دعا کے بعد مرزا نے کہا کہ بھائی میں بڑا خوش نصیب ہوں کہ مجھے وہاں کے لئے دو ایسے معزز گواہ مل گئے کہ جن میں ایک بہت بڑے عالم دین ہیں اور دوسرے بہت بڑے نعت گو ہیں۔ آپ صاحبان دیکھ لیں کہ یہاں پینے پلانے کا کوئی سامان نہیں ہے۔ بات ہنسی میں پڑ گئی۔

بسمل صاحب اور دادا صاحب نے کچھ تازہ کلام سنانے کی فرمائش کی مرزا نے معذرت کی کہ میں نے اس عرصے میں کچھ کہا نہیں ہے۔ جب ان حضرت

کا اصرار بڑھا تو مرزا نے قلمدان مانگا اور قلم اٹھا کر ڈبو لیا اور پشت قلم کو منہ میں لیا اور دو رباعیاں فوراً کہہ کر سنا دیں۔

والد صاحب قبلہ فرماتے تھے کہ اس قرینے سے اس کی فکر اور انداز فکر کا طریقہ ذہن میں آتا ہے۔ یہ رباعیاں مرزا کے مطبوعہ کلام میں نہیں ہیں۔ نہ تو موصوف ہی نے ان کو محفوظ کیا اور نہ مجھ ہی کو یہ توفیق ہو سکی۔ خیال تھا کہ کبھی لکھ لیا جائے گا۔

واہ بے لڑکے پڑھی اچھی غزل

ایک واقعہ مرزا غالب کی مردم شناسی اور جودت طبع کا بڑا لطیف ہے۔ ناظر صاحب (مولوی غلام بسم اللہ بسمل) کے ایک عزیز جو معمولی تعلیم یافتہ تھے، مارہرہ سے دلی پہنچے اور اس تعلق سے کہ وہ ناظر صاحب کے عزیز ہیں۔ مرزا سے ملاقات کے لئے پہنچ گئے اور اپنا تعارف کرایا ساتھ ہی کلام سنانے کی فرمائش کی مرزا بڑی خندہ پیشانی سے ملے۔ رسمی تواضع کے ساتھ ساتھ اپنا کلام سنا دیا۔

ناظر صاحب نے فرمایا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ آپ نے بھی کس مسخرے کو کلام سنایا۔ وہ کیا سمجھا ہوگا۔ مرزا نے برجستہ کہا کہ بھائی مسخرہ وہ نہیں آپ ہیں۔ آپ نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ میں نے کیا سنایا۔ میاں میں نے انہیں یہ کلام سنایا کہ ؎

وہ چرائے باغ میں میوہ جسے   پھاند جانا یاد ہو دیوار کا
واہ بے لڑکے پڑھی اچھی غزل   شوق ابھی سے ہے تجھے اشعار کا

بیک نگاہ کسی کے متعلق ایسا صحیح اندازہ لگا لینا ذہانت و طباعی کا شاہکار ہے۔

نہ اس میں قوت تھی نہ مجھ میں

ایک واقعہ اور بھی سن لیجئے۔

ایک بار ناظر صاحب قبلہ دلی گئے۔ مرزا کے یہاں پہنچے تو مرزا اپنے کسی قدیم ملازم کی تعزیت کے لئے جا رہے تھے، ناظر صاحب کو دیکھ کر کہنے لگے کہ خوب آئے

چلو میں اپنے ملازم کی بیوی کے پاس تعزیت کے لیے جا رہا ہوں۔ ناظر صاحب بھی مرزا کے ہمراہ ہو لیئے۔ وہاں پہنچ کر مرزا نے مراسم تعزیت ادا کیے۔ اس کی بیوی نے رونا شروع کر دیا۔ مرزا جتنی دل جوئی کی گفتگو کرتے۔ وہ اور روتی مرزا پریشان ہو گئے آخر مرزا نے کہا کہ نیک بخت کیوں روتی ہو۔ جتنی عمر اس کی تھی اتنی میری ہے، نہ اس میں قوت باقی تھی نہ مجھ میں باقی ہے۔ جو اس کو دیتا تھا وہ تم کو دوں گا۔ جیسے تم اس کو سمجھتی تھیں۔ ویسے تم مجھ کو سمجھنا۔ یہ سن کر وہ بے اختیار ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تم کو تو ہر موقع پر دل لگی سوجھتی ہے اور مرزا اٹھ کر چل دیئے۔

بندی کو مولا نے کیا سرفراز

مرزا کا ایک اور لطیفہ ناظر صاحب نے بیان فرمایا کہ بھائی وہ تو اصلاح میں بھی گالیاں دینے سے نہیں چوکتے تھے۔ ناظر صاحب نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قصہ نظم کیا اور بغرض اصلاح غالب کو بھیجا۔ ناظر صاحب خوش خط نہ تھے اور اس زمانے میں یائے معروف و مجہول کے استعمال میں لوگ محتاط بھی نہ تھے ناظر صاحب کا ایک مصرعہ تھا۔

بندے کو مولا نے کیا سرفراز

"بندے" یائے معروف سے تحریر تھا۔ مرزا نے اس کے املا کی تصحیح کرتے ہوئے لکھا کہ عیاذاً باللہ آپ کا یہ عقیدہ ہے۔

ناظر صاحب نے کوئی لفظ لکھا تھا۔ مرزا نے اسے کاٹ کر کچھ بنا دیا۔ اتفاق کہ ناظر صاحب کو یاد نہ رہا اور پھر وہی لفظ استعمال کیا۔ مرزا نے اسے کاٹا اور نوٹ لکھا کہ "ایک خطا دو خطا اور آ گئے ... کی بجائے آخر تا بہ کجا خطا لکھ دیا۔

بیا برادر آؤ رے بھائی

نواب صدیق حسن خان قنوجی ثم بھوپالی نے دہلی میں مفتی صدر الدین آزردہ سے تعلیم حاصل کی تھی اور انہوں نے اس دور کے نامور علما فضلا در شعرا و ادبا کو دیکھا

تھا ان مجالس میں شریک ہوئے تھے ان کے فرزند اور سوانح نگار نواب علی حسن خاں نواب صدیق حسن خاں اور مرزا غالب کی ملاقات کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"زمانۂ آغاز ملاقات میں والا جاہ (نواب صدیق حسن خاں) ایک بار مرزا غالب مرحوم کے دولت خانے پر خانۂ بے تکلف سمجھ کر بلا اطلاع سابق یکایک پہنچ گئے اس وقت یاران رنگین طبع کی محفل گرم تھی مرزا نے ان کو دیکھ کر بے ساختہ یارانہ لہجے میں کہا۔

بیا برادر آؤ رے بھائی

اس وقت آپ کی کیا دعوت کروں۔ پہلے سے مجھ کو آپ کے آنے کا علم بھی نہ تھا خیر بیٹھیے میں ضیافت طبع کیے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر مرزا صاحب نے اپنی تازہ غزل سنائی جو انہیں دنوں شاہی دربار کی فرمائش سے لکھی تھی اس کا مطلع یہ ہے۔

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

والا جاہ اکثر اوقات کہا کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا وہ دل آویز لب و لہجہ اور ان کے فصیح و بلیغ اشعار کی حسن ترتیب و ادا لطائف شعریہ اور حز الت معانی کی تاثیر کچھ ایسی دل میں پیوست ہو گئی ہے کہ جب کبھی اس کی یاد آتی ہے تو دل میں ایک عالم وجد و حال پیدا ہو جاتا ہے اور ہر وقت تازہ بتازہ نو بنو لطف حاصل ہوتا ہے۔

تازہ ترا از تازہ ترے می رسد

قطعات تاریخ انتقال و مزار غالب

مرزا غالب کے انتقال پر شعری و ادبی حلقوں میں خاصا ماتم برپا رہا۔ شاعروں اور ادیبوں نے ان کے انتقال پر قطعات تاریخ اور مرثیے لکھے۔ بقول حالی۔

"ان کی وفات کی تاریخیں جو مدت تک ہندوستان کے اردو اخباروں میں چھپتی رہیں، وہ گنتی اور شمار سے باہر ہیں" [۱]

اسی قسم کی دو غیر مطبوعہ تحریریں ہمیں ملی ہیں جن میں سے ایک حکیم جعفر حسین دیوبندی کا خط ہے جو ان کے خطوط کے مجموعہ "مکتوبات جعفری" میں شامل ہے۔ انھوں نے یہ خط اپنے بھائی یوسف علی کو لکھا ہے جو ضلع ہوشیار پور میں سب اورسیر تھے۔

حکیم جعفر حسین دیوبند (محلہ سرائے پیرزادگان) کے رہنے والے تھے، ان کے والد کا نام حکیم غلام عباس ہے جو ریاست بھوپال میں صیغۂ پولیس میں ملازم رہے اور گھر پر مطب بھی کرتے تھے۔ جعفر حسین مولوی سید محبوب رضوی مولف تاریخ دیوبند کے والد سید ظہور الحسن [۲] کے ماموں تھے، رضوی صاحب لکھتے ہیں [۳]

---

[۱] یادگار غالب ص ۹۰

[۲] سید ظہور الحسن ۱۲۸۵ھ میں پیدا ہوئے، دارالعلوم دیوبند کے درجات فارسی میں تعلیم پائی۔ بچپن میں کچھ عرصے اپنے نانا حکیم سید غلام عباس صاحب کے پاس بھوپال میں بھی قیام رہا۔ محکمہ نہر میں ملازم تھے۔ رمضان ۱۳۷۰ھ میں انتقال ہوا (مکتوب سید محبوب رضوی بنام راقم مورخہ ۲۲ مئی ۱۹۶۹ء)

[۳] مکتوب سید محبوب رضوی بنام راقم مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء

"سید جعفر حسین بن حکیم غلام عباس میرے والد مرحوم کے حقیقی ماموں تھے، دیوبند میں محلہ سرائے پیرزادگان کے رہنے والے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ دیوبند کے مشہور بزرگ الحاج بندگی سید محمد ابراہیم صاحب قدس سرہ (وفات ۱۰۳۴ھ) ہیں۔ راقم السطور کے جد اعلیٰ بھی یہی بزرگ ہیں۔

حکیم سید غلام عباس، ریاست بھوپال میں انسپکٹر پولیس تھے ملازمت کے ساتھ گھر پر مطب کا مشغلہ بھی جاری رہتا تھا۔ سید جعفر حسین صاحب ... ایک فاضل شخص تھے، اور قانون سے طبعی مناسبت تھی۔ ان علوم میں صاحب کمال سمجھے جاتے تھے۔ والد مرحوم سے میں نے سنا ہے کہ وہ ریاست بھوپال میں مشیر قانون تھے، کثرت مطالعہ سے آخر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔ ان کے فرزند محمد ابراہیم صاحب لاولد فوت ہوئے سید جعفر حسین کا سنہ ولادت و وفات معلوم نہیں ہو سکا۔"

حکیم جعفر حسین بھوپال کے نامور فاضل اور ادیب شہیر ابوالفضل محمد عباس شروانی (ف ۱۲۱۵ھ) کے شاگرد تھے۔ محکمہ پولیس وغیرہ میں ملازم رہے۔ ان کی دو کتابیں خطی صورت میں ہمارے ذخیرۂ کتب میں ہیں، ایک تو یہی ان کے مکتوبات کا مجموعہ اور دوسری میر غلام علی آزاد بلگرامی کی مشہور کتاب سرو آزاد کا خلاصہ ہے۔

مکتوب منشی جعفر حسین دیوبندی

بنام خداوند پیروزگر مہر و مہر ساز و شب و روزگر

سخنے کہ بر ہر سخن می چربد، ستائش ایزد بخشایندہ دادگر است و روشے کہ بر ہر روش ارزد سپاس توانا و داور بخشائش گر اگر چہ من بے ریا را چہ یارا کہ ہنگامہ شوری برپا کنم و کمند پیچ در پیچ بر ایوان ستودن کسی افگنم مگر امروز غالب بیاز دکنم و کمند

بیچ در پیچ براویاں ستودن کسی انگنم مگر امروز غالب بباز د سخن بیزور جہاں سخن
چینان سرام گردانید و آفتاب روشن روش گویائی از گوشہ باختر بر گردانید ، دشنہ
کلکش زخم ریز، آب و آتش مرہم کافور آمیز زبان حیاشنی جویان شیریں سخنان بجوش
مایہ شہد پر مزہ ساخت - کرس بلند آوازگی و موشگانی درششش سوئے گیتی نواخت و سخنش
در خوبی انگشت نما، گوہر گفتارش گراں بہا، اگر جامہ ماہ نو آسا بر میدان چرخ
نیلگوں نہ بر آمدی ، زنگ تیرگی از آئینہ روزگار بہ کنہ لک فروغ کہ زدودی ' چگامہ
نشتر مژہ چشم نازک مانا ، اگر سر پنجہ رسامے از رگ جانہا آگاہی نہ گرفتے تلخ کاماں را
داروئے بہ از کجا بودے ، تخم یکتائی در گلزمیں دلہائے آرش خرمناں باشد ، رشک بیناں
خود فروشاں را از تیغ آبدار خراشد و الامایگاں زیرگاہ نشیناں جوہر شناسی را لوب
کیانی بر سرمی نہد و سرفرازاں گیہاں پیشگہ نشیں بزم سروب خوانی را پیرہن در سر از
شوخی ہوائے بہار آنگہائی شاخ زرینش غنچہ رواں خوشاب واز اندازہ رنگینی شاخ
گل گفتارش سبزہ نگاہ سیراب ہرگاہ زباں نیرنگ سازی کشودے ، غوغائیاں گلبن را
اسیر فرمودے و در تبسم غنچہ خندہ از گلزار چہرہ بر انداختی ، خاموشی لبہائیش دریائے
موج داشتے ، از خاکپائیش زمین آسماں شد از اوج جاہش آسمان زمین شد
سخنش چوں زلف مشکیں سواداں بے آہو از آب زمرد وار گویائیش گوہر دنداں
را آبرو گل نوخیز اندیشہ رنگینش از خار ناکامی پاک و لالہ پندار خوش اندازش از داغ
نامرادی بیباک واگر گل از سرداد رنگین بر کان خود را ہمچو شہپر زند خواں برباد سازد
ارز دگر سخنواں از شرمندگی گفتار نغمہ آرائی خوش لہجہ وے گرد گل بر سر افشاند سرد پنج
آہنگ وے مرغ شب آہنگ الیست با شباہنگ سپہر مینا رنگ ہم آہنگ نے
نے دریائیست بے پایاں پیدا از گوہر ہائے رنگ برنگ با دانش و فرہنگ بہر نیروز
و دستبو بہ ہوائے سرمایہ فروغ بخش جہاں ولوبئے رساں دماغ پریشاں گرمی
ہنگامہ وے آفتاب جہاں تاب پائیدار از غم می سوزد و چوں آں دل سوختہ ماہ
بر میداں آسمان ہمو خ شرم برافروزد غازۂ جاں بری بر روئے جہانیاں مالیدو

سرمہ از آں سواد در چشم مردمان کشید پیچید گیہائے آں ناحیہائے مستان بادہ سرجوش اند کہ دست در گردن یکدیگر اند وابستگاں نزاکت سخن با ہزاراں زبان نیایشش گر گشتند سخن زنان و آتش زبانان شیریں بیانان خاک آستانش بمژگان رفتند غبار درگاہش کیمیائے دانائی و خاکروبہ بہ نگاہش پارس بینائی درش چاک گریباں زہے پیچہرہ غبار آستانش سپہ توجہر۔

کاش اینک اوستادان پیشیں بودندے زبان سپاس شکر بار بزور بازویش کشادندے و مایۂ بے نیازی آں برگزیدہ بارگاہ بے نیاز کما ہیہ بازنمودندے و از سر و چشم بر راہش پوئیدندے بزرگاں راست گفتند و در سفتند کہ تا در یکتائی و سخن پروری دریا نشود گوہر آبدار شیوا بیانی بدست نیاید تا در سپہ تو ماتا ہوا نہ گردد فروغ بخش جہاں آرا نہ بر آید ہیہات ہیہات گوش ستم دیدگان خورد۔ ”آہ غالب بمرد“ جان بجہان آفریں سپرد و چراغ پر ماس و سخن مرد خرم شکیبائی بے برگاں سوخت و ہنگامہ گرمی سوز و گداز افروخت مپرس کار ایں سرائے ناپائیدار چوں است دیدہ ہائے کارگزاراں روزگار ہمہ کور و گوشہا کر است دریں کاخ پنج خالی ز گنج ہیچ نماند نہ ہیچ چیزے جاوید خواہد ماند۔

اے بخاک رمیدن آں مرد زباندان کشادہ زبان سر بخش شیریں گویاں جوہر شناس موزوں جیاں رستم دستاں تازہ گوئے سام نریمان رزم شگفتہ، روئے جمشید اریکہ تارک بیانی شاہنشہ ایران تر زبانی، سروش کردار زیرک سار ہم شاہ سخن سرائی ہم پہلوان پلارک آزمائی آسمان ساز زمین شیوا روش روگاہ اجزائے سرخوش نیک سنج نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خان بہادر نظام جنگ انچہ در دل بود، بدل ماند و کار بیدل بدر رسے رساند از نارسائیہائے در خیابان نامرادی جز دانہ اشک چہ بادیدم کاشت و از ناسازیہائے در زمین سینہ جز زک خار ناتوانی چہ بادیدم گذاشت، خواہم بہشتہ را در آب و آتش گزارم و دست ازیں کار بر آرم ہنگام زیست آں رہ گزر کہ آفتاب لب کوہ بودند، بن زبان سخن سرائی و آرش بر آری می

کشودند دو تا نامہ پارسی زبان فرستادہ بودم و نوشتہ بودم کہ بنگاہ اوستادی بنگرند و نشیب و فراز سخن نگرند سپس بست روز از فرستہ واپس فرمود و از کلک پرویں سلک فرو ریختہ بود کہ راہے تو پسندیدم و خوش گردیدم، پنج آہنگ و دستنبو بینید، و برآں ورزش کنید، اوستاد تو نیز یکتائے روزگار است و از ہوا خواہان راست کردار ما است از وے کار بگیر و آنچہ گویدت، بپذیر، اکنوں بار غم پشت خامہ و شکستہ و غبار اندوہ را السخن بستہ۔

(۲)

منشی فضل حسین برشتہ کا خطی دیوان ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔ کلام لکھنوی انداز کا اوسط درجے کا ہے۔ برشتہ کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔ غالباً دہلی کے رہنے والے تھے۔ مرزا قادر بخش صابر گورگانی مولف تذکرۂ گلستان سخن اور خدا بخش تنویر کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے دیوان میں بعض یادداشتیں بھی لکھ رکھی ہیں اور اکثر غزلیات سے متعلق۔ صراحت بھی کی ہے کہ کب، کہاں اور کس شخص کے یہاں مشاعرے میں وہ غزل پڑھی گئی۔ اندازہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ مراد آباد میں متوطن ہو گئے تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا یہ دیوان مراد آباد ہی میں مرتب کیا ہے اور تاریخ اختتام ۹۔ جون ۱۸۹۹ء درج ہے۔ برشتہ نے مرزا غالب کے انتقال پہ دو قطعات تاریخ تحریر کئے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

تاریخ وفات مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب دہلوی۔

وحید زماں تھا جو دہلی میں غالب
وہ معنی سرا اٹھ گیا ہائے ویلا
برشتہ لکھو بہر تاریخ مصرع
"سخن کا مزہ اٹھ گیا ہائے ویلا" [1]

---

[1] اس مصرعہ سے ۱۲۸۳ھ برآمد ہوتے ہیں اور اگر قاعدے کے خلاف ہمزہ کا ایک عدد بھی شامل کر لیا جائے تو ۱۲۸۴ ہو جاتے ہیں لیکن اس بے قاعدگی کے ساتھ اگر "ہائے" کو "وائے" سے بدل دیں تو ۱۲۸۵ھ ہو جاتے ہیں

دیگر

اٹھا دنیا سے کیا مرزائے غالبؔ جہاں سے اٹھ گئی شیریں زبانی
سرشتہؔ نے لکھی تاریخ رحلت موا ہے سعدی شیراز ثانی

۱۲۸۵ھ

(۳)

ذیل میں چند قطعات تاریخ اور بھی پیش کیے جا رہے ہیں جو مطبوعہ ہیں لیکن عام نگاہوں سے اوجھل ہیں:

تاریخ وفات مرزا اسداللہ خاں غالبؔ ملقب بہ نوشہ
کہ فن شاعری میں یکتا بلکہ عدیم المثال تھے
از محمد علی جویاؔ

غالبؔ چو ازیں جہان گزراں
شد داخل خلد ہر ملک گفت
تاریخ وفات او از جویاؔ
"تاج سر شاعراں" فلک گفت[1]

(۴)

تاریخ وفات مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی صانحہ اللہ بالمغفرہ
از منشی اسماعیل حسین منیرؔ شکوہ آبادی[2]

آں غالب دہلوی کلیم دوراں سلطان سخن غلام آل یٰسیں
در نظم و زبان فارسی نامی دہر در نثر بہند افادات مکیں
برداشتہ رخت ازیں سرائے فانی یارب برسانیش بفردوس بریں

---

[1] "تاج سر شاعراں" سے ۱۲۸۶ برآمد ہوتے ہیں۔
[2] نظم منیر (مطبع سعیدی رام پور) ص ۵۱۷

دنیاست سیاہ بدیدۂ اہل سخن ــــ در برج لحد چو رفت آں مہر مبین
تاریخ وفات او چنیں گفت منیر ــــ آہ افصح عصر وحیف ثانی حزیں

۱۲۸۵ھ

(۵)

قطعات[1] تاریخ وفات نواب اسد اللہ خاں غالب دہلوی

از منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی[2]

حیف کہ غالب زجہاں رخت بست ــــ بود یکے شاعر با علم و فضل
مرد چو او ایں ہمہ بے جاں شدند ــــ شعر و سخن، نثر و ہنر، علم و فضل

۵۰۰ + ۱۱۰ + ۲۵۰ + ۲۰۵ + ۱۱۰ + ۱۱۰ = ۱۲۸۵ھ

⁂

تھا شاعر نامی یہی اب دنیا میں
افسوس یہ ہے کہ مرگیا غالب بھی
ہے سحر یہ مصرع مرے لب پر جاری
دنیا سے آج چل بسا غالب بھی

۱۲۸۵ھ

مرگیا غالب جو لاثانی تھا شاعر ہند میں
لے گیا دنیائے دوں سے حسرتیں کیا کیا دریغ
فکر میں اے سحر میں بیٹھا ہوا تھا ناگہاں
یہ ندا آئی فلک سے "وائے واویلا دریغ" ۱۲۸۵ھ

---

[1] ملاحظہ ہو دیوان سحر "سحر سامری و طامات سحر" نول کشور پریس کان پور ۱۸۹۴ء ص ۱۱۱

[2] منشی دیبی پرشاد سحر ۲۴ دسمبر ۱۸۴۰ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے۔ کتب متداولہ مولوی طاہر الدین فرشوری سے پڑھیں۔ ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے۔ تصنیف و تالیف کا ذوق تھا متعدد کتابیں یادگار ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں فوت ہوئے۔

(۶)

قطعہ تاریخ وفات[1] مرزا غالب دھلوی۔

از مفتی محمد حسن خاں بریلوی صدر الصدور۔

غالب کہ بود پیر مغاں سخنوری | زیں دہر چوں بدار سلامت گرفت راہ
ساغر شکست و میکدۂ شعر شد خراب | میناگریست زار کہ "غالب بمرد آہ"

۱۲۸۵ھ

(۷)

قطعہ تاریخ از مولوی عبد الحکیم جوش

آغا احمد علی مصنف ہفت آسمان لکھتے ہیں کہ[2]

مولوی عبد الحکیم جوش تخلص، مدرس اسکول میرٹھ، تاریخ وفات او کہ در سنہ یک ہزار و دو صد و ہشتاد و پنج واقع شدہ چنیں یافتہ

مرد ہیہات میرزا نوشہ ۱۲۸۵ھ

(۸)

شمس الملک مظفر الدین حیدر خاں بہادر مظفر جنگ

شعر

سال میلادش دست لفظ "غریب" ۱۲۱۲ھ

سال فوتش "بمرد غالب آہ" ۱۲۸۵ھ

(۹)

تاریخ وفات مرزا اسد اللہ خان غالب

از سید آل محمد مارہروی۔

(۱)

۱۔ چمنستان سخن از مفتی محمد حسن خاں، مطبع رفاہ عام گورکھپور ۱۹۰۸ء ص ۲۱

۲۔ ملاحظہ ہو، ہفت آسمان از آغا احمد علی، ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۷۳ء ص ۲

جنابِ میرزا نوشہ صد افسوس — ہوئے دارِ فنا سے رگھرا آج
لکھا ہے آلِ محمد سال منقوط — کہ رشکِ حافظ و طالب مرا آج
۱۲۸۵ھ

تاریخ وفات سہ شاعر نامی بصنعت زبر و بینہ

(۲)

سہ شاعر را زوال آمد بہ یک سال — کہ ہند از شعر شاں چوں اصفہاں بود
یکے آں غالبِ استادِ لسانین — کہ او خود پیرِ شعر او جواں بود
دوم زانہا سرورؔ استاد اردو — کہ شعر او سرور افزائے جاں بود
سوم شاعر خلیقؔ مرثیہ گو — کہ در ملکِ سخن صاحبقراں بود
ہمہ عالم ز فوت ایں سہ شاعر — پر از فریاد واز شور و فغاں بود
زبر با بینہ از بہر تاریخ
فراہم شد زوالِ شاعراں بود
۱۲۸۵ھ

ولیکن باز بیر و بینہ باہم — سر حزن و بکا شامل بآں بود

(۳)

غالب کہ بشعر فارسی در عہدش — لفاظ او بود و ہم عنانش لافظ
تاریخ مسیحی پے سال نقلش — از آلِ محمد است' فخرِ حافظ
۱۸۶۹ء

(۴)

حیف رفت آنکہ از کلامش بود — آشکارا معانی سعدی
درمیا دین نظم و نثرش داد — طالعش ہم عنانی سعدی
ہر کہ دیوانِ او مطالعہ کرد — یافت شیریں بیانئ سعدی
بود در ہند بعد مرگ حزیں — حق او ہم زبانئ سعدی
ابر نیساں کلک دریا کش — درشت گوہر فشانئ سعدی

سعدی از زندہ بودے او سخن — ساختی میزبانی سعدی
صحبت پر افادتش دادی — یاد از نکتہ دانی سعدی
متمع را زخواندن شعرش — لذت شعر خوانی سعدی
از جوان فکریش تقابل داشت — پیریش با جوانی سعدی
در اقالیم نظم بر نامش — سکۂ حکمرانی سعدی
بود ذات بلاغت آیاتش — در زمانہ نشانی سعدی ص۱۷۱
گفت آلِ محمدش تاریخ — رشک جامی ونشانی سعدی

سنہ ۱۲۸۵ھ

تعمیرِ مزار[1]

امتدادِ زمانہ سے مرزا غالب کی قبر شکست و ریخت ہوگئی تھی۔ اس کی حالت بہت خراب و خستہ تھی۔ تعمیر کے سلسلہ میں بعض مؤقر اخبارات میں تحریک بھی چلی۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا محمد علی جوہر نے سنہ ۱۹۱۲ء میں اس بارے میں آواز اٹھائی۔ اس کے بعد اور لوگوں نے بھی اس بات کو آگے بڑھایا۔ ہمیں مولوی نظام الدین حسین نظامی بدایونی ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں کا سنہ ۱۹۴۷ء کا ایک اعلان ملا ہے جس کو ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

مرزا غالب کے مزار کی مرمت[1]

"کئی مرتبہ ملک کے بعض معزز اخبارات نے مرزا غالب مرحوم کی قبر کی مرمت کی آواز اٹھائی ہے لیکن افسوس کہ اب تک اس کے متعلق کوئی عملی کارروائی نہیں ہوئی، مرزا مرحوم کا مزار جو ابھی بالکل بے نشان نہیں ہوا اور جو ایک مشہور اور مقدس درگاہ کے احاطہ کے اندر

---

[1] ملاحظہ ہو "عبرت" نجیب آباد۔ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء

واقع ہے اس کی مرمت ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں اور نہ اس کے لئے کسی خاص چندے اور بڑے بڑے عطیوں کی ضرورت ہے۔ تمام ہندوستان میں دلدادگان کلام غالبؔ تھوڑا تھوڑا چندہ دیں۔ جب بھی یہ کام آسانی سے پورا ہو سکتا ہے۔ میں اپنی طرف سے اردو دیوانِ غالبؔ کے خاص ایڈیشن کی بقیہ ۳۰۰ (جلدیں) اس ضروری کام کے لئے اس طریقہ سے پیش کرتا ہوں کہ وہ تمام ارباب درد و احساس جو مرزا غالبؔ کی یاد کو زندہ رکھنا ضروری سمجھتے ہیں اجازت دیں کہ ایک روپیہ آٹھ آنے میں اردو دیوان غالب کا خاص ایڈیشن بذریعہ وی۔ پی ان کے نام نامی پر بھیج دیا جائے اور جس وقت یہ سب کتابیں فروخت ہو جائیں تو کل روپیہ حضرت شفیق دہلوی یا کسی دوسرے دوست کو جو دہلی میں مقیم ہوں، سپرد کر دیا جائے کہ وہ اس تاجدار سخن کے ٹوٹے ہوئے مزار کی جس کا نظارہ اہل نظر اور اہل دل کے لئے ایک عبرتناک سین کا کام دیتا ہے، مرمت کرا کے آثار سلف کی بقا و حفاظت کے فرض کفایہ کو انجام دیں۔

خاکسار نظامی عفی عنہ ایڈیٹر ذوالقرنین بدایوں"۔

معلوم ہوتا ہے کہ نظامی مرحوم کی اس پیش کش کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا ان کی یہ اپیل ماہنامہ عبرت، نجیب آباد میں شائع ہوئی تھی، بشیرالدین دہلوی مولف واقعات دارالحکومت دہلی ۱۹۱۹ء میں لکھتے ہیں۔

اتنا بڑا نامی گرامی شاعر اور اس کی قبر جو آج یادگار زمانہ ہوتی اس کس مپرسی کی حالت میں ہے۔ وائے بر قوم! اس سے معلوم ہوا کہ نفسی نفسی کا معاملہ ہے یہاں قوم ووم خاک بھی نہیں، غالبؔ کے ایک نہیں دو نہیں، ہزاروں شاگرد تھے۔ جن میں سے اب بھی

بہت سے کھاتے پیتے خوشحال ہیں، جن کو دعویٰ غالب سے تلمذ کا ہے، اگر تھوڑا تھوڑا بھی دیتے تو قبر کی یہ حالت نہ ہوتی۔ کچھ دن ہوئے باسی کڑھی میں ابال آیا تھا، غلغلہ سنا تھا کہ غالب کی قبر بن رہی ہے، چندہ ہو رہا ہے اور کچھ چندہ ہوا بھی مگر جس طرح مسلمانوں کے اور کام اینڈرہ جاتے ہیں، یہ دفتر بھی گاؤ خورد ہو گیا۔ خیر ان کی کوئی یادگار بنانے یا نہ بنائے ان کا کلام اور ان کی تصانیف ایک ایسی دائمی یادگار ہے کہ ابد الاباد تک رہے گی۔ قبر پہ یہ کتبہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ او ہو یہ غالب کی قبر ہے ورنہ کوئی جانتا بھی نہ کہ یہ دُرِ بے بہا کہاں رل گیا۔

رشک عرفی و فخر طالب مرد ۔ اسد اللہ خان غالب مرد

کل میں غم و اندوہ میں با خاطر محزوں
تھا تربت استاد پہ بیٹھا ہوا غمناک
دیکھا جو مجھے فکر میں تاریخ کی مجروح
ہاتف نے کہا "گنج معانی ہے تہ خاک" ۱۲۸۵ھ

پھر ۱۹۳۵ء میں یہ تحریک نہایت زور کے ساتھ اٹھی اور آخر ۱۹۵۵ء میں مرزا غالب کی قبر کی مرمت و تعمیر کا کام انجام کو پہنچا اور اس کا افتتاح ۱۵ ۔ فروری ۱۹۵۵ء کو ہوا جو ان کی وفات کا دن ہے[1]

علامہ اقبال، غالب کے مزار پہ :

درگاہ نظام الدین اولیا میں غالب کا مزار ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ غالب کے مزار پہ فاتحہ خوانی کے لئے پہنچتے ہیں، چنانچہ جب علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لئے عازم یورپ

---

[1] غالب سوسائٹی از مالک رام ماہنامہ "آج کل" دہلی مارچ ۱۹۵۸ء

ہوئے تو پہلے درگاہ نظام الدین اولیا میں حاضری دی اور پھر مرزا غالب کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ اس فاتحہ خوانی کا ذکر شمس العلما خواجہ حسن نظامی دہلوی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔[1]

"چلتے چلتے مرزا غالب کے مزار پر بھی گزر ہو گیا اور ایک ایسا نظارہ دیکھا، جو وفات غالب سے لے کر آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ جب ہم قبرستان کے احاطے میں ناقابل برداشت تیزی تھی۔ اول چند مغل امرا کی قبروں کو پامال کرنا پڑا جو مرقد غالب کے رستے میں حائل تھیں۔ اس کے بعد ہم خاک کے اس ڈھیر پر پہنچ گئے جس کے نیچے گنج معانی دفن ہے۔ مرزا غالب کا آدھا چبوترہ مٹی میں پوشیدہ تھا۔ ہم اس رخ ایک کچی دیوار کا تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ یہ چھوٹی سی دیوار غالب کے دائیں پہلو میں اداس اور چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس نے باوجود بے سروسامانی ہم پر سایہ ڈالا اور مرنے والے غالب کی طرف سے میزبانی کی۔ نیرنگ و اقبال پر اس سین کا اتنا اثر تھا کہ افسردگی کے عالم میں خاموش سر جھکائے بیٹھے تھے، ویسی ہی اکرام، نذر محمد، نور الدین، حسن نظامی کی حالت تھی اور مزار کے گرد حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ یکایک ولایت نے غالب کا یہ شعر پڑھا۔

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

سب پر از خود رفتگی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ خاص کر اقبال جھوم جھوم کر شعر کی تکرار کرتے تھے۔ اس پر حسرت و پر حسرت سین

---

[1] اخبار "وطن" لاہور مجریہ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء روز جمعہ مطابق ۷ رجب ۱۳۲۳ھ جلد ۵ شمارہ ۱۶۳۵
نیز دیکھیے غالب نام آوردم از نادم سیتاپوری (لاہور ۱۹۷۰ء) ص ۱۵۳۔

کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا اور ہم غالب کو اکیلا چھوڑ کر چلے آئے "۔

اب خواجہ حسن نظامی کے رفیق حضرت ملا واحدی کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔

" واپسی میں پارٹی مرزا غالب کی قبر پہ ٹھیری۔ میر نیرنگ قبر کی لوح کو تکتے بیٹھے تھے، اقبال دائیں جانب عالم محویت میں تشریف فرما تھے، ستمبر کا مہینہ تھا ہوا بند تھی اور دھوپ بڑی تیز، لیکن کسی کو گرمی کا احساس نہ تھا۔ ولایت بولا: حضور! اجازت ہو تو مرزا غالب کی غزل پیش کروں۔ سرود بہ مستاں یاد دہانیدن' یہاں کسے عذر تھا چنانچہ اس نے کہنا شروع کیا۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی

غزل کے ان دو شعروں نے حاضرین میں ہلچل پیدا کر دی۔ دیکھئے کس قدر برمحل تھے۔

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی
وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

ولایت نے غزل ختم کی اور پارٹی ہوش بجا کر کے چلنے کے لئے اٹھی۔ اقبال نے جوش عقیدت میں غالب کی لوح مزار کو بوسہ دیا اور شہر کا راستہ لیا۔

کتابیات

۱۔ آبِ حیات ۔ محمد حسین آزاد ، کتاب منزل لاہور سنہ ۱۹۵۰ء

۲۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا ۔ امداد صابری (مطبوعہ دہلی)

۳۔ آثار الصنادید ۔ سر سید احمد خاں (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، کراچی

۴۔ آثارِ غالب ۔ قاضی عبدالودود ، علی گڑھ میگزین سنہ ۱۹۴۸۔۴۹ء

۵۔ اخبار الصنادید (دو جلد) حکیم نجم الغنی خاں رام پوری ، نولکشور پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۱۸ء

۶۔ اخبار المارہرہ (خطی) بہاؤ الدین مارہروی (مملوکہ حاجی محمد زبیر ، کراچی)

۷۔ اردوئے معلی ۔ اسد اللہ خاں غالبؔ ، اکمل المطابع ، دہلی سنہ ۱۸۹۱ء

۸۔ اردوئے معلی ۔ اسد اللہ خاں غالبؔ ، مطبع مجیدی کانپور سنہ ۱۹۲۲ء

۹۔ اسرار حسن ۔ محمد احسن بلگرامی ، قومی پریس لکھنؤ سنہ ۱۹۰۴ء

۱۰۔ اشاریہ غالب ، سید معین الرحمٰن ، لاہور سنہ ۱۹۶۹ء

۱۱۔ اصح التواریخ (دو جلد) مولوی محمد میاں مارہروی ۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ سنہ ۱۲۴۷ھ

۱۲۔ اعمال نامہ ۔ سر رضا علی ۔ دہلی سنہ ۱۹۴۳ء

۱۳۔ اکمل التاریخ (دو جلد) مولوی محمد یعقوب ضیاء القادری بدایونی مطبع قادری بدایوں سنہ ۱۹۱۶ء

۱۴۔ البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار ساطعہ ، مولوی خلیل احمد ۔ مطبع بلالی سادھوڑہ

۱۵۔ المشاہیر ۔ فیض احمد ۔ نامی پریس میرٹھ سنہ ۱۹۰۰ء

۱۶۔ انتخاب زریں ۔ سر راس مسعود ۔ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۲۱ء

۱۷۔ انتخاب غزلیات غالبؔ ۔ سر شاہ سلیمان ۔ نظامی پریس بدایوں سنہ ۱۹۲۵ء

۱۸۔ انتخاب یادگار ۔ منشی امیر احمد مینائیؒ لکھنؤ سنہ ۱۲۹۰ھ

۱۹۔ انساب شیوخ فرشوری ۔ مولوی رضی الدین بسمل ، کاکس پریس شاہ آباد ضلع ہردوئی

۲۰۔ انوار العارفین ۔ مولوی محمد حسین قدوسی ۔ مطبع صدیقی بریلی سنہ ۱۲۹۰ھ

۲۱۔ انوار ساطعہ دربیان مولود وفاتحہ ۔ مولانا عبدالسمیع بیدل ۔ مطبع نعیمی مراد آباد

۲۲۔ آئین اکبری ۔ ابو الفضل (بہ تصحیح سر سید احمد خاں) مطبع اسماعیلی دہلی سنہ ۱۲۷۲ھ

۲۳۔ آئینہ دلدار ، ابرار علی بدایونی ، انجمن پریس کراچی سنہ ۱۹۵۶ء

۲۴۔ باغی ہندوستان ۔ عبدالشاہد خاں شروانی ۔ مدینہ پریس بجنور سنہ ۱۹۴۷ء

۲۵ ـ بدایوں ۱۸۵۷ء میں ـ محمد سلیمان بدایونی ـ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۶۰ء

۲۶ ـ برکات مارہرہ ـ طفیل احمد بدایونی ـ نولکشور پریس لکھنؤ

۲۷ ـ بزم سخن ـ نواب علی حسن خاں ـ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ

۲۸ ـ بوستان اودھ ـ راجا درگا پرشاد ـ لکھنؤ ۱۸۸۶ء

۲۹ ـ بیاض ملا قادر بخش (خطی) (مملوکہ حکیم عبد الغفور ساکن آنولہ ضلع بریلی)

۳۰ ـ بیاض مولانا محمد عمر یعنی مرادآبادی (خطی) (مولانا محمد عمر نعیمی کراچی)

۳۱ ـ تاریخ پنجاب تحفۂ احباب ـ منشی عبد الکریم ـ مطبع محمد حسین لکھنؤ ۱۲۶۵ھ

۳۲ ـ تاریخ روہیل کھنڈ ـ عبد العزیز عاصی ـ مکتبہ علم و فکر کراچی ۱۹۶۳ء

۳۳ ـ تاریخ جدولیہ ـ مولوی خادم علی ـ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۶۸ء

۳۴ ـ تاریخ قنوج (خطی) نواب صدیق حسن خاں شروانی کلیکشن مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ

۳۵ ـ تذکرہ آب بقا ـ خواجہ عبد الرؤف عشرت ـ لکھنؤ ۱۹۲۸ء

۳۶ ـ تذکرہ ریاض الفردوس ـ مولوی محمد حسین خاں ـ لاہور ۱۹۶۸ء

۳۷ ـ تذکرہ شمیم سخن (جلد اول) مولوی عبد الحی صفا بدایونی ـ مطبع امداد الہند مرادآباد ۱۲۸۹ھ

۳۸ ـ تذکرہ طبقات الشعراء ـ قدرت اللہ شوق (مرتبہ نثار احمد فاروقی) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۸ء

۳۹ ـ تذکرہ علمائے اہل سنت ـ مولوی محمود احمد قادری (خانقاہ قادریہ اسلام آباد بھوانی پور ۱۳۹۱ھ)

۴۰ ـ تذکرہ علمائے حال ـ مولوی محمد ادریس نگرامی ـ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۷ء

۴۱ ـ تذکرہ علمائے ہند (رحمان علی) مترجم (مرتبہ محمد ایوب قادری) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء

۴۲ ـ تذکرہ کاملان رام پور ـ حافظ احمد علی خاں شوق ـ دہلی ۱۹۲۹ء

۴۳ ـ تذکرہ مشاہیر کاکوری ـ محمد علی حیدر ـ لکھنؤ ۱۹۲۷ء

۴۴ ـ تذکرہ نادر ـ مرزا کلب حسین نادر ـ (مرتبہ مسعود حسن رضوی) لکھنؤ ۱۹۵۷ء

۴۵ ـ تذکرۃ الواصلین ـ مولوی رضی الدین بسمل ـ منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز پریس لکھنؤ ۱۳۰۸ھ

۴۶ ـ تذکرۃ الواصلین ـ مولوی رضی الدین بسمل ـ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۵ء

۴۷ ـ تشریح الانساب (خطی) مولوی ضیاء اللہ کھجرایونی (مملوکہ منظر الرحمٰن کھجرایونی) کراچی

۴۸ ـ تفسیر ابر کرم ـ مولوی امیر الدین ـ دہلی ۱۳۰۰ھ

۴۹ ـ تلاش غالب ـ نثار احمد فاروقی ـ مکتبہ شاہراہ دہلی ۱۹۶۹ء

۵۰ ـ تلاش غالب ـ نثار احمد فاروقی ـ کتابیات لاہور ۱۹۶۹ء

۵۱۔ تلامذۂ غالب۔ مالک رام۔ مرکز تصنیف و تالیف نکودر ۱۹۵۷ء

۵۲۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (واقعات و شخصیات) محمد ایوب قادری۔ پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۷۶ء

۵۳۔ جواہر زواہر/ ابرار حسین فاروقی اٹاوہ ۱۹۵۶ء

۵۴۔ جلوہ خضر (حصہ دوم) صغیر احمد بلگرامی آرہ ۱۸۸۵ء

۵۵۔ جہان غالب۔ کوثر چاندپوری۔ مکتبہ کائنات لاہور ۱۹۶۶ء۔

۵۶۔ چمنستان سخن۔ مفتی محمد حسن خاں۔ مطبع رفاہ عام گورکھپور ۱۹۰۸ء

۵۷۔ حدائق بخشش۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔ ازہر بک ڈپو کراچی

۵۸۔ حمد باری۔ مولانا عبدالسمیع بیدل۔ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱۵ء

۵۹۔ حیات جاوید۔ الطاف حسین حالی۔ پنجاب اکادمی لاہور ۱۹۵۷ء

۶۰۔ خاندان برکات۔ مولوی محمد میاں مارہروی حسنی پریس بریلی ۱۹۲۷ء

۶۱۔ خاندان برکات۔ مولوی محمد میاں مارہروی (طبع اول)

۶۲۔ خطوط غالب (دو جلد) اسداللہ خاں غالب (مرتبہ غلام رسول مہر) کتاب منزل لاہور ۱۹۵۱ء

۶۳۔ خمخانہ جاوید (جلد چہارم) لالہ سری رام دہلی ۱۹۲۶ء

۶۴۔ داستان تاریخ اردو۔ حامد حسن قادری۔ آگرہ ۱۹۴۱ء

۶۵۔ دافع الاوہام فی محفل خیر الانام۔ مولانا عبدالسمیع بیدل۔ مطبع گلشن فیض لکھنؤ۔

۶۶۔ دستنبو، اسداللہ خاں غالب۔ روہیل کھنڈ لٹریری سوسائٹی بریلی ۱۸۶۵ء۔

۶۷۔ دید و دریافت۔ شمس بدایونی۔ روشن پبلی کیشنز بدایوں ۱۹۸۱ء

۶۸۔ دیوان برشتہ (خطی) تفضل حسین برشتہ۔ مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی

۶۹۔ دیوان تمنا (خطی) مولوی محمد حسین تمنا مرادآبادی (مملوکہ مولوی محمد اطہر نعیمی) کراچی

۷۰۔ دیوان تواریخ۔ سید آل محمد مارہروی۔ مطبع نورالانوار آرہ ۱۲۸۸ھ

۷۱۔ دیوان رسوا۔ احمد حسن رسوا۔ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۹۸ء

۷۲۔ دیوان عرش (خطی) اعتماد الدین عرش فاروقی (مملوکہ سید الطاف علی بریلوی) کراچی۔

۷۳۔ دیوان غالب اسداللہ خاں غالب۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۱۵ء۔

۷۴۔ دیوان غالب اسداللہ خاں غالب۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۱۸ء

۷۵۔ دیوان غالب۔ اسداللہ خاں غالب۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۳ء

۷۶۔ دیوان غالب (نسخۂ حمیدیہ) اسداللہ خاں غالب۔ بھوپال ۱۹۲۱ء

۷۷۔ دیوانِ غالب (نسخہ عرشی) اسد اللہ خاں غالب۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ ۱۹۵۸ء

۷۸۔ دیوان غالب (نسخہ طاہر) اسد اللہ خاں غالب۔ لاہور ۱۹۶۹ء

۷۹۔ دیوان غریب۔ مطبع دلکشا فتح گڑھ ۱۲۸۳ھ

۸۰۔ دیوان معروف۔ نواب الٰہی بخش معروف (مرتبہ مولوی عبدالماجد بدایونی) نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۵ء

۸۱۔ ذکر غالب۔ مالک رام۔ مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۶۴ء

۸۲۔ ذوق۔ سوانح و انتقاد۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۳ء

۸۳۔ راحت القلوب فی مولد المحبوب۔ مولانا عبدالسمیع بیدل۔ مطبع محب کشور ہند میرٹھ ۱۲۹۰ھ

۸۴۔ رپورٹ محمڈن اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس اجلاس چہاردہم رام پور۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۹۰۰ء

۸۵۔ رپورٹ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان (مرتبہ سرسید احمد خاں) بنارس ۱۸۷۲ء

۸۶۔ رسالہ مولوی سلطان حسن بریلوی (از مفتی سعداللہ مرادآبادی) (مطبع شعلہ طور کانپور ۱۲۸۸ھ

۸۷۔ رقعات مدہوش بخاوت حسین مدہوش (مرتبہ حامد سعید خاں لودی) نظامی پریس بدایوں ۱۹۶۳ء

۸۸۔ روح کلام غالب۔ مرزا عزیز بیگ سہارنپوری۔ نظامی پریس بدایوں۔

۸۹۔ روز روشن (تذکرہ) محمد مظفر حسین صبا۔ بھوپال ۱۲۹۷ھ

۹۰۔ سبد باغ دو در۔ اسد اللہ خاں غالب (مرتبہ امتیاز علی عرشی) انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۷۰ء

۹۱۔ سحر سامری و طامات سامری (دیوان) سحر منشی دیبی پرشاد سحر بدایونی۔ نولکشور پریس کانپور ۱۸۹۴ء

۹۲۔ سخن شعراء۔ عبدالغفور نساخ۔ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

۹۳۔ سرکشی ضلع بجنور۔ سرسید احمد خاں۔ سلمان اکیڈمی کراچی ۱۹۶۲ء

۹۴۔ سلسلہ عالیہ۔ حکیم عنایت حسین مارہروی (تصحیح و اضافہ منشی فیض احمد) مطبع ہاشمی میرٹھ ۱۳۰۶ھ

۹۵۔ سیرت حاجی امداد اللہ اور ان کے خلفاء۔ مولوی امداد صابری دہلی ۱۹۵۱ء

۹۶۔ سیرت فریدیہ۔ سرسید احمد خاں (مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی) پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۶۴ء

۹۷۔ شرح دیوان غالب۔ یوسف سلیم چشتی۔ عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور ۱۹۵۹ء

۹۸۔ شمع انجمن۔ نواب صدیق حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۲ھ

۹۹۔ صبح گلشن۔ نواب علی حسن خاں۔ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ

۱۰۰۔ طبقات الشعراء۔ کریم الدین۔ دہلی ۱۸۴۸ء

۱۰۱۔ طوالع الانوار۔ مولوی انوار الحق بدایونی۔ مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۸۹ھ

۱۰۲۔ علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی) (دو جلد) مرتبہ محمد ایوب قادری۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۰ء

۱۰۳۔ عمدۂ منتخبہ نواب اعظم الدولہ میر محمد خان سرور (مرتبہ خواجہ احمد فاروقی) دہلی ۱۹۶۱ء

۱۰۴۔ عہد بنگش کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ مفتی ولی اللہ (مرتبہ محمد ایوب قادری) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس ۱۹۶۵ء

۱۰۵۔ عیار الشعراء۔ خوب چند ذکا۔ (فوٹو اسٹیٹ کاپی)، انجمن ترقی اردو کراچی۔

۱۰۶۔ عین الانسان۔ قاضی علی احمد محمود اللہ بدایونی۔ وکٹوریہ پریس بدایوں۔

۱۰۷۔ غالب۔ غلام رسول مہر۔ لاہور ۱۹۴۴ء

۱۰۸۔ غالب۔ شاعر امروز و فردا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری لاہور ۱۹۷۰ء

۱۰۹۔ غالب نامہ، شیخ محمد اکرام۔ لاہور ۱۹۳۶ء

۱۱۰۔ غالب نام آورم۔ نادم سیتاپوری۔ لاہور سنہ

۱۱۱۔ غالب کا فن۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی۔ لاہور ۱۹۶۹ء

۱۱۲۔ غالب کی نادر تحریریں۔ ڈاکٹر خلیق انجم۔ دہلی ۱۹۶۱ء

۱۱۳۔ غالب کے لطیفے مفتی انتظام اللہ شہابی۔ حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۴۷ء

۱۱۴۔ غزلیات معروف (خطی) نواب الٰہی بخش معروف (مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی)

۱۱۵۔ غیاث اللغات۔ مولوی غیاث الدین رام پوری۔ مطبع میر حسن رضوی لکھنؤ ۱۲۶۵ھ

۱۱۶۔ غیاث اللغات۔ مولوی غیاث الدین رام پوری۔ نولکشور پریس کانپور ۱۸۷۳ء

۱۱۷۔ فتویٰ مولود و عرس وغیرہ۔ مطبع گلزار احمدی مراد آباد

۱۱۸۔ فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ مرتبہ نصیر الدین ہاشمی۔ حیدرآباد دکن ۱۹۵۷ء

۱۱۹۔ فیضان قدسی۔ مولانا عبد السمیع بیدلؔ۔ خواجہ بک ڈپو دہلی ۱۹۲۷ء

۱۲۰۔ قاموس المشاہیر (دو جلد) نظامی بدایونی۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۱۵-۲۶ء

۱۲۱۔ قرآن کریم (مطبوعہ باہتمام ممتاز علی) مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۸۳ھ

۱۲۲۔ قرآن کریم۔ (مطبوعہ باہتمام ممتاز علی) مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۲۹۳ھ

۱۲۳۔ کاشف الاستاد (خطی) شاہ حمزہ مارہروی (مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی)

۱۲۴۔ کشف المتواری فی حال نظام الدین قاری۔ تراب علی قلندر (مرتبہ امجد علی) مطبع اصح المطابع لکھنؤ ۱۳۱۴ھ

۱۲۵۔ کلیات نثر غالب۔ اسد اللہ خاں غالبؔ۔ نولکشور پریس کانپور ۱۸۷۵ء

۱۲۶۔ کلیات غالب فارسی (جلد اول) مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۷ء

۱۲۷۔ کنز التاریخ رضی الدین بسمل بدایوں ۱۹۰۷ء

۱۲۸۔ گل رعنا۔ حکیم عبد الحی۔ دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۷۰ھ

۱۲۹۔ گلشن بیخار۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ۔ لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

۱۳۰۔ گلشن ہمیشہ بہار۔ نصر اللہ خاں خویشگی۔ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۷ء۔

۱۳۱۔ مآثر صدیقی۔ نواب علی حسن خاں۔ نولکشور پریس لکھنؤ ۲۵-۱۹۲۴ء

۱۳۲۔ مثنوی دعائے صباح۔ اسد اللہ خاں غالب۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۵۰ء

۱۳۳۔ مرآت خیال (دیوان شعری) مطبع ریاض ہند امرتسر ۱۳۰۴ھ

۱۳۴۔ مسلم شعرائے بہار (حصہ سوم) حکیم احمد اللہ ندوی۔ کراچی

۱۳۵۔ معجم المطبوعات العربیہ المعربہ (جلد اول) مصر ۱۳۴۶ھ

۱۳۶۔ مکاتیب غالب۔ اسد اللہ خاں غالب (مرتبہ امتیاز علی عرشی۔ رام پور ۱۹۴۹ء

۱۳۷۔ مکتوبات جعفری (قلمی) سید جعفر حسین دیوبندی۔ مملوکہ محمد ایوب قادری، کراچی۔

۱۳۸۔ ملفوظات و طیبات مذاق میاں۔ مرتبہ اخیار علی بدایونی۔ امیر الاقبال پریس بدایوں

۱۳۹۔ مولانا فیض احمد بدایونی۔ محمد ایوب قادری۔ پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۵۷ء

۱۴۰۔ مومن۔ کلب علی خاں فائق۔ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۱ء۔

۱۴۱۔ مونس الذاکرین۔ شیخ اللہ بخش گروہ مکتیشری۔ مطبع سوسائٹی بریلی ۱۳۰۴ھ

۱۴۲۔ میری سرگزشت۔ رئیس احمد زبیری۔ کراچی ۱۹۶۴ء

۱۴۳۔ نادرات غالب۔ مرتبہ آفاق حسین کراچی ۱۹۴۹ء

۱۴۴۔ نامہائے فارسی غالب۔ سید اکبر علی ترمذی۔ غالب اکیڈیمی دہلی نو ۱۹۶۹ء

۱۴۵۔ نذر عرشی۔ مرتبہ مالک رام۔ دہلی ۱۹۶۵ء

۱۴۶۔ نزہتہ الخواطر (جلد ہفتم) حکیم عبد الحی۔ دائرہ المعارف حیدرآباد

۱۴۷۔ نظامی بدایونی۔ محمد احمد کاظمی۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۴۹ء

۱۴۸۔ نظم منیر (کلیات منیر) منیر شکوہ آبادی۔ مطبع سعیدی رام پور

۱۴۹۔ نکات غالب۔ نظامی بدایونی۔ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۰ء

۱۵۰۔ نقد و نظر۔ حامد حسن قادری۔ آگرہ ۱۹۴۲ء

۱۵۱۔ نقش آزاد۔ مرتبہ غلام رسول مہر۔ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء

۱۵۲۔ نور مدائح حضور۔ مولوی غلام شبر بدایونی۔ امیر الاقبال پریس بدایوں۔

۱۵۳۔ نہج الادب۔ حکیم نجم الغنی خاں رام پوری۔ نولکشور پریس رام پور ۱۹۱۹ء

۱۵۴۔ نئے اور پرانے چراغ۔ آل احمد سرور۔ اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۱ء

۱۵۵ - وقائع نصیر خانی - نصیر الدین برلاس (مرتبہ محمد ایوب قادری) آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۱ء
۱۵۶ - وسیلۂ مغفرت - مولانا عبدالسمیع بیدل - مطبوعہ
۱۵۷ - ہفت آسمان - آغا احمد علی - ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ ۱۸۷۳ء
۱۵۸ - ہفت مسئلہ - حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (مطبوعہ)
۱۵۹ - ہندوستانی اخبار نویسی - محمد عتیق صدیقی - انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ ۱۹۵۷ء
۱۶۰ - یادگار ضیغم - عبداللہ خاں ضیغم - حیدر آباد دکن ۱۸۸۶ء
۱۶۱ - یادگار غالب - الطاف حسین حالی - شیخ مبارک علی، لاہور ۱۹۳۲ء

رسائل و جرائد

۱ - آجکل (دہلی) فروری ۱۹۶۳ء (نوادر غالب از ڈاکٹر نثار احمد فاروقی)
۲ - آجکل (دہلی) مارچ ۱۹۵۵ء (غالب سوسائٹی - از مالک رام)
۳ - العلم (کراچی) اپریل ۱۹۶۹ء (غالب نمبر)
۴ - العلم (کراچی) اپریل ۱۹۷۱ء
۵ - العلم (کراچی) ۱۹۷۰ء - رشید ابریلوی از ڈاکٹر محمد ایوب قادری
۶ - الموتمر مارچ ۱۹۵۰ء (بدایوں اور اہل حدیث از محمد سلیمان بدایونی)
۷ - الہلال (کلکتہ) ۱۷ جون ۱۹۱۴ء
۸ - ذوالقرنین بدایوں (ہفتہ وار) متعدد اشاعتیں
۹ - سرحد، کراچی جون جولائی ۱۸۶۴ء - تاریخ قنوج (نواب صدیق حسن خاں) مرتبہ محمد ایوب قادری
۱۰ - علی گڑھ میگزین ۴۹-۱۹۴۸ء، آثار غالب از قاضی عبدالودود
۱۱ - عبرت، نجیب آباد، ستمبر ۱۹۱۶ء غالب کا مزار
۱۲ - کتاب، لاہور فروری، مارچ ۱۹۷۰ء (غالبیات نمبر)
۱۳ - کمال، دہلی - جنوری ۱۹۱۲ء
۱۴ - ماہ نو، کراچی - فروری ۱۹۶۹ء (غالب کا کلکتہ حمید احمد خاں)
(غالب اور بنگال وفا راشدی)
۱۵ - معارف، اعظم گڑھ - اگست ۱۹۶۹ء (خاندانِ مفتیان کی شاعری کا مختصر جائزہ (ڈاکٹر لطیف حسین ادیب)
۱۶ - معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۶۹ء
۱۷ - میگزین اسلامیہ کالج بریلی ۷۰-۱۹۶۹ء (غالب نمبر)

۱۸۔ نگار، رام پور فروری ۱۹۶۳ء

۱۹۔ نقوش لاہور جون ۱۹۶۰ء

۲۰۔ نقوش لاہور اکتوبر ۱۹۶۹ء (غالب نمبر دوم)

۲۱۔ وطن لاہور ۸ر ستمبر ۱۹۰۵ء

مکتوبات بنام راقم الحروف

۱۔ مولانا عبدالحامد بدایونی مورخہ ۳ر دسمبر ۱۹۶۹ء

۲۔ مولانا ضیاء القادری بدایونی ۱۳ فروری ۱۹۶۹ء ۷ر اپریل ۱۹۷۰ء

۳۔ شیخ شمس الدین میرٹھی ۲۳ر اپریل ۱۹۵۹ء و ۱۹ر مئی ۱۹۵۹ء

۴۔ جبیں احمد زبیری موصولہ ۹ر دسمبر ۱۹۶۸ء

۵۔ مولوی محبوب رضوی دیوبندی ۱۲ر مارچ ۱۹۶۷ء و ۲۲ر مئی ۱۹۶۸ء

۶۔ وحید احمد مسعود ۲ر اگست ۱۹۶۱ء





غضنفر اکیڈمی پاکستان کراچی